برهانپور کے

سندھی اولیاء

المعروف به

تذکرهٔ اولیای سنده

تالیف

سید محمد مطیع الله راشد برهانپوري

سندھی ادبی بورڈ، جام شورو۔حیدرآباد

۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ع

فهرست مضامين

پیش لفظ

(از جناب سید حسام الدین صاحب راشدی)

دسویں صدی ہجری سندھ کے لئے بہت ہی نامبارک اور غیر مسعود دَور تھا، اِسی صدی کے ابتدائی چوتھائی حصّے میں سندھ کی آزادی و خود مختاری کچھ اِس طرح ختم ہوئی کہ تقریباً اس کے بعد اڑھائی سو سال تک سندھ اپنے آپ کو دوسروں کی غلامانہ زنجیروں سے نہ چھڑا سکا۔

سندھ کا وہ عہد جسے تاریخی نقطہ نظر سے زرّین دَور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے سَمہ عہد ہے، سُمّہ کے دَورِ حکمرانی میں کئی صدیوں تک سندھ نے امن، خوش حالی اور سکون کے وہ دن دیکھے کہ جس کی نظیر سندھ کی تاریخ کے پُورے ادوار میں ملنا مشکل ہے، حقیقت یہ ہے کہ سَمہ حکمرانوں نے سندھ کو ترقی و کمال کے انتہائی عروج پر پہنچایا، خوش بختی و کامرانی سَمہ فرمانرواؤں کے قدم چومتی تھی، اور سَمہ فرمانروا ملک کی فلاح و بہبود کی شاہراہ پر بڑی تیزی سے گامزن تھے کہ اچانک جام نظام الدین (متوفی ۹۱۴ھ) کے بعد سندھ کے سکون و امن کا شیرازہ بکھرا، اقتدار کے حصول اور باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے سَمّوں کا آفتاب اقبال زوال پذیر ہوا چنانچہ ۹۲۸ھ میں سندھ پر غلامی کی وہ اُداس شام مسلّط ہوئی کہ جس کی

تاریکیوں نے آزادی و خودمختاری کے سورج کو صدیوں تک ابھرنے نہ دیا۔

ارغون جو شاہ اسمٰعیل، بابر اور محمد خان شیبانی کے دباؤ سے کابل اور قندھار چھوڑنے پر مجبور تھے اور اپنی پریشانیوں سے ایک نئے وطن کی تلاش میں تھے وہ سمہ خاندان کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سندھ پر بلائے بے درماں کی طرح ٹوٹ پڑے اور مسلط ہو گئے، ان کے خاتمہ کے بعد ان کے قائم مقام ترخان ہوئے، ارغون اور ترخانوں کی حکومت تقریباً سو سال رہی، لیکن ان کی حکومت کا ہر دن اس امن و عافیت کے گہوارہ کو تباہی و بربادی، قتل اور غارت گری کی آماجگاہ بناتا رہا، یہاں تک کہ وہ خطۂ ارضی جسے سمہ فرمانرواؤں نے امن و سکون کے اعتبار سے جنت بنایا تھا، ارغون اور ترخان کے دور میں اہل سندھ کے لئے اضطراب اور بے چینی کا دہکتا ہوا دوزخ بن کر رہ گیا جس کا ایندھن اہل سندھ کو مدتوں بننا پڑا۔

ارغون ہی کے دور میں ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر یہاں آیا، چار سال تک ارغون اور ہمایوں میں آویزش ہوتی رہی، خود شاہ حسین ارغون کی پوری زندگی لڑائیوں اور معرکوں میں گذری، اس نے سندھ سے لے کر ملتان تک خونریزی کی جو ایک بساط بچھائی، اس سے تاریخ کے اوراق آج تک رنگین نظر آتے ہیں۔ سندھ ان مصیبتوں سے سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ عیسیٰ ترخان اور محمود بھکری کی طویل معرکہ آرائیوں اور خونریزیوں نے اسکی تباہی و بربادی پر ایک نئی مہر لگائی، سندھ کو اس دوسری مصیبت سے پوری طرح نجات بھی نہ ملنے پائی تھی کہ میرزا باقی اور جان بابا کی آویزشوں نے اسے پھر تباہی و بربادی کے عمیق غار کی طرف

ڈھکیل دیا میرزا باقی کی خودکشی کے بعد خانخانان اور میرزا جانی بیگ کے درمیان جنگ کی جو بساط بچھی اس نے تو اِس مریضِ جان بلب کو موت کے منہ تک پہنچا دیا۔

غرض یہ کہ ۹۱۴ھ سے ۱۰۱۰ھ تک پوری ایک صدی سندھ کے لئے قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھی کہ جس میں سندھ علمی و مادی حیثیت سے بالکل تباہ و برباد ہوگیا، سمہ حکمرانوں نے جو مسرتیں و شادابیاں، آراستگی و پیراستگی اس ملک کو بخشی تھیں، وہ اس سے چھین لی گئیں، اُن کی بنائی ہوئی سربفلک عمارتیں اور ان کی بخشی ہوئی رعنائیاں آگ، خاک، آندھیوں اور طوفانوں میں ہمیشہ کے لئے مٹ گئیں +

اِن ہنگامہ خیزیوں میں سندھ کا وہ نقصانِ عظیم جس کی تلافی ہزاروں گردشوں کے بعد آج تک زمانہ نہ کرسکا یہ تھا کہ علم و ادب کی وہ بساطیں جو صدیوں سے بچھی ہوئی تھیں اُلٹ گئیں، روحانی فیض وارشاد کی وہ مسندیں جن سے عرفان و تصوّف کے چشمے اُبلتے تھے خالی ہوگئیں، اور وہ خانقاہیں جن میں معرفت اور عظمتِ الٰہی کے نغمے گونجتے تھے، ویران ہوگئیں مدرسے جن سے علم و فضل کے دریا بہتے تھے سونے ہوگئے۔

علماء و صوفیائے کرام یہاں کے غیر محفوظ حالات دیکھ کر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے، اور اس طرح گئے کہ پھر کبھی سندھ کا رُخ نہ کیا، انھیں مہاجروں میں سے ٹھٹھہ کے علماء اور پاٹ کے صوفیاء بھی تھے جنھوں نے اس دورِ انتشار و پریشانی میں یہاں سے نکل کر مکۂ معظمہ اور مدینہ منوّرہ کا رُخ کیا اور بعض نے گجرات اور دکن کی طرف اپنے لئے نئی خانقاہیں آراستہ کیں +

حضرت مسیح الاولیاؒ کا خاندان اور متعلقین جن کا تذکرہ اس کتاب کی زیب و زینت ہے اس دورِ ابتلاء میں ترکِ وطن کر کے بُرہان پور میں آباد ہوا اور وہاں رُشد و ہدایت تعلیم و تربیت کی وہ مسند آراستہ کی کہ جن کے فیوض و برکات ہندوستان کے ہر حصے میں پہنچے، یہاں تک کہ صدیاں گذرنے کے بعد آج بھی بُرہان پور میں "سندھی پورہ" ان بزرگوں کی یاد دلاتا ہے۔

سندھ کے اس زمانے کے پریشان کن حالات نے ان بزرگوں کا وطن کی طرف سے کچھ ایسا دل توڑا کہ نہ پھر وہ سندھ آئے اور نہ سندھ والوں کو ان کا کچھ پتہ چلا، یہی وجہ ہے کہ سندھ کے تذکرے اِن بزرگوں کے حالات سے خالی نظر آتے ہیں اگر کہیں کچھ حالات ملتے بھی ہیں تو وہ اتنے تشنہ اور نامکمل کہ ان پر وثوق نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر حضرت مسیح الاولیاء کے حالات ہی کو لے لیجئے، صاحبِ تحفۃ الکرام نے سندھ کے ایک بزرگ شیخ جیئے لنگوٹی کو شیخ جیئے لنگوٹی سندھی برہانپوری لکھا ہے اور ان کا مدفن مکلی بتایا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں شخصیتیں جدا جدا ہیں، شیخ جیئے لنگوٹی شیخ حالی کے مقبرے کے قریب مکلی میں دفن ہیں، اور مسیح الاولیا شیخ جیئے سندھی برہانپوری برہانپور میں محوِ خواب ہیں، ان بزرگوں کے سلسلے میں اس قسم کی بہت سی غلطیاں ان تذکروں میں ملتی ہیں جو سندھ میں لکھے گئے۔

حضرت مسیح الاولیاء اور ان کے اجداد و احفاد کے حالات کے متعلق مجھے کئی سال سے تلاش و جستجو تھی، لیکن نہ کبھی بُرہان پور جانا ہوا اور نہ بُرہان پور کی کوئی ایسی علمی شخصیت ملی کہ جن سے یہ تاریخی عقدہ حل کیا جاتا، زمانہ گزرتا گیا یہاں تک کہ

پاکستان بننے کے بعد جب ہندوستان کے مختلف شہروں سے لوگ ہجرت کر کے پاکستان آئے تو برہانپور کے کچھ خاندان بھی اس سلسلے میں کراچی پہنچے، انھیں میں مجھے وہ نعمتِ غیر مترقبہ ملی جنھیں حضرت راشد برہانپوری سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو اِس تذکرے کے مؤلف و مصنف ہیں، حضرت راشد برہانپوری نے سندھ کی تاریخ کے گم شدہ اوراق کو میری گذارش پر نہایت محنت و کاوش سے مرتب کر کے سندھ کی تاریخ کے اس باب کو مکمل کیا ہے جس کے بغیر سندھ کے صوفیاء کرام کی تاریخ میں ایک بڑا خلا محسوس ہوتا تھا۔

اُنھوں نے اپنی خرابی صحت کے باوجود جب کہ اُن کو دیکھ کر اُن کے وجود پر عدم کا گمان ہوتا ہے، اس تذکرے کی ترتیب میں جو محنت شاقہ برداشت کی ہے اہلِ نظر اس کتاب کے مطالعہ سے اس کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے، اس تذکرے میں واقعات کی چھان بین، روایات کی تحقیق و تدقیق، حالات کی ترتیب و انتخاب، پھر اِس کتاب کی ادبیت و معنویت یہ سب خصوصیات سامنے آتی ہیں اور پڑھنے والے کے قلب پر اُن کی عملی عظمت کا ایک نقش مُرتسم کر دیتی ہیں۔

راشد صاحب نے جن نامساعد حالات، غریب الوطنی کی غیر مطمئن زندگی خرابیِ صحت کے باوجود یہ گراں بہا علمی خدمت انجام دی ہے میں اہلِ سندھ کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کی قدر و قیمت میری نظر میں اس لئے بھی زیادہ ہے کہ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ راشد صاحب کو اپنی اِس تصنیف کے دَوران میں صعوبتوں کی کون کون سی منزلوں سے گذرنا پڑا، علاوہ ناقدری روزگار کے جو ہمیشہ

اہلِ کمال کے ساتھ چولی دامن کی طرح رہی ہے راشد صاحب کو اس عرصہ میں بڑی سخت اور طویل بیماریوں کا سامنا کرنا پڑا بعض دفعہ تو ان کی صحت نے قطعی جواب دے دیا نہ فقط یہ بلکہ وہ خود بھی اپنی زندگی مستعار سے مایوس سے ہو گئے صحت کچھ ٹھیک ہوئی تو ناتوانی اور کمزوری نے اسطرح گھیرا کہ

تنم از ضعف چناں شد کہ اجل جست نیافت
نالہ ہر چند نشاں داد کہ در پیرہن است

اس ناتوانی کے عالم میں ان کی قوتِ ارادی کے کرشمے کی داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے مُشتِ استخوان ہونے پر بھی بستر پر پڑے پڑے اس کتاب کو مکمل کر دیا اور ان کی اس علمی کاوش کی بدولت سندھ کی تاریخ کا وہ اہم حصہ ہمارے سامنے آ گیا جس کے بغیر سندھ کے اولیاء کرام کی تاریخ نامکمل رہتی۔

(سید) حسام الدین راشدی

۱۲ر اگست ۱۹۵۵ء

تحمید و تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

بعد حمد و سپاس بیقیاس خالقِ ارض و سما خداوند جل و علا و درود و ثنا محمد شایستہ حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم و مناقب و محامد شایانِ آلِ ازکیا و اصحابِ مقتدا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم و اوصاف و مدائح سزاوار اولیاء و مشائخ قدس اللہ اسرارہم۔ نیازمند سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری اپنی کوتاہی علم و استعداد کے باوجود تذکرۂ اولیائے سندھ پیش کرتے ہوئے اپنے برہانپوری ہونے پر اس لئے فخر کرتا ہے کہ

اس اولیاء خیز سرزمین کی عرفانی شادابیوں نے اپنے ایک گوشۂ چمن سے ولایت و معرفت کے اس قدر نادر ایسے گلہائے رنگا رنگ و عطر افشاں عطا فرما دیے جنھیں ترتیب میں لاکر میں ایک شاداب گلدستہ کی شکل میں تذکرہ اولیائے سندھ کے نام سے دانشورانِ سندھ کو پیش کر سکا۔

برہانپور کو میں نے اولیاء خیز شہر لکھا ہے یہ صرف میری خوش نظری نہیں ہے بلکہ قدما بھی اسکو اولیاء خیز شہر ہی لکھتے آئے ہیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے

برہان پور کو دیکھا تو بطور نذر ارادت و خراجِ عقیدت یہ اشعار پیش کئے تھے۔

فزود نورِ بصیرت لقائے برہانپور | دمید روح بقالب ہوائے برہانپور
دماغ عالمیاں را چہ تازگی بخشید | طراوتِ چمنِ دلکشائے برہانپور
سوادِ اعظمِ او بسکہ نور افشان است | ز آفتاب زند دم سُہائے برہانپور
بنام اشرف برہان دین غریب نمود | نصیر والیٔ کشور بنائے برہانپور
زہے مقامِ مقدس کہ اولیا خیز است | کند سپہر طوافِ فضائے برہانپور
فنا و بسکہ گذر لشکر محمد[1] را | غبار خیز بود کوچہائے برہانپور

بسر زمینِ ورق ابر خامۂ آزاد
نمود سبز نہالے ثنائے برہانپور

مورخ معروف محمد قاسم فرشتہ نے راجے علیخان عادل شاہ فاروقی کی مدح میں جو نیاز مندانہ پیشکش کی تھی اس مدح کے اِس شعر کا اطلاق تو پورے خانوادۂ فاروقیہ کے عہدِ معدلت مہد پر ہوتا ہے۔

چو نسبت دارِ فاروقی است بادا جاودان عدلش
بلا اہل خوردگانِ ظلم را تریاقِ فاروقی

مستند تاریخی شواہد ثابت کرتے ہیں کہ موجودہ شہر برہانپور برگزیدہ اولیائے کرام کی پیشین گوئی اور دعاؤں کی برکت سے آباد ہوا ہے۔ یہ پیشینگوئی عارف باللہ حضرت شیخ برہان الدین غریب قدس اللہ سرہٗ کی تھی جن کے نام سے منسوب ہوکر اس کا نام برہانپور ہوا۔ نیز یہ پیشین گوئی بنائے آبادی سے تقریباً ایک صدی قبل ۷۲۰ھ میں واقع ہوئی تھی، اور لطف یہ ہے کہ اس وقت بھی یعنی ۸۰۲ھ میں اس غیر آباد مقام پر صدیوں پہلے

---

[1] حضرت شیخ لشکر محمد عارف حضرت شیخ الاولیا شیخ عیسےٰ جند اللہ سندھی کے مرشد ہیں۔

سے ایک حضرت پیر بنان قدس سرہٗ کا مزار موجود و معروف تھا۔ ان اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سنہ مذکور میں جب حضرت شیخ برہان الدین غریب نے دولت آباد جاتے ہوئے اس مقام پر قیام کیا تھا تو یہاں کے چند غیر مسلم دیہاتیوں نے آپ کو یہ بتایا تھا کہ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا نام لسانا ہے۔ اور یہاں ایک پیر صاحب کا مزار ہے جنکو ہمارے باپ دادا اور ان کے باپ دادا پیر بنان کہتے رہے ہیں۔ یہ معلوم کرکے آپنے فرمایا کہ جب اس گاؤں کا نام لسانا اور یہاں کے پیر پیر بنان ہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ یہاں ایک عظیم الشان اسلامی شہر آباد ہو کر رہے گا۔

حضرت پیر بنان کے متعلق برہانپور کے قدما میں سینہ بسینہ یہ روایت سنی گئی ہے کہ آپ بہت قدیم زمانہ کے بزرگ ہیں اور آپ کا شمار تبع تابعین میں ہے — یہ روایت میں نے بھی سنی ہے لیکن بمصداق العلم حجاب الاکبر تاریخ بنائے برہانپور ۱۰۲۱ھ کا علم ہونے کے باعث مجھے اس روایت کی صحت سے انکار رہا بعد میں بعض ایسی چیزیں مطالعہ میں آئیں کہ یہ حجاب اٹھتا ہی نظر آتا ہے۔ میری تحقیقات جاری ہے۔ اگر حیاتِ مستعار نے مہلت دی اور حالات نے اجازت دی تو حضرت پیر بنان کے متعلق تحقیقی مضمون جداگانہ طور پر پیش کروں گا۔

یہاں بانیانِ برہانپور فاروقی سلاطین کے بابت یہ ظاہر کردینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ بانیٔ سلطنت سے لیکر خاتم سلطنت تک اس سلسلہ کے تمام بادشاہ راسخ العقیدہ سنی ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی عالم و فاضل درویش دوست اور صوفیانہ ذوق سے بہرہ ور تھے اور علما صلحاء و صوفیاء کی سرپرستی اور معارف نوازی میں ایک دوسرے پر تفوق رکھتے تھے۔ نیز ہر بادشاہ اپنے زمانہ کے کسی نہ کسی خدارسیدہ

بزرگ کی بیعت وخلافت سے شرف یاب تھا۔ اور ہر ایک نے اپنے عہد کے مشاہیر علماء اور اہل اللہ کو بمنّت وتضرّع بلاکر برہانپور میں آباد کیا۔ نصیر خان فاروقی حضرت زین الدین داؤد شیرازی رح کا مرید تھا۔ زین پور یا زین آباد انھیں کے نام سے موسوم ہے۔ آپ حضرت برہان الدین غریب کے خلیفہ تھے۔ عینا عادل خان حضرت شاہ بھکاری کا مرید تھا۔ اُسی کے عہد میں حضرت شاہ شاہ باز کے والد حضرت شیخ عبد القدوس برہانپور تشریف لائے۔ مبارک شاہ فاروقی حضرت شاہ شاہباز کا مرید تھا۔ اعظم ہمایوں فاروقی حضرت شاہ باجن کا مرید تھا۔ محمد شاہ فاروقی حضرت شاہ آبا ابراہیم قدس سرہٗ کا مرید تھا۔ اس بادشاہ کی پیر پرستی کی مثال اور کہیں نگاہ سے نہیں گذری۔ محمد شاہ نے اپنے مرشد سے التجا کی تھی کہ جس طرح دنیا میں آپ کے سایۂ عاطفت سے مالامال ہوں چاہتا ہوں کہ قبر سے اُٹھتے ہی مجھے آپ کا دیدار اور آپ کے دامانِ کرم کا سایہ حاصل ہو۔ آپ نے منظور فرمالیا تھا کہ میری قبر بھی تمھاری قبر کے پہلو میں ہوگی، چنانچہ پہلے محمد شاہ کا انتقال ہوا اور وہ اپنے آبائی شاہی قبرستان کے عظیم الشان گنبد میں دفن کئے گئے۔ بعد وصال شیخ آبا ابراہیم کی قبر بھی شاہی مقبرہ کے اندر بادشاہ کی قبر کے برابر بنائی گئی۔ اِسطرح بادشاہوں کی قبروں کے پہلو بہ پہلو اس متاض درویش شیخ آبا ابراہیم کی قبر شاہ وگدا کے ایک صف میں ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔ راجے علی خان عادل شاہ فاروقی حضرت شیخ عبد الرحیم کپڑونجی کا مرید تھا جو شیخ ابراہیم قاری سندھی کے خلیفہ تھے۔ عادل شاہ نے پیر کے احترام میں ان کی قیام گاہ سے متصل ایک نئی بستی بسادی جس کو اُنھوں نے بادشاہ کے نام سے عادل پورہ نامزد کیا۔ آپ بعد وصال اپنے حجرۂ عبادت میں دفن ہوئے۔

عادل شاہ کو بھی خانخاناں نے اُن کی خواہش و وصیت کے مطابق بجائے آبائی قبرستان مبارک پورہ کے عادل پورہ میں ان کے مرشد کے مزار سے متصل دفن کیا۔

غرض کہ فاروقی خانوادہ کے تمام بادشاہ اپنی معارف پروری اور درویش دوستی وصلح نوازی میں بڑے دریا دل واقع ہوئے تھے اور ہر ایک بادشاہ نے اپنے عہد کے علماء و اہل اللہ کو بمنت و تضرع برہانپور لانے میں سعی بلیغ کی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ رفتہ رفتہ یہاں نہ صرف چار دانگ ہندوستان بلکہ عرب و عجم کے مشاہیر علماء و مشائخ تشریف لاتے اور خاص و عام کو اپنے علم و فضل کی برکتوں سے مستفید فرماتے رہے۔ چنانچہ آج برہانپور میں اندرونِ شہر اور نواح برہانپور میں دُور دُور تک بے حد و شمار عظیم الشان مقابر اس دعوے کی مستند دلیل کی حیثیت سے موجود و نمودار ہیں۔

چونکہ تذکرۂ ہذا میں مخصوص بزرگان سندھ اور ان کی اولاد و احفاد و بعض خلفاہی کا ذکر کیا گیا ہے جس کو دفتر اولیائے برہانپور کا ایک باب یا ایک گلزار ہمیشہ بہار کے مخصوص تختۂ چمن سے صرف ایک نوع کے مہکتے ہوئے پھولوں کا تر و تازہ و شاداب گلدستہ سمجھنا چاہیے ایسا گلدستہ جس کے عطر افشاں پھولوں کی روح پرور نکہتیں دماغ اہلِ عالم کو معطر کرتی رہی ہیں اور معطر کرتی رہینگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی ارواح طیبات کی برکتوں سے ارباب اشاعت، مطالعہ کنندگان اور راقم آثم کو دین و دنیا کی سُرخروئی اور ایمان کی سلامتی پر خاتمہ کا موقعہ عطا فرمائے۔ آمین

نیازمند

سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری

مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۵۴ء

ایک اہم سوال کا جواب

تاریخی پس منظر اور ملکی ماحول کے آئینہ میں

اس تذکرے میں سندھ کے ان مقتدر علمائے محدثین و صوفیائے صالحین کے حالات درج ہیں جو دسویں صدی ہجری میں اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے برہانپور میں متوطن ہوئے۔ جو بزرگ براہ راست نہ آئے وہ بھی مختلف بلاد و امصار کی سیر سے سیر ہوکر بالآخر برہانپور آئے اور یہیں کے ہو رہے۔

اطراف ملک سے برہانپور آنیوالوں میں زبردست اکثریت تو علماء و صلحائے سندھ ہی کی ہے لیکن ان کے علاوہ مالوہ، گجرات۔ پنجاب۔ کشمیر۔ بنگال وغیرہ کے علماء۔ صوفیا اور صلحا بھی جب یہاں آئے تو پھر واپس نہ گئے جن کے آثار و اذکار بڑی فراوانی سے آج بھی برہانپور میں موجود ہیں۔

اس صورت میں لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے برہانپور جیسے گمنام گوشہ میں کیا جاذبیت تھی کہ اس قدر دور و دراز کے برگزیدہ خصائل بزرگوں نے اس شہر کو اپنے وطن عزیز کا بدل تجویز کیا جبکہ مالوہ۔ گجرات۔ دکن و ممالک شرقی نسبتاً قریب۔ زیادہ وسیع۔ کافی خوشحال اور مسلم حکمرانوں کے زیرنگین تھے ؟

سوال اپنی جگہ برمحل اور معقول ہے۔ تاہم مذکورۃ الصدر بزرگوں کے مسالک۔ افتاد طبع۔ مشاغل اور اس عہد کے ملکی ماحول پر بہ غور و تامل نظر ڈالی جائے

تو واضح جواب خود سامنے آجاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ مشائخ و علماء صوفیانہ مذاق کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی ترویج و تبلیغ میں عشق کے درجہ کا شغف رکھتے تھے۔ اپنی خانقاہوں اور دینی درسگاہوں میں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ تصوف وغیرہ اعلیٰ علوم کی درس تدریس اور عارفانہ تعلیمات میں اطمینان خاطر اور ذہن و دماغ کی کامل یکسوئی کے ساتھ مصروف عمل تھے اور اس یکسوئی و یکجہتی میں ذرا بھی خلل برداشت نہ کر سکتے تھے۔ چہ جائیکہ طوائف الملوکی کے لرزہ خیز ہنگامے۔ انتزاع سلطنت کے خونی انقلابات۔ ان بزرگوں نے جام نظام الدین المعروف جام نندا کا وہ پر امن اور شعائر اسلام پر عامل (۸۶۶ تا ۹۱۴) عہد دیکھا تھا جس کے متعلق مولانا محمد معصوم نامی لکھتے ہیں:۔

جام نظام الدین ہر ہفتہ بہ اصطبل خود می رسید و دست بر پشت اسپاں میکشدہ و میگفت کہ اے دولت منداں بغیر غزا نمی خواہم کہ سواری بر شما واقع شود۔ چراکہ در حدود اربعہ حکام اسلام اند۔ دعا کنید کہ بے سبب شرعی بجائے نروم و کسے نیز اینجا نیاید مبادا خون مسلمانانِ بیگناہ ریختہ شود و عنداللہ سبحانہ شرمسار گردم ــــ درزمانِ دولت اواحیائے سُنن بنوعے شیوع یافتہ بود کہ مافوق آں تصور نتواں کرد ـ تاریخ سندھ معصومی، صفحہ ۷۵،

بر خلاف اس کے بابر کے خروج اور سعی ملک گیری نے اطراف ملک میں فتنہ و فساد اور شورش و بدامنی کا ماحول پیدا کر دیا اور سب سے پہلے سندھ ہی

اِس ماحول سے متاثر ہوا۔

کہا جا سکتا ہے کہ بابر نے سندھ کی طرف پیش قدمی نہیں کی اور یہ درست بھی ہے کہ وہ سندھ کیطرف توجہ کرنے کا موقعہ ہی نہ پا سکا۔ لیکن اس کے خروج کا دباؤ ہی تھا جس سے ہر طرف تباہی خیز بد امنیوں کا بازار گرم ہو گیا۔

اِن اجمال کی تفصیل یہ ہے:۔

بابر غزنیں کابل وغیرہ علاقہ جات مفتوحہ کے استحکام کا حسبِ دلخواہ انتظام کر کے قندھار کو مسخر کرنے کے ارادہ سے کثیر التعداد فوج اور قلعہ کشائی کے وافر سامان کے ساتھ یورش کر کے حدود قندھار میں آ پہنچا۔ یہاں شاہ بیگ ارغون حکمران تھا جو ایک مرتبہ پہلے بھی بابر سے مقابلہ کر کے شکست کھا چکا تھا۔ اس نے قلعہ بند ہو کر جنگ کی تیاری کی۔ اتفاق سے بابر سخت بیمار ہو گیا۔ رفقاء نے مشورہ دیا کہ اسوقت جنگ شروع نہ کی جائے مناسب یہ ہے کہ واپس ہو جائیں اور بابر اس پر رضامند بھی ہو گیا۔ یہ خبر سنکر شاہ بیگ نے بیش قیمت تحائف اور دلجوئی کا پیغام بھیجکر دوستی اور رفاقت کا یقین دلایا۔ بابر نے اس تقریب کو غنیمت جانا اور کابل واپس چلا گیا۔ اور جواب میں شاہ بیگ کے لئے تحفے بھیجے۔

شاہ بیگ ارغون نہایت مدبر اور دانا شخص تھا وقتی طور پر قندھار سے جنگ کا خطرہ ٹل جانے سے اس کا دل مطمئن نہ ہوا اس نے اپنے مخلص بہی خواہوں کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور اپنے اندیشے صاف ظاہر کئے کہ اس مرتبہ تو بابر صرف قندہار کو دیکھ کر واپس چلا گیا ہے لیکن آثار بتاتے ہیں۔ وہ جب تک

ہمیں یہاں سے بے دخل نہ کردے چین سے نہیں بیٹھے گا۔ اور اگر بفرض محال وہ اور کسی طرف مصروف ہوکر کچھ عرصہ تک یہ اقدام نہ کرے تب بھی بہت سے شہزادے جو ملک گیری کے عزائم تو رکھتے ہیں لیکن قزلباش و ازبک سلطنتوں کی طرف آنکھ اٹھاکر دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتے ہم پر ہی چڑھائیاں کریں گے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم اپنا کوئی اور انتظام کرنے میں تغافل سے کام نہ لیں۔ تاریخ معصومی کے الفاظ یہ ہیں :-

"(شاہ بیگ) بہ امرا و لشکریان خود گفت، حضرت ظہیر السلطنت دریں مرتبہ تشریف آوردہ قندہار را دیدند و سالِ دیگر لوائے تسخیر خواہند افراخت۔ و تا مارا ازینجا بیجا نسازند آرام نخواہند گرفت۔ و دیگر آن کہ بادشاہزادہ بسیار مجتمع شدہ دستِ ایشان بہ ازبک و قزلباش نمی رسد و میخواہند کہ قندہار را در تصرفِ خود در آورند ۔ مارا فکرِ خود باید کرد" صفہ ۱۱۱

چنانچہ شاہ بیگ نے اپنے لئے یہ انتظام کیا کہ ابتدائے موسم سرما ۹۲۱ھ میں ایک ہزار منتخب سواروں کی جمعیت سندھ میں بھیجدی۔ ان سورماؤں نے موضع کاہان و باغبانان کو تاراج کرڈالا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے بیگناہ قتل ہوئے اور کس مقدار میں نقد و جنس لوٹ لے گئے۔ حضرت مخدوم جعفر نے جو سندھ کے بلند پایہ عالم تھے میرزا عیسےٰ ترخان سے بیان کیا تھا کہ اس دار و گیر میں صرف ایک ہزار وہ اونٹ مالِ غنیمت میں لیجائے گئے جو رات کو باغوں میں کنوؤں کی چرخیاں چلاتے تھے۔ اسی سے ان مواضع کی آبادی اور خوش حالی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ معصومی میں لکھا ہے کہ :-

"در اوّل زمستان ہزار سوار را مستعد ساختہ او سیوی در ولایت سندھ فرستادند۔ آن جماعۃ در ہنگام شہر ذیقعدہ ۹۲۱ھ احدی و عشرین و تسعمأۃ

کاہان و باغبانان را آمدہ تاختند۔ مخدوم جعفر کہ یکے از علمار سندھ بود از میرزا عیسیٰ ترخان نقل میکروند کہ درین تاخت ہزار شتر از چرخہائے باغات کہ شب کار میکردند بردند و قیاس باید کرد بریں چیز ہائے دیگر را و معموری آن دیار را ؟ صفحہ ۱۱

یہ جام فیروز کا عہد تھا۔ سندھ کا یہ عیش پسند بادشاہ اپنے نامور والد جام نندا کی وسیع و مضبوط سلطنت کو سنبھالنے کی صلاحیتوں سے بیگانہ نہ تھا، اسی کے عہد میں سندھ کے بڑے بڑے شہر برباد ہوئے۔ قتل و غارت کی گرم بازاری۔ فتنہ و فساد کی شورشوں کے پیش نظر لوگ امن و عافیت سے مایوس ہوکر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ اسی شاہ بیگ ارغون نے ۹۲۶ھ میں شہر ٹھٹھ پر یورش کی، جام فیروز نے مقابلہ بھی کیا لیکن ہزیمت پائی۔ فاتح فوج وہ بھی مغلوں کی فوج۔ شہر میں قہر خدا بن کر داخل ہوئی۔ لوٹ قتل، آتش زدگی کون سا عذاب تھا جو ٹھٹھہ کے باشندوں پر مسلط نہ ہوا۔ شرفاء و علماء تک کو بے انتہا سبک اور ذلیل کیا گیا۔ عمائدین شہر و مشاہیر عصر بھی قید و بند اور ذلتوں سے بچ نہ سکے۔ قاضی قاضن کے اہل و عیال بھی اسیر دستگیر ہوئے۔ حالانکہ قاضی موصوف قریب و دور بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور خود شاہ بیگ بھی ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ آخر انھیں کے کہنے اور سفارش پر بہت سے شرفا بعد میں رہا کئے گئے۔ اس موقعہ پر تاریخ معصومی منظر ہے:۔

تا بیستم ماہ مذکور (محرم ۹۲۶ھ) شہر ٹھٹھہ را تاراج نمودہ خاک مذلت بر فرق ساکنانش افشاندند و مضمون آیۂ کریمۂ اِذَا دَخَلُوْ قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا افسدوا ها بابلغ وجہے ظاہر گشت و بسیارے از اہل و عیال مردم

در بند افتاد۔ بلکہ فرزندانِ جام فیروز نیز در شہر ماندند۔

چوں شاہ بیگ را خبر شد مردمِ خوب را برائے محافظت بر در حویلی ایشان فرستادہ شرم آنہا را نگاہ داشت۔ بالآخر بسعی قاضی قاضن کہ یکے از فضلائے آن عصر بود آن نائرۂ غضب فرو نشست زیرا کہ اہل و عیالِ قاضی نیز بہ بند افتادہ بود و سراسیمہ وار در کوچہائے ٹھٹہ گم کردگانِ خود را می جست تا آنکہ رقعہ انشا نمودہ خرابیِ احوالِ مردم را درج کرد۔ ص ۱۴۱ معصومی

ایسی شکستِ فاش اور ملک و مال کی تباہی سے مزید اندیشہ مند ہو کر جام فیروز نے شاہ بیگ سے عاجزانہ طور پر صلح کی درخواست کی۔ شاہ بیگ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ سندھ جیسی وسیع مملکت کو تسخیر تو آسانی سے کیا جا سکتا ہے لیکن معدودے چند معتمد کا مستقلاً اس پر مسلط رہنا مشکل ہوگا۔ بہتر ہے کہ نصف ملک سہوان سے ٹھٹہ تک جام فیروز سے متعلق رہے اور باقی نصف کو لکی سے اوپر اپنے عمال کے قبضہ میں رکھا جائے۔ جام فیروز نے خوشی سے یہ شرط منظور کر لی اور صلح نامہ مرتب ہو کر اس پر عمل بھی شروع ہو گیا۔ اس مشورہ اور فیصلہ کے الفاظ یہ ہیں :۔

"مناسب آنست کہ نصف ولایت را بہ جام فیروز تفویض نمائیم و نصف دیگر بعہدۂ معتمدانِ خود گذاریم۔ ورائے ہمہ برین قرار گرفتہ مقرر گردانیدند کہ از کوہ لکی کہ قریب بہ سہوان است تا ٹھٹہ متعلق بہ جام فیروز داشتہ باشد و از لکی بالاتر تعلق

به بندگانِ ایشان ۔ صفحہ ۱۱۶ معصومی

اِس قرار داد کے مطابق شاہ بیگ نے جام فیروز کو مطمئن کر کے سندھ کے دیگر شہروں پر فوج کشی کی اور سیوستان۔ ٹھٹھی۔ بھکر۔ الور وغیرہ کو بزورِ شمشیر تسخیر کیا اور ہر جگہ قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ امن و سکون کی بساط اُلٹ گئی۔ ان خونی انقلابات کی دار و گیر کے پیہم اور مسلسل ہنگاموں نے نہ صرف سابق اربابِ حکومت کے اعزاز و اکرام کو خاک میں ملا دیا بلکہ عام کاروباری لوگ بھی اپنی جان و مال و آبرو کو خطرے میں محسوس کرنے لگے ۔ بالخصوص علمائے، مدرسین و صلحائے صالحین کو اپنے مشاغل پر کاربند رہتے اور عافیت و اطمینان سے قطعی مایوسی ہوگئی اور اُنھوں نے دل برداشتہ ہو کر بجز اسکے چارۂ کار نہ دیکھا کہ اپنے اسلاف کی روش کے مطابق وطن سے ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ سربرآوردہ علماء و مشائخ جب موقع ملا یکے بعد دیگرے سندھ سے ہجرت کرنے لگے ۔ مولانا محمد معصوم نے جستہ جستہ کئی بزرگوں کے سندھ چھوڑ جانے کا مجملاً ذکر کیا ہے۔ قبل اس کے کہ ان اجمال کا اقتباس نقل کروں اسی کتاب سے ایک عبارت نقل کرتا ہوں جس میں ارغون فاتح حکمران کے متعلق اہلِ سندھ کے نفرت انگیز جذبات کا پتہ چلتا ہے ۔

بھکر و سیوستان کی تسخیر کے بعد ۹۲۸ھ میں شاہ بیگ کا بعارضۂ قلب انتقال ہوگیا۔ اگرچہ جام فیروز نے اس سے پیمانِ وفا باندھا ہوا تھا لیکن اس زبردست حریف کی موت پر شریکِ غم ہونے کے بجائے اس نے اظہارِ مسرت کیا ٹھٹھ میں خوشی کے شادیانے بجائے ۔ اس خبر سے شاہ بیگ کا جانشین فرزند

شاہ حسن نہایت برہم ہوا اور مراسم تعزیت سے فارغ ہوکر جام فیروز کے استیصال کی تیاریاں کیں، انجام کار تباہ کن معرکہ آرائیوں کے بعد اسکو سندھ سے بیدخل کردیا اصل عبارت یہ ہے:۔

وبعد از فراغ امور تعزیت خبر رسانند کہ جام فیروز و مردم ٹھٹہ از خبر مرگ شاہ بیگ خوشحالی کردند و نقارہ نواختند، عرق غیرت مرزا شاہ حسن بحرکت آمد و نائرہ غضب شعلہ زدن گرفت۔ امرا و اعیان صلاح در رفتن گجرات نہ دانستہ رایت عزیمت بہ تسخیر ٹھٹہ و استیصال جام فیروز برافراختند۔ صفحہ ۱۲۷ معصومی

تاریخ معصومی سے ان متعدد مشاہیر علماء کے ترک وطن کرنے کی شہادت ملتی ہے۔ اولاً ۹۲۷ھ میں قلعۂ بھکر سے سادات کو بیدخل کیا گیا۔ اس کے بعد

۱۔ قاضی عبداللہ[1] بن قاضی ابراہیم ۹۳۲ھ میں گجرات چلے گئے اور وہاں سے حجاز مقدس جا پہنچے اور وہیں وفات پائی۔

۲۔ شاہ جہانگیر ہاشمی ۹۴۶ھ میں حجاز پاک روانہ ہوئے جنھیں راہ میں ڈاکوؤں نے

---

[1] قاضی عبداللہ مع اہل و عیال تشریف لے گئے تھے۔ اسکی شہادت اخبار الاخیار میں شیخ عبداللہ دشیخ رحمۃ اللہ کے ذکر میں باین الفاظ موجود ہے۔" والد شیخ رحمۃ اللہ قاضی عبداللہ از ولایت سندھ در بعضے حوادث روزگار بقصد زیارت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم و توطن دران مقامات پاک با جمعے کثیر از فرزندان و اہل و عیال برآمد چندگاہ در احمدآباد گجرات اقامت نمود و با شیخ علی متقی صحبت داشت و بعد از وصول بمقامات شریفہ در مدینہ منورہ توطن فرمود و در اندک مدت از عالم درگذشت صفحہ ۲ اخبار الاخیار مطبوعہ

شہید کر دیا۔

۳۔ اسی اثنا میں قاضی فاضل بھی حجاز پہنچکر مدینہ منورہ میں رہنے لگے۔
معصومی میں ضمناً صداقت ملتی ہے۔

۴۔ مولانا شیخ عبداللہ ابن مولانا سعد سندی در بیلہ ۹۴۰ھ میں گجرات اور
وہاں سے مدینہ منورہ جاکر قاضی فاضل کی رفاقت میں رہے

۵۔ اسی اثنا میں سیح الاولیاء کے والد شیخ قاسم اور عم حضرت شیخ طاہر محدث
قصبہ قصبہ پات سے ہجرت کر کے۔ گجرات۔ برار اور وہاں سے برہان پور تشریف
لے گئے۔ معصومی میں اس خاندان کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن عین المعانی اور
کشف الحقائق میں مفصل حالات مذکور ہیں۔ اور گلزار میں سب سے
زیادہ تفصیل درج ہے۔

۶۔ ۹۶۲ھ میں مرزا عیسےٰ ترخان نے محاصرہ سے تنگ آکر قلعہ سیوستان
حاصل کیا تو وہاں کے اکابر ہجرت کر کے پہلے گجرات اور وہاں سے دکن پہنچکر
منعم خاں کے ملازم ہو گئے۔

مخصوص مشاہیر کی نشاندہی ہے۔ در اصل ۹۲۸ھ کے بعد سندھ کے ہر
شہر سے کثیر التعداد ارباب علم و فضل ہجرت کر کے جنوبی ہند کے شہروں میں چلے گئے
ظاہر ہے کہ ان بزرگوں نے ملکی دار و گیر کے عافیت سوز ہنگاموں سے اُکتا کر
وطن چھوڑا تھا اور انھیں اب ایسے گوشہ امن کی تلاش تھی جہاں اطمینان خاطر
کے ساتھ اپنے روحانی و علمی مشاغل میں منہمک ہو سکیں لیکن ادھر ملک کا
سیاسی ماحول یہ تھا کہ گجرات کی مضبوط اسلامی سلطنت مغلوں کی تاخت

دغارت کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ دکن میں بہمنی سلطنت کے حصے بخرے ہو کر وجود میں آئی ہوئی۔ پانچوں مسلم حکومتیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھیں اور کسی مملکت میں تو مسلم حکمراں کے برسرِ اقتدار ہونے کے باوجود غیر مسلم اثر کا دباؤ پایا جاتا تھا اور بعض شاہِ ایران سے توڑ جوڑ ملانے کے لئے شیعیت کی طرف مائل تھیں البتہ انھیں سے متصل خاندیس کی چھوٹی سی مگر مضبوط سلطنت واقع تھی جس کا دارالسلطنت برہانپور تھا۔ جس کے بانی اور حکمراں فاروقی سلاطین تھے ۔ آلِ فاروق کے سلسلے کے تمام بادشاہ راسخ العقیدہ حنفی تھے اور ہر ایک بادشاہ اپنے صوفیانہ مسلک، علم و فضل معارف پروری اور مشائخ نوازی میں ایک دوسرے سے فائق تھا۔

اگرچہ برہانپور بھی ان دنوں ملکی ماحول کی شورش انگیزیوں سے مستثنیٰ نہ تھا۔ پھر بھی بدامنیوں کی آماجگاہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ وقت کے مسلک اور اس کی علم دوستی و صلحانوازی کی شہرت و کشش ہوئی مختلف تارکانِ وطن جو ممالکِ دکن میں منتشر تھے رفتہ رفتہ اسی طرف کھنچنے لگے۔ خود شاہ وقت نے بیش بہا نذرانے اور معاندین کے وفود بھیجکر علماء صوفیاء اور اہلِ فضل کو بلایا۔ علم دوست طبقہ نے شایانِ شان پذیرائی کی۔ اپنی مرضی سے آنیوالوں کا بھی اسی طرح اعزاز و اکرام کیا گیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے بھی نیازمندانہ سرپرستی عمل میں آئی۔ یہی وجہ تھی کہ آنیوالے یہیں پر متوطن ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اسی دَور میں سندھ کے متعدد سربرآوردہ و ممتاز مشائخ و علماء بھی برہانپور تشریف لائے اور مختلف مقامات پر فروکش ہو چکے تھے ۔

لیکن سندھ کے کثیر التعداد بلکہ بے حد و شمار خواص و عوام کے برہانپور کی طرف رجوع ہونے کا ایک خاص سبب یہ بھی ہے بلکہ صرف یہی ہے کہ دسویں صدی ہجری کے آخر میں جب مسیح الاولیا اور ان کے چچا حضرت شیخ طاہر محدث برہانپور تشریف لائے اور ان کی وطنی نسبت سے ان کی سکونت گاہ سندھی پورہ کے نام سے شہرت پذیر ہوئی تو نہ صرف اطراف و جوانب کے علاقوں میں منتشر سندھی بزرگان کرام کشاں کشاں برہانپور آکر سندھی پورہ کی آبادی و رونق کا باعث ہوئے بلکہ بعد میں مختلف بلادِ سندھ سے ہجرت کرنے والے تو براہ راست بُرہان پور ہی پہنچتے رہے۔ چنانچہ یہ کھلی ہوئی حقیقت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سندھیوں کا جو اجتماع عظیم شہر برہانپور میں پایا جاتا ہے اس کا عشر عشیر بھی ہندوستان کے کسی شہر میں ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

سندھی پورہ برہان پور کا سب سے بڑا محلہ بن گیا تھا لیکن اس کی وسعتیں بھی جب سندھی مہاجرین کو جذب نہ کر سکیں تو اس کے متصل ایک اور محلہ بس گیا جس کو صحت کنواں کہا جاتا ہے۔ جو بعد میں نواب ابوالخیر خان کی نسبت سے خیر خانی موسوم ہوا۔ یہاں صرف شہر ٹھٹہ کے مہاجرین آباد ہوئے اور یہ اپنی وطنی نسبت سے ٹھٹائی کہلائے۔ انھوں نے برہانپور میں اپنی وطنی صنعت و قومی دستکاری کپڑے رنگنے اور چھاپنے کے کام کو ذریعۂ معاش بنایا ہوا تھا۔ ان کے اخلاف بھی تاحال یہی پیشہ کرتے رہے اور آج بھی ٹھٹائی کہے جاتے ہیں۔ ٹھٹائیوں کی کپڑو رنگنے اور چھینٹ بنانے کی صنعت اس قدر مقبول رہی ہے کہ باوجود ولایتی مشینوں سے چھپی ہوئی نظر فریب چھینٹ اور دیدہ زیب

رنگین کپڑے بازار میں آجانے کے بعد بھی چند سال پہلے تک اس دستکاری کو عام مقبولیت حاصل تھی۔ فی زمانا یہ صنعت برائے نام رہ گئی ہے اور دستکار حسب صلاحیت دوسرے کاروبار میں لگ گئے لیکن یہ خاندان اب بھی ٹھٹائی ہی کے نام سے شہرت وغرفیت رکھتے ہیں۔

یہ تھا پس منظر اس دور کے ملکی ماحول کا اور یہ ہے توجیہہ مدلل ومفصل سندھ کے اعیان واکابر کے اس تعداد کثیر میں شہر برہانپور کو دیگر بلاد وامصار پر ترجیح دیکر وطن ثانی بنانے کی جس کی مزید توثیق وتصدیق تذکرۂ ہذا کے مطالعے سے پیش نظر ہوگی۔

بلحاظِ ترتیب مندرجہ اذکار کے تین دَوْر
مقرر کئے ہیں۔

دَوْرِ اوّل

خانوادۂ حضرت مسیح الاولیا قدس سرہٗ

حضرت شیخ طاہر محمد قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ یوسف سندھی کے فرزند ہیں۔ زاد بوم اور آبائی وطن قصبۂ پات (پاتری) ہے جو آپ کے بزرگوں کا آباد کیا ہوا ہے اور جو ان پاک باطن بزرگوں کی نیک نفسی کی برکتوں اور سعید اخلاف کی علم پروری کے باعث گہوارۂ علوم بنا ہوا تھا۔ راسخ الایمان دینداروں کی یہ آبادی امن و خوش حالی کے اعتبار سے بھی اس نواح میں اپنا جواب آپ تھی۔

شیخ کی طفولیت اور ابتدائی تعلیم کی تفصیلات کا ہمیں علم نہ ہوسکا، البتہ ملا حسن غوثی کی شہادت کے مطابق ہم آپ کو آغاز شعور میں متداول عربی فارسی درسیات کا فارغ التحصیل اور منتہی عربی کتب کی تعلیم پر کاربند پاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے:۔

"آغازِ ہوش میں آپ حصولِ علم کے شوق میں سفر کر کے حضرت شیخ شہاب الدین سندھی کی خدمت میں پہنچے اور منطق کی کتاب شرح شمسیہ پڑھنے کی خواہش کی۔ شیخ نے یہ درس اپنے مناسب حال نہ دیکھ کر حضرت امام محمد غزالیؒ کی منہاج العابدین پڑھنے کی ترغیب دی۔ اس سفر میں آپ کے بڑے بھائی شیخ طیب اور والد محترم بھی ساتھ تھے۔ چونکہ مذکورہ کتاب موجود نہ تھی لہٰذا ان تینوں شیدایان علم نے مل کر دو ہفتہ میں کتاب کی نقل کی اور

سبق شروع کر دیا۔ (اذکار ابرار مطبوعہ اردو صفحہ ۴۲۶)

اِس فدائے علم خاندان کی جستجو اور سعیِ حصولِ علم مندرجۂ بالا روایت سے ظاہر ہے۔ نوجوانی میں طلبِ علم کی یہ تڑپ، بزرگ باپ اور حوصلہ افزا برادر بزرگ کی اِس حد تک سرپرستی و اعانت نے آپ کو عالمِ جوانی میں عالمِ بے بدل بنا دیا تھا۔ آپنے چچازاد بھائیوں حضرت شیخ معروف اور شیخ عثمان سے سیلت پور متصل بھکر جاکر مرصاد العباد کا درس لیا ہے اور ان کی صحبت میں تصوف کے رموز و نکات معلوم کئے ہیں یہ دونوں بزرگ اپنے عہد کے فاضلِ اجل اور صاف باطن صوفی تھے۔

ایسے باکمال اساتذہ کی شاگردی اور ایسے شایستہ خاندان کی تربیت و پرداخت نے اس جوہرِ قابل کے ظاہر و باطن کو منور و مجلا کر رکھا تھا علم و فضل میں جو پایہ حاصل تھا اسی درجہ کا تقویٰ بھی رکھتے تھے۔ آپ کے تقوے کی مستند روایت آگے ملاحظہ میں گذرے گی۔

آپکا تحصیل علم اور عند الطلبی کا جذبہ اسی طرح بیدار اور برسرِ عمل رہا حتیٰ کہ آپ متاہل ہوئے پھر والد اور بڑے بھائی کی وفات کے بعد اپنے کنبے کے سرپرست اور کفیل بننا پڑا۔ اپنے چھوٹے بھائی شیخ قاسم کی خانہ آبادی سے فارغ ہوئے۔ ان تمام مرحلوں اور سب جھمیلوں کے ساتھ ساتھ اپنے علمی مشاغل کو نہ صرف خود جاری رکھا بلکہ چھوٹے بھائی شیخ قاسم کی بھی حصولِ علم میں ہر قسم کے مواقع سے مستفید ہونے میں اعانت کرتے رہے۔ انجام کار وہ بھی آغازِ شباب میں صاحبِ ذوق عالم ہو چکے تھے۔

جملہ مشاغل علمی اور کاروبار لاحقہ خوش اسلوبی سے جاری تھے کہ آپ نے وطنِ عزیز کو ہمیشہ کے لئے ترک کرنے کا اقدام کیا اور کنبہ کے تمام متعلقین کو لیکر جنوبی ہند کی طرف روانہ ہو گئے۔ ظاہر بینوں کو تعجب ہے کہ وطن میں ہر طرح کی آسائش و طمانیت حاصل ہونے کے باوجود یکایک غریب الوطنی کیوں گوارا کی اور اس بات سے اکتساب علم و کمال مقصود تھا تو خود چلے جاتے جملہ عزیزوں کو کیوں مبتلائے مصیبت کیا۔ فرحی نے حضرت مسیح الاولیا کے ذکر میں ترکِ وطن کی یہ توجیہہ لکھی ہے۔ ہمایوں کی آمد سے سندھ میں ابتری پھیلی تو یہ بزرگان ہجرت کر گئے۔ فرحی کے الفاظ یہ ہیں۔

"دراں ایام از آمدنِ ہمایوں بادشاہ در ملک سندھ تفرقہ و
حادثہ افتادہ بود پدر و مادر و عم حضرت مسیح منقبت و بعضے از
خویشان از قصبہ یات انتقال نمودند۔ (کشف الحقائق قلمی ص۳)

انھوں نے زمانہ کا تعین نہیں کیا لیکن ملا غوثی رح نے سنہ نو سو پچاس لکھا ہے۔ واقعی اس زمانہ میں تو سندھ اور بالخصوص آپ کا وطن ہر طرح مامون و مصئون تھا۔ لیکن مغل یورش کے موقعہ پر قصبہ یات اس قدر تباہیوں سے دوچار ہوا کہ جس کی کوئی مثال نہیں دیکھی جا سکتی۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ترکِ وطن کی پیش بندی القائے غیبی اور کشفِ روحانی تھا کہ آپ اپنے متعلقین کو امن و فراغت کی حالت میں اس مقام سے باطمینان نکال لائے جو برباد ہو جانے والا تھا اور وقت آنے پر وہ برباد ہو کر رہا ۔

وطن سے عازم سفر ہوکر آپ منزل بہ منزل واردِ گجرات ہوئے۔ برسات کا موسم شروع ہوچکا تھا احمد آباد میں فروکش ہوئے۔ خیال یہ تھا کہ اس شہر میں قیام کرکے طولانی سفر کی تھکن سے آسودہ و تازہ دم ہولیں اور بارش کا موسم بھی ختم ہوجائے تو آگے روانہ ہوں کیونکہ اس نواح کی بارش سندھ کے مقابلہ میں کافی زیادہ اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔ یہ آپ کا عزم مصمم تھا۔ لیکن جلد ہی یہ واقعہ رونما ہوگیا۔

آپ احمد آباد میں مقیم ہوئے تھے کہ حضرت غوث الاولیا محمد غوث گوالیریؒ کے یہیں موجود ہونے اور ان کے فضل و کمال کا شہرا سنا تو اپنے چھوٹے بھائی شیخ قاسمؒ کے ساتھ بکمال نیازمندی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں طالبانِ فیوض و برکات کا مجمع کثیر تھا۔ روحانی راز و نیاز پر گفتگو ہورہی تھی دونوں بھائی ایک مناسب جگہ پر بیٹھ گئے۔ غوث الاولیا مخاطب ہوئے اور یگانگت کی محبت آمیز نظر سے محدث صاحب کو دیکھ کر صوفیانہ انداز سے فرمایا۔ انکا شیشہ تو نہایت مصفا ہے۔ کیا اچھا ہو اگر اس میں شراب گلرنگ بھردی جائے۔ شیخ طاہر اس وقت اس رمز کو نہیں سمجھے اور اپنے تقویٰ و تورع کے پیش نظر شیشہ و شراب کی لفظی ٹھیس نہ سہہ سکے ملول ہوکر چلے آئے۔ انھیں اس خیال سے نہایت تکلیف ہوئی تھی کہ ایسے بلند مرتبہ بزرگ کو برسرِ مجلس شراب کا نام زنہار نہیں لینا چاہیئے تھا۔ فرحی نے یہ روایت ان الفاظ میں لکھی ہے:۔

حضرتِ ایشان بر بندگی شیخ طاہر نگاہ کردہ فرمودند کہ شیشۂ

ایشان خوب پاک است چہ نیکو بود اگر شراب دریں انداختہ شود
بندگی شیخ طاہر را این سخن مطبوع طبع نیفتاد بجہت آں کہ
از غایتِ تقویٰ کہ داشتند بخاطر ایشان رسید کہ اینچنین
شیخ بزرگ را چہ مناسب کہ در مجلس نام ام الخبائث بگیرد۔
(کشف الحقائق قلمی صـ۳۳)

اس صحبت میں ان کی طبیعت اس قدر برہم ہوئی تھی کہ وہاں سے آتے ہی سفر کی تیاری شروع کر دی تھی اور دوسرے روز علی الصبح مع متعلقین برار کی طرف چل طرف کھڑے ہوئے۔ اگرچہ اسوقت بارش کے آثار طاری تھے لیکن آپ نے کوئی پروا نہ کی اور روانہ ہو گئے۔ بارش شروع بھی ہو گئی مگر یہ قافلہ جاتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ اثنائے راہ ایک پہاڑی نالہ پہ گذر ہوا۔ یہ نالہ کثرت باراں کے موقعہ پر چڑھ آتا اور ناقابلِ عبور بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن گھنٹہ دو گھنٹہ بعد اتر جایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی نالہ ناقابلِ عبور تھا۔ قافلہ اس کے اتر جانے کے انتظار میں ٹھہر گیا لیکن شام ہونے کو آئی اور طغیانی کم نہ ہوئی تو مجبوراً قریب کے ایک گاؤں میں قیام کیا گیا۔ گاؤں کے لوگوں کو بھی نالہ کی اِس طغیانی سے سخت تعجب اور توہمات کا سامنا تھا۔ وہاں کے بوڑھوں نے بتایا کہ ہم نے عمر بھر سے تو خود دیکھا ہے بلکہ اپنے باپ دادا سے بھی یہی سُنا ہے کہ یہ نالہ اتنے عرصہ تک ناقابلِ عبور کبھی نہیں رہا۔
دوسرے دن بھی نالہ ویسا ہی ناقابلِ عبور پایا گیا حتےٰ کہ کامل چھ روز گزر گئے اور یہ راستے کا سانپ سدِ راہ ہی رہا۔ اس چھوٹے گاؤں

میں مزید قیام ممکن نہ تھا مجبوراً یہی طے کیا گیا کہ احمد آباد لوٹ چلیں اور
واپس لوٹ آئے۔
کچھ عرصہ بعد محدث صاحب کو خیال آیا کہ قرآن مجید میں خمر کا لفظ متعدد
جگہ موجود ہے۔ حدیث بھی اس لفظ سے خالی نہیں۔ اگر غوث الاولیاء کی زبان
پر یہ لفظ آ گیا تو اس میں کوئی خاص برائی نہیں۔ چنانچہ آپ اس مرتبہ تازہ
خلوص و عقیدت کے ساتھ حضرت غوث الاولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
غوث الاولیا بڑے تپاک سے ملے اور مسکرا کر فرمایا آپ تو بھاگ کھڑے
ہوئے تھے مگر ہم نے جانے نہیں دیا۔ محدث صاحب سمجھ گئے کہ نالہ کی خلاف
معمول طغیانی حضرت شیخ کا روحانی اثر تھا۔ محدث صاحب نے مرید ہونے کی
تمنا کی۔ غوث الاولیاء نے آپ کو مرید کیا اور اپنے عالم بے بدل مرید کو چودہ[۱۴] خانوادہ
کی خلافت عطا فرمائی۔
بارش میں کمی ہوتے ہی مرشد طریقت سے اجازت لے کر آپ مع رفقاء برار کی طرف
روانہ ہوئے۔ ان دنوں برار کا نظم و نسق تفال خان کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے
ان بزرگوں کی بڑی خاطر داشت کی نہایت احترام و عقیدت سے ہاتھوں ہاتھ
لیا اس کے خلوص کے سبب یہ سب ایلچپور میں مقیم ہو گئے اور محدث صاحب
نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ اور تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہو گئے
اور کم و بیش ۲۲ سال برار میں رہ کر طالبان علوم کو فیض پہنچاتے رہے۔
سلطنت برار کا شیرازہ درہم و برہم ہو جانے پر آپ یہاں سے دل برداشتہ
ہوئے اور ۹۸۲ھ میں مع متعلقین برہانپور چلے آئے۔ کیونکہ آپ کے علم

وفضل کا شہرہ سنکر محمد شاہ فاروقی والی برہانپور بارہا تشریف آوری کے لئے اصرار کرچکا تھا۔ آپ کے تشریف لانے پر بادشاہ نے شایانِ شان پذیرائی کی آپ کی و متعلقین کی سکونت کے لئے شاندار محلات نذر کئے۔ یہاں بھی آپ نے علمی کارنامے انجام دئیے اور درس بھی جاری رکھا۔

آپ کے درس کی دلکشی اور لطف و کیف کے متعلق ملّا غوثی لکھتے ہیں کہ مولانا سید جمال جو بلند پایہ عالم اور حضرت آبا ابراہیم کی مسجد میں خود بھی سنگلاخ کتابوں کا درس دیا کرتے تھے پابندی کے ساتھ روزانہ ایک میل کا فاصلہ طے کرکے شیخ کے مدرسہ میں آتے رہے اور تا حیات کسی وجہ سے بھی کوئی ناغہ نہیں کیا۔ صحیح بخاری اول سے آخر تک درساً پڑھی

اسی طرح حضرت شیخ یوسف بنگالی رح جو حدیث و فقہ اور تفسیر کا درس دیا کرتے تھے تصوف کی تعلیم کے خواہش مندوں کو آپ کے مدرسہ میں بھیجدیا کرتے تھے۔ مسیح الاولیاء کی خدمت میں شیخ سکھ جی نے عرض کیا کہ میرے خسر شیخ یوسف رح نے دمِ واپسیں وصیت کی ہے کہ میرے فرزندوں کو شیخ طاہر کے درس میں کم از کم دو تین ہی حرف پڑھ لینا چاہیئے۔ اس پڑھنے کی برکت کا اثر آخر میں ظاہر ہوگا۔ چنانچہ آپ کے دو فرزندوں عبداللہ اور عبدالرحمٰن نے اس وصیت پر عمل کیا اور علم و فضل اور حق شناسی کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔

آپ کی تصنیف سے آٹھ معرکۃ الآرا کتابیں یادگار ہیں۔

(۱) تفسیر مجمع البحار[۱]۔ اس کے چند اجزا حضرت شیخ عارف باللہ کی نگاہ سے

---

[۱] صاحب تحفۃ الکرام نے مجمع البحار کو شیخ طاہر پٹنی کی تصنیف لکھا ہے وہ اس تفسیر سے مختلف ہے، ان کی تحریر کے مطابق شرح صحاح ستہ ہے۔ مجمع البحار کی تحقیق سے متعلق ناچیز مؤلف نے ایک مقالہ رسالہ معارف میں بغرض اشاعت پیش کیا ہوا ہے۔ جو مارچ ۵۵ء میں شائع ہوگیا ہے۔

گذرے۔ آپ نے بہت پسند کیا اور خوش ہو کر فرمایا کہ اس رنگین کتاب کا مصنف اپنی حسنات کی جزا کا اندازہ قیامت کے دن ہی کر سکیگا۔

نیز بادشاہ خاندیس عادل شاہ فاروقی نے اپنے دو ندیم خاص آپ کی خدمت میں بھیجکر التماس کی کہ اس خادم کے عہد کا ذکر اس کتاب کے خاتمہ پر کر دیا جائے۔ آپ نے یہ درخواست رد نہ فرمائی اور ایک مزید خطبہ لکھ کر اس خواہش کو پورا کر دیا۔ ملا غوثی لکھتے ہیں کہ

"اسی وجہ سے اس کتاب کا خطبہ دو طرح پر ہے"

ایک اشتباہ کی وضاحت

ملا غوثیؒ نے اس عہد کے بادشاہ کو ہر جگہ "علی عادل شاہ" لکھا ہے۔ یہ ان کا سہو نظر ہے۔ اس بادشاہ کا نام راجے علی خاں ہے جو ۹۸۴ھ میں عادل شاہ کا لقب اختیار کر کے خاندیس کے دارالسلطنت برہانپور میں تخت نشین ہوا اور اسی عرفیت سے متعارف رہا۔ علی عادل شاہ بیجاپور کا بادشاہ تھا جو فاروقی نہیں تھا[1] اذکار ابرار کے ناظرین حوالہ جات میں اس وضاحت کو ملحوظ رکھیں۔

(۲) مختصر قوۃ القلوب

(۳) منتخب مواہب لدنیہ

(۴) ملتقط جمیع الجوامع سیوطی

(۵) موجز قسطلانی

علامہ غوثی لکھتے ہیں کہ اس سے بڑی کوئی شرح بخاری پر نہیں ہے، بڑے بڑے بارہ دفتر دو لاکھ بیت میں مختصر کئے ہیں۔

(۶) تفسیر مدارک۔

غوثی کا بیان ہے کہ آپ نے یہ کتاب اپنے دونوں فرزندوں عبداللہ اور رحمۃ اللہ کے واسطے مختصر کی تھی اور اس کا آغاز اسطرح کیا ہے :

قال ابو عبد اللہ طاہر بن یوسف رحمۃ اللہ

(۷) اسامی رجال صحیح بخاری۔ ایک شرح ہے کرمانی کے طور پر۔

(۸) ریاض الصالحین۔ اسکی فہرست کی ترتیب تین روضوں پر رکھی گئی ہے

روضۂ اول۔ احادیث صحیحہ کا بیان۔

روضۂ ثانی۔ مشائخ عظام کے نصائح۔ غوث پاک۔ امام غزالی ابوطالب مکی۔ شہاب الدین سہروردی۔ زین الدین خوافی۔ شیخ علی متقی۔

روضۂ ثالث۔ عباراتِ اہلِ عرفان و وجدان۔ عین القضاۃ ہمدانی۔ صدر الدین قونیوی وغیرہم۔

مطالعۂ حدیث میں آپ کی ذہانت حیرت انگیز تسلیم کیگئی ہے۔ آپ کے شغف وانہماک کا یہ عالم تھا کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ مولانا فرحی نے لکھا ہے کہ :۔

"بندگی شیخ طاہر محدث سی ہزار حدیث یاد داشتند" (کشف صفحہ ۴۱)

شیخ طاہر کو علم و فضل۔ طلبِ علم پر مستعدی۔ حیرت انگیز ذہانت علومِ دینیہ کے درس اور بلند پایہ تصانیف کے اعتبار سے اپنے زمانہ کا انسانِ کامل اور عالمِ باعمل تسلیم کیا گیا ہے۔ اس زمانہ کے بزرگ ترین علماء و صوفیاء آپ کی صحبت اور آپ کے درس میں شرکت کو سعادتِ ابدی جانتے تھے

آپ نے بھی بلا امتیاز خویش و بیگانہ بیدریغ فیض عام جاری رکھا۔ کامل پچاس سال تک طالبانِ حق کی رہنمائی کرتے رہے۔

یہ تمام تاثیر اور فیض آپ کی صاف باطنی اور حسن عقیدہ کا تھا۔ خود بھی بزرگانِ سلف کا انتہائی احترام بمنزلۂ ایمان رکھتے تھے۔ میح الاولیا فرماتے تھے کہ آپکو علم ہوا کہ شیخ جموجی رحؒ کے پاس حضرت غوث اعظم کا پیراہن مبارک ہے تو آپ والہانہ اور بےتابانہ ان کی خانقاہ میں تشریف لے گئے اور پیراہن مبارک کی دامن بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اس موقعہ پر خود مسیح الاولیا اور چند اور مشائخ بھی موجود تھے۔ سب نے زیارت کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی (میاں جموجی کی) خانقاہ زین آباد میں دریاے "تاپتی کے دوسرے کنارے پر ہے۔

آپکا انتقال ۱۰۴۰ھ میں ہوا اور اپنے حجرۂ عبادت میں دفن ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد خانخانان عبدالرحیم خان نے حجرہ کی جگہ پختہ بارہ دری تعمیر کرادی۔ آپ کی تاکید تھی کہ میری قبر پر قبہ نہ بنوایا جائے ورنہ وہ عالیشان گنبد بنوانے پر مصر تھے۔ اب یہ بارہ دری حضرت مسیح الاولیا کے روضہ کے احاطہ میں آگئی ہے جو شمالی حد پر واقع ہے۔ اور کھلی ہوئی بغیر چھت کی ہے۔

اس بارہ دری کی تصویر منسلک ہے۔

آپ کی بلند پایہ نادرروزگار تصانیف کی نقول کہاں کہاں ہیں اس سے آگہی نہ ہونے کا افسوس ہے۔ علامہ غوثی نے گلزار ابرار میں تفسیر مجمع البحار کی کچھ عبارت بطور نمونہ درج کی ہے میں اُسے تمام و کمال نقل کیے دیتا ہوں

اس خیال سے کہ ان کی اس وسیع تصنیف کا آنا ہی شہ پارہ ان کے ذکر کا جزو لاینفک ہو کر محفوظ رہے

نمونہ عبارت تفسیر مجمع البحار

منقول از ترجمہ گلزار ابرار صفحہ ۴۲۷ تا ۴۳۲

فی تفسیر قولہ تعالیٰ - فی قلوبھم مرض الخ الىرض حقیقۃ ما یعرض للبدن فیخرجہ عن الاعتدال الخاص ویوجب الخلل فی افعالہ ومجازاً فی الاعراض النفسانیہ التی یخل بکمالہا کالجہل وسوء العقیدۃ والریبۃ وحب المعاصی لانہا مانعۃ عن نیل الفضائل ومودیۃ الی زوال الحقیقۃ الابدیۃ والایۃ تحتملہا فان قلوبہم کانت متالمۃ تحزناً علی ما فات عنہم من الریاسۃ وحدا علی ما یرون من اثبات امر الرسول واستعلاء شانہ یوماً فیوماً فزاد اللہ عنہم بما زاد فی اعلاء امرہ واسادتہ ذکرہ ونفوسہم کانت ماؤفۃ بالکفر وسوء الاعتقاد ومعاداۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحوھا فزاد اللہ ذالک بالطبع او بازدیاد التکالیف وتکریر الوحی وتضاعیف النصر۔

وفی الرحمانی - فی قلوبھم مرض - ھو تفریطھم فی القوۃ الحکمیۃ وافراطھم فی الشہویۃ

فی الاحیاء - اعلم ان جندی الغضب والشہوۃ قد

ینقادان للقلب انقیاداً تاما فیعینا ہ علی طریقۃ الذی
یسلکہ وقد یستعصیان علیہ استعصاء بغی وتمرد حتی
یملکاہ ویستعبداہ وفیہ ھلاکہ وانقطاعہ عن سفرہ
الذی بہ وصولہ الی سعادۃ الابد وللقلب جند اخر وھو
العلم والحکمۃ والتفکر وحقہ ان یستعین بھذا الجند
فانہ حزب اللہ تعالیٰ علی الجندین الآخرین فانھما قد یلحقان
بحزب الشیطن فانہ من ترک الاستعانۃ وتسلط علی نفسہ
جندی الغضب والشھوۃ ھلک ھلاکاً یقینا وخسر خسراناً
مبینا۔ وذلک حال اکثر الخلق فان عقولھم صارت مسخرۃ
لشھواتھم فی استنباط الحیل لقضاء الشھوۃ وکان ینبغی
ان یکون الشھوۃ مسخرۃ لعقولھم۔

اما بیان علامات مرض القلب فکما ان کل عضو من اعضاء
البدن خلق لفعل خاص بہا ومرضہ ان یتعذر
فعلہ الذی خلق لاجلہ کذالک مرض القلب ان یتعذر
علیہ فعلہ الذی خلق لاجلہ وھو العلم والحکمۃ والمعرفۃ
وحب اللہ تعالیٰ وعبادتہ والتلذذ بہ وایثار ذالک علی شھوۃ
سواء وخاصیۃ النفس التی للآدمی ما یتمیز بہ عن البھائم
ولم یتمیز بہا بقوۃ الاکل والوقاع بل بمعرفۃ الاشیاء
علی ما ھی علیہ واصل الاشیاء موجدھا ومخترعھا الذی

جبکلہا شیاءً ھو اللہ تعالیٰ فاو عرف کل شیءٍ ولم یعرف
اللہ تعالیٰ فکانہ لم یعرف شیئًا فان النّاس کلھم قد ھجروا
ھذہ العلوم واندرست فی ھذا الاعصار واشتغلوا
بتوسیط الخلق فی الخصومات الناشرۃ من اتباع الشھوات
وقالوا ھواء الفقہ واحوجوا ھذہ العلم الذی ھو فقہ
الدین من جملۃ العلوم وتجرد الفقۃ الدنیا الذے
ما قصد بہ الارفع الشواغل لیتفرغ لفقۃ الدین فکان
فقہ الدنیا من فقہ الدین بواسطۃ ھذا الفقہ۔

وفی بعض الکتب :۔ اعلم ان القلب بمنزلۃ القالب
فی الشریعۃ ولا معول الا علی القلب لانہ موضع نظر اللہ
تعالیٰ کما قال علیہ السّلام ان اللہ تعالیٰ لاینظر الی صورکم الخ
فالقلب علیلٌ وامراض مثل امراض الاشخاص فان القلب
الانسان حقیقی ولہ من الاعضاء حقائق فللقلب اس
یحیی بہ کما یحیی البدن براسہ فاذا جز راس البدن لا یحیے
فکذالک القلب وراس القلب ادراکہ لطائف الغیب و
ھذا الادراک ینقسم مثل انقسام حواس الراس واقسامہ
البصیرۃ والتذکر والمراقبۃ والتمیز والتفکر فالبصیرۃ
عین القلب والتذکر لسان القلب والمراقبہ سمع القلب
والتفکر خیال القلب والتمیز تجاربہ وفعلہ فاذا

اراده الله تعالیٰ بعبد خیراً فتح عینی قلبه و شرح لسانه
واسمع اذنه واذا اراد الله تعالیٰ بعبد شراً ختم علی
سمعه وبصره ومنعه عن ادراکاته وذلك المنع مرض
روحانی یکون صداع القلب منه ومهما زاد المنع تولدت
الغفلة والغفلة القلب بمنزلة الصرع و غلبة الظنون
الفاسدة مثل المالیخولیا للراس فان الراس اذا یبتلی به
تتخبط اعماله والقلب اذا انفعل بالظنون الفاسدة تظهر
فیه تخبطات کثیرة ویصیر کالمجنون المتحیر الممنوع
من معرفة الله تعالیٰ وحسن الظن به وامتلاء القلب
لفضول الطمع والطمع به یورث الاستسقاء فی القلب
حتی انه لا یروی من المال والجاه والدخان الغفلة یورث
عمی البصیرة فان البصیرة تظلم ویقل نورها بدخان
الهوی کما یظلم البصر ببخار الهوی فی عالم الدنیا۔

حضرت قاسم بن شیخ یوسف سندھی رح

آپ حضرت شیخ طاہر محدث رح کے چھوٹے بھائی اور مسیح الاولیاء کے والد بزرگوار ہیں۔ آبائی وطن سندھ سے ہجرت کے وقت آپ کا آغاز شباب تھا اور آپ متاہل ہو چکے تھے۔ ہجرت کی وجہ اور سفر کے تفصیلی حالات محدث صاحب کے ذکر میں لکھے جا چکے ہیں، یہاں ان کا اعادہ تحصیل حاصل ہوگا۔ کیونکہ شیخ طاہر ہجرت کے وقت صدر خاندان اور صدر قافلہ تھے بالخصوص آپ کے مربی تھے جن حالات سے حضرت محدث صاحب دوچار ہوئے آپ شریک حال رہے۔ اور یہ خاندان نہ صرف دوران سفر بلکہ قیام ایلچپور سے لے کر آپکی منتہائے حیات تک یکجا اور ایک دوسرے کا شریک و سہیم رہا۔

قبل ہجرت وطن میں آپ حصول علم میں اپنے متبحر بھائی کے دوش بدوش علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل پر کاربند رہے اور کافی ذی استعداد اور صاحب بصیرت ہو چکے تھے۔ شیخ بہاء الدین رح کے مرید تھے جو اس زمانہ میں شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کے آستانہ کے سجادہ نشین تھے۔ ہجرت کے بعد آپ کو مزید حصول علوم و تکمیل کمال کا شاید موقعہ نہ ملا۔ کیونکہ اسکی کوئی صراحت نگاہ سے نہیں گزری۔ برار میں جب محدث صاحب درس و تدریس میں مشغول نظر آتے ہیں۔ آپ جاگیر کے مواضعات کے انتظامی امور میں

مصروف پائے جاتے ہیں۔

سنہ ۹۶۲ھ میں مسیح الاولیاء کی ولادت سے کچھ قبل مولود مسعود کے متعلق آپ کے حرم میں جو غیبی بشارتیں رونما ہوئیں، ان دنوں آپ گھر پر موجود نہ تھے بلکہ جاگیر کے موضع پر ضروری امور کی انجام دہی کے لئے گئے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ ۵ رذی الحجہ سنہ ۹۶۲ھ کو جب مسیح الاولیاء کی ولادت باسعادت عمل میں آئی تب بھی آپ واپس نہیں آئے تھے۔ محدث صاحب نے مولود کا نام شیخ عیسےٰ رکھا۔ یہ خوش خبری آپ کو موضع پر پہنچی اور آپ تشریف لائے۔ فرزند کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور نام بھی بہت پسند کیا اور برادر بزرگ کو مبارکبادیں دیں۔ کچھ عرصہ قبل جب ولادت کی غیبی بشارتوں کا علم ہوا جن سے مولود کا نام سلیمان مقرر کرنے کا اشارہ پایا جاتا تھا تو آپکا جی چاہا کہ کاش اس بچہ کا نام سلیمان رکھا جاتا لیکن بڑے بھائی کی رائے میں ترمیم یا اختلاف ظاہر نہ ہو۔ اس تمنا کا کبھی اظہار نہ کیا۔ البتہ محدث صاحب کی عدم موجودگی میں مسیح الاولیا کو سلیمان کہہ کر پیار کر لیا کرتے تھے۔

وقت گذرنے پر خدا نے دوسرے فرزند کی نعمت عطا فرمائی۔ اُس وقت آپ موجود تھے۔ بھائی کی بزرگ داشت کے پیش نظر انھیں سے نام رکھنے کی درخواست کی اور اُنھوں نے آپ کی خواہش سے بےخبری میں اس بچہ کا نام عثمان رکھدیا۔ اب بھی آپ نے دم نہ مارا اور نہ اپنی آرزو ظاہر کی۔ اس حفظ مراتب اور فرمانبرداری کے انعام میں قدرت نے تیسرا فرزند عطا فرمایا اور پھر برادر بزرگ سے نام رکھنے کی التجا کی یہ لطیفۂ غیبی ہے کہ اس بچہ کا نام محدث صاحب نے خود ہی شیخ سلیمان رکھا۔ اسطرح

آپ کی تمنائے دلی بر آئی۔

آپ نہایت تقویٰ شعار، عبادت گذار اور متوکل تھے۔ شیخ طاہر محدث فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی قاسم کا مشرب صوفیانہ تھا۔ انکی دلآویز گفتار اور پسندیدہ اطوار سے اخیار و ابرار کی علامتیں ظاہر تھیں ۹۸۱ھ میں بمقام ایلچپور برار انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

مسیح الاولیاءؒ نے آپ کی روحانیت کے متعلق فرمایا ہے کہ جب اکبر بادشاہ جبراً مجھے اپنے ساتھ آگرہ لے گیا تو مجھے ان پابندیوں سے سخت پریشانی تھی۔ ایک روز میرے والد نے خواب میں آکر مجھے تسلی دی اور سندھی زبان کا ایک شعر پڑھا جس کے مفہوم و مدعا پر عمل کرنے سے جلد ہی مجھے آزادی اور برہان پور آنے کی اجازت مل گئی۔

آپ کو اصناف نظم پر بھی دسترس حاصل تھی حتیٰ کہ تاریخ گوئی پر بھی عبور رکھتے تھے آپ کے کہے ہوئے تاریخی مادے بھی نگاہ سے گذرے ہیں۔

حضرتِ شیخ سلیمان سلفی رح سندھی البری البرھانپوری

سنہ ۱۰۰۵
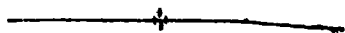
آپ مسیح الاولیا حضرت شیخ عیسے جند اللہ قدس سرہ کے حقیقی برادر خورد ہیں آپکی ولادت مسیح الاولیاء رح کی ولادت کے تین سال بعد ایلچپور برار میں واقع ہوئی (جب کہ سنہ ۹۶۶ھ تھا) حضرت شیخ طاہر محدث آپ کے عم مکرم نے شیخ سلیمان آپ کا نام رکھا۔

نام کی وجہ تسمیہ آپکی ہمشیرہ مکرمہ حضرت زینب رحمۃ اللہ علیہا سے اسطرح منقول ہے کہ جب عنقریب حضرت مسیح الاولیاء کی ولادت ہونے والی تھی حضرت ملا اسماعیل نے جو بڑے صالح بزرگ اور تعلیم قرآن مجید کے باقیفن استاد تھے۔ مجھے بشارت دی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تمھارے والد کے گھر حضرت سلیمان علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔

نیز میری والدہ نے عالم واقعہ میں مشاہدہ کیا کہ حضرت ملا یونس جو اپنے زمانہ کے بے نظیر دانشور درویش تھے اس شان سے ہمارے گھر کی طرف تشریف لائے کہ ان کی زرکار نعلین پر طلائی علم بنے ہوئے ہیں۔ ان دنوں میرے والد شیخ قاسم دیہات پر گئے ہوئے تھے۔ جب مسیح الاولیاء کی ولادت ہوئی والد تب بھی واپس نہ آئے تھے لہذا عم مکرم نے ہی حضرت کا نام شیخ عیسے تجویز کیا جو ان کے

جو اُن کے چچا کا اسمِ گرامی تھا، جو سخاوت، شجاعت اور منجملہ دیگر علمی فضائل کے بے مثل قاری تھے۔

چند دن بعد والد صاحب تشریف لائے۔ مسیح الاولیاء کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ملا اسمٰعیل کا خواب اور میری والدہ کے مشاہدہ کا حال سن کر ان کو تمنا ہوئی کہ مولود کا نام سلیمان رکھا جاتا۔ لیکن بڑے بھائی کے ادب لحاظ کے باعث اپنی خواہش کا اظہار بھی مناسب نہ سمجھا۔ البتہ کبھی کبھی اُس وقت جب بڑے بھائی موجود نہ ہوتے بچّے کو سلیمان کہہ کر پیار کر لیا کرتے تھے۔

فرحی نے یہ روایت بڑے اہتمام و شائستگی سے طولانی عبارت میں لکھی ہے۔ اول و آخر سے اصل عبارت کا کچھ حصہ نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ ہو:۔

" اے عزیز مریم دہرورابعہ عصر حضرت بی بی زینب کہ خواہر کلان حضرت مسیح الاولیا می باشند روزے میفرمودند کہ در ہنگام آخر ایام آبستنی مادرم...... درخواب ملاّ اسمٰعیل کہ یکے از زمرۂ صلحائے زمان د در تعلیم قرآن استاد پدرم بود چنان نمودند کہ درخانۂ پدرم حضرت مہتر سلیمان تشریف فرمودہ اند...... پس عم بزرگوار حضرت ایشان را ہم نام عم خویش کہ مسمیٰ حضرت مسیحا بودند و در اکثر فضائل و کمالات خصوصاً در حفظِ قرآن و قرأت و سخاوت و شجاعت نظیر نہ داشتند

..... بعدہ پدرم از قریہ کہ رفتہ بودند مراجعت نمودہ از سیمائے بہجت افزائے پسر خجستہ اثر بسے شگفتند ..... و بنابر خواب مذکور قرۃ العین خود را خواستند کہ مسمیٰ باسم سلیمان کنند امّا بملاحظۂ برادر بزرگ اظہار این معنی نکردند مگر گاہے از روئے خفیہ بنام سلیمان میخواندند۔
(کشف الحقائق قلمی صـ۴ـ)

اسم سلیمان کے متعلق یہ پذیرائی، یہ اُنس اور برادر بزرگ کے ادب کے لحاظ سے خاموشی و کامل رضامندی یقیناً خالقِ کائنات کو بیحد پسند آئی اور اس مستحسن فرمانبرداری کے صلہ میں دوسرے ہی سال خدا نے دوسرے فرزند کی دولت عطا فرمائی اور شیخ قاسم نے حسبِ معمول بڑے بھائی سے نام تجویز کرنے کی التجا کی۔ اُنھوں نے شیخ عثمان نام تجویز کیا کہ مولود خلیفۂ ثالث رضی اللہ تعالیٰ کی ہمنامی سے برکت اندوز ہو۔

ہر چند شیخ قاسم کی دلی تمنا تھی کہ بچہ کا نام سلیمان ہو، لیکن برادر بزرگ کے پاسِ ادب سے اپنی خواہش کا اظہار تک نہ کیا۔ اس فرمانبرداری اور حفظ مراتب کے صلہ میں قدرت نے تیسرے فرزند کی نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی۔ یہ ۲۵ صفر یوم چہار شنبہ ۹۶۶ھ کا واقعہ ہے۔ شیخ قاسم نے اپنی تمنا ظاہر کئے بغیر مولود کا نام رکھنے کی التجا پھر حضرت شیخ طاہر ہی سے کی اور انھوں نے خود بلا تحریک سلیمان نام رکھدیا اور اسطرح حضرت شیخ کی قلبی تمنا اور حضرت ملا شیخ اسمٰعیل کے خواب کی تعبیر پوری ہوگئی۔

شیخ سلیمان کی ابتدائی تعلیم بھی گھر ہی میں عم مکرم حضرت شیخ طاہر محدث

کی خدمت میں انجام پذیر ہوئی اور آپ سنِ شعور کو پہنچنے تک متداول درسیات بالخصوص ادبیات فارسی کے فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ والد کی وفات کے بعد آپ بھی منجملہ تمام بزرگوں متعلقین کے برہانپور تشریف لے آئے۔ شعر گوئی کا آپ کو فطری ذوق تھا۔ ساتھ ہی گھر کے صوفیانہ ماحول نے بھی آپ کو متاثر کیا چنانچہ جو کچھ آپ کا کلام ہم پہنچ سکا ہے تصوف میں اس پایہ کا ہے کہ علمائے متصوفین اور خود حضرت مسیح الاولیا نے اپنی تصنیفات میں بہ احترام و محبت درج کیا ہے۔ چونکہ ولولہ شباب نے آپ کا رجحان سپہگری کی طرف مائل کر رکھا تھا اور فنونِ حرب کے بھی اچھے ماہر تھے۔ عادل شاہ فاروقی کی فوج میں ملازم تھے۔ جب حضرت شاہ لشکر عارف باللہ کے مرید ہوئے تو حضرت شیخ نے آپ کے مشغلے اور بانکپن کے لحاظ سے سیفی تخلص عطا فرمایا۔ فرحی نے حضرت مسیح الاولیاء سے جو کچھ سنا تھا وہ اپنے الفاظ میں اسطرح درج ملفوظ کیا ہے :-

میفرمودند کہ برادرم شیخ سلیمان چون مرید حضرت پیرمن گشتند تخلص
نہ داشتند، بعد التماس حضرت ایشان سیفی تخلص دادند (کشف الحقائق ص۱)

میدانِ کارزار میں شمشیر آبدار کے جوہر دکھانے والا شیر دل سیفی حجرۂ عبادت میں مرتاض و عبادت گذار بھی پایا جاتا ہے اور اہلِ ذوق کی مجلس میں ایسا شاعر بھی جس کا کلام صاحبان حال و قال کو وجد میں لانے کا باعث ہو۔ سیفی نے نہ صرف ادب و تصوف میں ترقی کی بلکہ اپنے شجاعانہ کارناموں سے اپنے فوجی عہدہ میں بھی ترقی کی یہاں تک کہ ہم ان کو ۹۹۲ھ میں راجے علی خان (عادلشاہ فاروقی)

محافظ دستے (باڈی گارڈ) میں دیکھتے ہیں۔ یہ سلطانی قرب اور یہ ذمہ داری کا عہدہ، جانبازی اور سرفروشی کے شجاعانہ امتحانات سے گذر کر ہی ایک سپاہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ یعنی سیفی بادشاہ کے ان منتخب دستے میں تھے جس کو وہ اپنے جلوس میں رکھتا تھا۔

اکبر نے خان اعظم کی سرکردگی میں احمد نگر پر بڑے اہتمام سے مہم بھیجی اور شگوار تعلقات کی بنا پر عادلشاہ فاروقی کو بھی پیغام بھیجا کہ وہ اس مہم میں تعاون کریں۔ عادل شاہ نے اس پیغام کو رد نہیں کیا اور نہ صرف فوجیں بھیجدیں بلکہ وہ خود اپنے چیدہ رسالہ کو لے کر برہانپور سے روانہ ہو گیا۔ اس اثنا میں اکبری فوج کے سالار شہزادہ مراد کی جلد بازی اور نخوت و کج خلقی کے باعث باہم متفق نہ رہ سکے۔ عادل شاہ کی آمد پر بھی شہزادہ نے تکبر کا مظاہرہ کیا اور ان کے شایان شان پذیرائی نہ کی۔ عادل شاہ جیسا جلیل المرتبت والی ملک اس برتاؤ کو برداشت نہ کر سکا اور مع اپنے حشم و خدم کے ایک طرف ہو گیا۔ عادل شاہ کا علیحدہ ہو جانا معمولی بات نہ تھی۔ اعظم خان بہت پریشان رہے فتح اللہ شیرازی کو بھیجکر انھیں سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن عادل شاہ نے رفاقت سے انکار کر دیا۔ بلکہ برار اور احمد نگر کی افواج کو اپنا شریک حال کر کے مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ علامہ آزاد کس بے ساختگی سے لکھتے ہیں۔

> راجے علی خاں (عادل شاہ فاروقی) حاکم خاندیس دکن کے حصول کا سردار اور مالک شمشیر تھا۔ وہ اعظم خان کی رفاقت پر مستعد ہو گیا تھا۔ یہ حال دیکھ کر اس نے بھی موقعہ پایا برار اور احمد نگر کے

امرااوران کی فوجوں کو لے کر چلا۔ مرزا عزیز نے یہ سن کر شاہ فتح اللہ شیرازی کو بھیجا کہ فہمائش کریں۔ وہ دن کے جنگلوں کا شیر تھا۔ اب کس کی سنتا تھا — خانِ اعظم گھبرائے امراء کو مشورہ کے لئے طلب کیا...... خان اعظم....

کئی دن آمنے سامنے پڑے رہے۔ مقابلہ کی طاقت نہ پائی، رفیقوں پر اعتبار نہ ہوا۔ ایک رات چپ چپاتے کسی گمنام راستے سے نکل کر ملکِ برار کا رخ کیا۔.... (دربار اکبری مطبوعہ ص ۲۱۶)

اس مہم میں بھی عادل شاہ کی ہمراہی میں سیفی موجود تھے۔ اگرچہ مذکورہ اقتباس میں انکا نام نہیں ہے لیکن اس کا ثبوت آگے آتا ہے۔

جن دنوں عادل شاہ اس مہم پر گئے ہوئے تھے سندھی پورہ میں رہنے والی کسی عورت نے یہ خبر وحشت اثر سنائی کہ میاں شیخ سلیمان سیفی میدانِ جنگ میں کام آئے۔ اس خبر سے کہ بھائی کی خبر بدھی مسیح الاولیاء کو ملال ہوا۔ فرحی لکھتا ہے میں نے دیکھا کہ ایک اجنبی یکایک سامنے آیا اور عرض کی کہ میں میاں سلیمان کی خبر لاتا ہوں اور تھوڑی دیر بعد آکر خبر دی کہ موصوف خیر و عافیت سے ہیں، یہ خبر لوگوں نے غلط اڑا رکھی ہے۔

فرحی کے الفاظ یہ ہیں۔

دراں ایام کہ شہزادہ شاہ مراد و میران عادل خان فاروقی.... باحمدنگر رفتند میاں شیخ سلیمان سیفی نوکر عادل خان مذکور بودند ناگاہ زنے ساکن محلہ سندھی پورہ خبر فوت ایشاں....... وحضرت قبلہ گاہی پارہ ملول شدند ہماں ساعت دیدیم شخصے از غیب

ظاہر شد و گفت کہ من خبر میاں سلیمان سیفی بیارم...... در لحظہ
باز آمد و گفت کہ ایشاں بہ صحت و عافیت اند مردم خبر ایشاں بدروغ
گفتہ اند۔ (کشف الحقائق)

یہ ۹۶۳ھ کا واقعہ ہے اور یہ وہی مہم ہے جس کا ذکر مولانا محمد حسین آزاد
نے دربار اکبری میں اپنے شگفتہ انداز بیان کے ساتھ تفصیل سے لکھا ہے
جس کا ضروری اقتباس ہم نے اوپر درج کیا ہے۔

جس طرح سیفی تخلص کی توجیہہ اور ان کے شاعر ہونے کا علم ہمیں حضرت
مسیح الاولیاء کے ارشادات صداقت آیات کے محولہ بالا الفاظ سے ہوا ہے
اسی طرح سیفی کا نمونۂ کلام بھی حضرت مسیح الاولیاء کی ایک گراں پایہ تالیف
عین المعانی سے بہم پہنچا ہے اور وہ بھی صرف رباعیات ہیں جو مختلف اسمائے
حسنیٰ کی شرح کے سلسلہ میں باعتبار مطابقت مضمون جستہ جستہ آپ نے
درج فرمائی ہیں جن کی مجموعی تعداد صرف بارہ ہے۔ آپ نے سیفی کی رباعی
جہاں درج فرمائی پیشانی پر بکمال محبت "لاخیہ السیفی عفی عنہ" کے الفاظ
ضرور لکھے ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

لاخیہ السیفی عفی عنہ

سیفی نبود در نظر اہل یقین — این قصۂ عاشقی خسرو شیرین
او خود شدن ظاہر ابا من خسرو — خود جلوہ کند ہم بلباس شیرین

لاخیہ السیفی عفی عنہ — (عین المعانی قلمی صـ۱۴)

منصور کہ نامحرم اسرار شود — بالفظ انا الحق کش بہ گفتار شود

یعنی کہ ہمو نیست و ہمہ اوست ہموں — گر حکم کند و رب بر دار شود

عین ۱۸

لاخیر السیفی عفی عنہ

صوفی کہ صفا و صف حیات دل اوست — زاں ہم گذرد چون نگرد بر رخ دوست

یعنی کہ بود پاک دراں حضرت قدس — از ہر چہ بود خواہ بد و خواہ نکوست

(عین ۱۹)

لاخیر السیفی عفی عنہ

از خود بلامت گذر اے صاحب بر — خود را بزن راہ خویش ہستی نہ کہ غیر

خود اوست کہ خود کردہ تجلی بخود اوست — گر سالک خانقاہ و گر راہب دیر

(عین ۲۰)

لاخیر السیفی عفی عنہ

خود را ز حدیث غیر در خواب انداز — اوراق فسانہ ہم در آب انداز

از تاقب آہ خانمان سوز خودی — بر دیدہ دنی ناوک پر تاب انداز

عین ۲۱

لاخیر السیفی عفی عنہ

سیفی بہ ہر مہر کسے حیران است — چون ذرہ بہ ہر مہر سر گردان است

در خلق چو با چشم حقیقت نگرد — نور رخ او بہر طرف تابان است

عین ۲۲

لاخیر السیفی عفی عنہ

سیفی بہ غم عشق مرا خوار مداں — در ظلمت شام غم سیہ کار مداں

آن خواریم از عزت آفاق نکوست — چوں شام غمم صبح پر انوار مداں

عین ۲۵

لاخیر السیفی عفی عنہ

سیفی بجہاں کیست بگو غیر از دوست — گر کافر و مسلم است وگر گبر ہموست

از خود گذر و بخود ہمہ اورا بین — حقا کہ ہموں است ہمو نیست ہموست

عین ۲۶

لاخیہ السیفی عفی عنہ

سیفی برخ خود از رو کثرت بر تاب　　ہاں گوہرے از بحر حقیقت دریاب
از خود گذر و بخود ہمہ اورا بیں　　گہ لطف کند گاہ ستم گاہ عتاب

لاخیہ السیفی عفی عنہ　　عین ص۲۹

عاشق باید بعشق منزل دارد　　چوں مظہر فلک زصدق نورے بارد
حق را داند بجملہ انواع محیط　　اجناس ہمہ ذرہ خود انگارد

لاخیہ السیفی عفی عنہ　　عین ص۳۰

سیفی بخیال بت خورشید علم　　در زیر لگد کوب فنا گشتہ عدم
مقصود چو اثبات وجودش باشد　　اورا ز سر بود و نابود چہ غم

لاخیہ السیفی عفی عنہ　　عین ص۳۰

حیران جمال خویشتن باید بود　　سرمست وصال خویشتن باید بود
در کسب کمال خویشتن باید بود　　یعنی بخیال خویشتن باید بود　　ص۳۰

عین المعانی کی بغور و تامل ورق گردانی سے مندرجہ رباعیات سرخی پر یہی رباعیاں مطالعہ میں آئیں۔ کتاب مذکور کے جملہ اوراق ۱۲۸ ہیں اور یہ رباعیاں ۳۷ ورق تک درج پائی گئیں آگے ۹۱ ورق اور ہیں جن میں اسی طرح رباعیات درج بھی ہیں۔ شاید کاتب نے تعجیل کاری کے باعث انپر سرخی نہیں لکھی ہے۔ معلوم نہیں ان میں سے کتنی اور رباعیاں سیفی کی ہیں اور کتنی مسیح الاولیا یا دیگر صوفی بزرگوں کی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

روائح الانفاس ملفوظات حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قلمی ہیں

بھی سیفی کی ایک رباعی ملتی ہے اور یہ وہی ہے جس کو ہم نے مذکورۂ بالا سلسلہ میں نمبر ۹ پر نقل کیا ہے۔ نیز کاتب کے تصرف سے تیسرے مصرعہ میں بجائے "میں" کے "دریاب" تحریر ہے۔ پوری رباعی اس طرح درج ہے۔

سیفی رخِ خود از زرہ کثرت برتاب | ہاں گوہرے از بحرِ حقیقت دریاب
از خود گذر و بخود ہمہ اورا دریاب | گہ لطف کند گاہ ستم گاہ عتاب

[رباعی ۲۹۸]

سیفی کے کلام میں صرف رباعیاں ہی ہمدست ہوئی ہیں اور وہ بھی ایک ہی نسخہ سے اور صرف اتنی ہی جو پیش کردی گئیں۔ دیگر اصنافِ شعر۔ غزل۔ قطعہ۔ نظم وغیرہ سے کوئی چیز نہیں ملی۔ ظاہر ہے کہ جس شاعر کی اس پایہ کی رباعیات سامنے ہوں اس کے متعلق اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ دیگر اصناف نظم سے قاصر نہیں ہو سکتا۔

مندرجۂ بالا رباعیات ہم نے نقل کردی ہیں تشریح وتبصرہ کی اس لئے جسارت نہیں کی کہ حضرتِ مسیح منقبت کا انتخاب ہی ان کی فنی لطافت ومحاسن کی مستند ضمانت ہے اور تصوف میں انکا یہ درجہ کہ وہ نفس مضمون کے لحاظ سے عین المعانی جیسی کتاب کے عارفانہ مضامین میں بے تکلف سموئی جا سکیں محتاج تعارف وتبصرہ نہیں ہے۔

عین المعانی ۹۹۷ھ میں مرتب ہوئی اور سیفی کو مرید ہوئے یا عطائے تخلص کے بعد شاعری کرتے ہوئے کم وبیش دس سال ہو چکے تھے۔ پھر اس کے بعد بھی وہ آٹھ سال تک زندہ رہے۔ پتہ نہیں اٹھارہ سال کی مشق سخن کے نتیجہ میں انھوں نے کس قدر اور کن کن اصناف شعر کا ذخیرہ فراہم کیا ہوگا۔ کہا نہیں جا سکتا۔ ممکن ہے اس مضمون کی اشاعت کے بعد کہیں کچھ اجزا پائے

جائیں اور اُن کے منصۂ شہود پر آنے کی کوئی صورت پیدا ہو۔

سیفی کی وفات بھی ان کے سپاہیانہ فطری رجحان کی مناسبت سے میدانِ کارزار میں واقع ہوئی۔ فرحی نے حضرت مسیح الاولیاء کے قول کے مطابق صرف مجملاً اتنا لکھا ہے کہ حضرت نے عطائے تخلص کا ذکر کرتے ہوئے

میفرمودند کہ برادرم شیخ سلیمان چوں مرید حضرت پیرمن گشتند تخلص نہ داشتند۔ بعد التماس حضرت ایشان سیفی تخلص دادند ...... بعدہ ہمراہ میران عادل خان فاروقی در جنگ سہیل خان دکنی کشتہ شدند۔ (کشف صفحہ)

اِس عبارت میں تفصیلات اور تاریخ کی وضاحت نہیں ہے لیکن یہ تاریخی سانحہ بعبارات مختلف کم وبیش جملہ تاریخی کتب میں مندرج ہے۔ ہم ضروری تفصیل علامہ محمد حسین آزاد کی دربار اکبری سے پیش کرتے ہیں کہ یہ کتاب آزاد نے تمام تاریخوں کے مطالعہ کی روشنی میں مرتب کی ہے۔ واقعات کا سلسلہ یوں ہے کہ ۱۰۰۵ھ میں بیجاپور کی مہم پر اکبر نے شہزادہ مراد اور خانخانان عبدالرحیم خاں کو مامور کیا تھا اور خانخاناں نے حکمتِ عملی سے والیِ ملک خاندیس راجے علیخان عادل شاہ فاروقی کو دوست و معاون بنا کر اس مہم کے لیے برہانپور سے ساتھ لیا اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ شیخ سلیمان سیفی عادل شاہ کے ملازم اور خاص رسالہ میں تھے۔ اس مرتبہ راجے علی خاں فوج کا بھی کافی حصہ ہمراہ لے گئے تھے۔ مقام ناندیر میدانِ جنگ قرار پایا اور فریقین کی فوجیں مناسب ترتیب و قرینہ سے صف آرا ہوئیں۔ سہیل خاں دکنی کا توپخانہ ہندوستان

ماناہوا توپخانہ تھا۔ اُس نے رات کی تاریکی میں توپوں کو ایسے موقعہ پر نصب کر دیا کہ خانخاناں کی فوج پر بخوبی زد پڑتی تھی۔ اتفاق سے جلد ہی خانخانان کو اطلاع ہو گئی اور اُس نے فوراً اپنی فوج وہاں سے ہٹا دی۔ ساتھ ہی عادلشاہ کو بھی اس خطرہ سے آگاہ کر کے اپنے مقام سے ہٹ جانے کی تاکید کی۔ عادل شاہ اپنی جگہ سے ہٹا تو ضرور لیکن بے خبری میں اپنی لشکر گاہ وہیں قائم کر دی جہاں سے خانخانان ہٹا تھا۔ آزاد لکھتے ہیں۔

قضا کا گولہ انداز ساعت کا منتظر تھا۔ اس کا ادھر آنا تھا کہ موت نے مہتاب دکھائی۔ کہ عالم اندھیر ہو گیا، دیر تا، تو کچھ دکھائی ہی نہ دیا۔ حریف نے سپہ سالار کو سامنے سمجھ کر آگ دیتے ہی حملہ کر دیا۔ یہاں راجے علی خان اپنی فوج لئے کھڑا تھا۔ عجب گھمسان کا رن پڑا۔ افسوس کہ وہ ملکِ دکن کی کنجی اسی میدان کی خاک میں کھوئی گئی۔ کچھ شک نہیں کہ اس نے اور راجہ رامچندر نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے ڈٹ کر جان دی اور تیس ہزار دلاوران کے ساتھ کھیت رہے۔

لڑائی کا فیصلہ علی الصبح خانخاناں کی فتح کی صورت میں ہوا۔ سپہ سالار نے اپنے رفیق عادلشاہ کی جستجو کی۔ لوگوں نے مشہور کر دیا کہ راجے علی خان میدان سے بھاگ گئے۔ بعضوں نے ہوائی اُڑائی کہ غنیم سے جا ملے۔ دیکھا تو بڈھا شیر ناموری کے میدان میں سرخرو پڑا سوتا ہے۔ ۳۵ سردار نامدار اور پانچسو غلام وفادار گرد کٹے پڑے ہیں۔ (دربار اکبری صفحہ ۶۱۶ و ۶۱۹)

یہ ہے سہیل خان دکنی کے مقابلہ میں فاروقی بادشاہ کی معرکہ آرائی جس کے نتیجہ میں اولوالعزم فاروقی بادشاہ مع رفقائے جان نثار داد شجاعت دیتے ہوئے کام آیا۔

یہ ۱۸ جمادی الثانی ۱۰۰۵ھ کا واقعہ ہے۔ خانخاناں کو یہ فتح عظیم تو میسر آئی لیکن عادلشاہ کے سانحے نے سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔ بادشاہ کی لاش ادب و احترام سے اٹھائی اور بہایت تزک و احتشام سے برہانپور لا کر ان کے آباد کئے ہوئے عادل پورہ میں ان کے مرشد حضرت عبدالرحیم کبروبخی کے مزار کے پاس دفن کیا اور ان کی جگہ ان کے فرزند بہادر خان کو تخت نشین کیا۔

بادشاہ کے سوا اور کسی کی لاش میدانِ جنگ سے لانے کی صراحت نہیں ملتی ہے۔ اس لئے قیاس یہی کہتا ہے کہ سیفی منجملہ دیگر جانبازوں کے میدانِ جنگ یا اسی نواح میں بطور گنج شہیداں سپرد خاک ہوئے۔

مسیح الاولیا حضرت شیخ عیسیٰ جنداللہ
ابن شیخ قاسم سندھی قدس سرہ العزیز
سنہ ۹۶۲ھ تا سنہ ۱۰۳۱ھ

آپ کے آباو اجداد کا وطن قصبہ پاتری ملک سندھ ہے۔ یہ قصبہ خود انھیں کے بزرگوں نے آباد کیا تھا۔ نہ صرف یہ بزرگ اپنے وطن میں معزز و باوقار تھے بلکہ اس عہد کے متبحر عالم۔ محدث و مفسر ہونے کے اعتبار سے قبول عام کا امتیاز رکھتے تھے۔ ہمایوں کی لشکرکشی سے جب ملک سندھ متاثر ہونے لگا تو شورش و بدامنی کے اندیشوں سے دل برداشتہ ہو کر آپ کے والد شیخ قاسم اور آپ کے چچا شیخ طاہر محدث مع متعلقین و دیگر اعزہ و اقربا نے سنہ ۹۵۰ھ میں وطن مالوف سے ہجرت کی۔ مولانا شیخ اسماعیل فرحی نے مسیح الاولیا، کے ملفوظات میں ہجرت کی صراحت اس طرح لکھی ہے:۔

دراں ایام کہ از آمدن ہمایوں بادشاہ در ملک سندھ تفرقہ و حادثہ افتادہ بود پدر و مادر و عم حضرت مسیح منقبت و بعضے از خویشان از قصبہ پات انتقال نمودہ در احمد آباد آمدند۔
(کشف الحقائق قلمی صـــ)

وطن سے احمد آباد گجرات اور وہاں سے ایلچپور برار پہنچنے میں آپ کے والد

اور چچا کو جن حالات سے گذرنا پڑا اسکی تفصیلات ہم نے ہر دو بزرگانِ کرام کے ذکر میں بیان کردی ہیں یہاں انکا اعادہ تحصیل حاصل ہوتا۔ اس لئے یہ رود ان بزرگوں کے قیامِ ایلچپور سے آگے بیان کی جاتی ہے اور یہیں سے مسیح الاولیا کے حالات شروع ہوتے ہیں حضرت شیخ طاہر محدث رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل کا شہرہ سنکر تفال خان نے جو ان دنوں ملکِ برار کے نظم و نسق کا مالک تھا، بڑے اصرار و نیازمندی سے محدث صاحب سے برار تشریف لانے کی استدعا کی اور جب یہ خاندان اسکی التجا منظور کر کے ایلچپور پہنچا تو علم دوست خان نے ان کے شایانِ شان احترام و توقیر کا سلوک کیا۔ محدث صاحب کو وہاں کے دارالعلوم کی ذمہ داریاں سونپ دیں نقد پیشکش کے علاوہ زرخیز اراضیات کا ایک موضع بطور جاگیر نذر کیا۔ محدث صاحب نے موضع اور خانہ داری کی دیکھ بھال چھوٹے بھائی شیخ قاسم کے سپرد کی اور آپ درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

کچھ عرصہ بعد ۵ ذی الحجہ ۹۶۲ھ شب یکشنبہ کو آپکی (مسیح الاولیا کی) ولادت باسعادت واقع ہوئی۔ اس روز آپ کے والد شیخ قاسم گھر پر موجود نہ تھے۔ محدث صاحب نے مولودِ مسعود کا نام شیخ عیلے رکھا۔ جیسے حضرت محدث صاحب کے چچا کا نام تھا۔ جو بڑے زبردست عالم اور علامہ عصر تھے۔ اس نام کی معنوی برکت نے آپ کو مسیح الاولیا مسیح منقبت بنایا اور آپ کی ذاتِ گرامی مسیح القلوب کی عرفیت سے اربابِ اخلاص کے دلوں کو زندگی بخشنے والی ثابت ہوئی۔

مسیح الاولیا نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف عین المعانی کی تمہید میں اپنے مولداً براری ہونے پر فخر کرتے ہوئے یہ عبارت لکھی ہے

عیسیٰ ابن قاسم بن یوسف بن رکن الدین بن معروف بن
شہاب الدین المعروف الشہابی الجندی السندی الہندی
البراری الشقی الشطاری القادری کہ ملقب بہ عین العرفا و مکنی بہ
ابوالبرکات است میگوید — عین المعانی ص۳

آپ نے مذہبی تعلیم کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی اس کا اثر ظاہر ہو کر رہا۔ ۹ سال کی عمر ہوئی تھی کہ قرآن مجید کے حفظ سے فارغ ہوئے اور علوم متداولہ کی طرف توجہ کی۔ اپنے چچا شیخ طاہر محدث سے فقہ و حدیث کی تکمیل کی قرأت و تجوید تصوف کی تعلیم کی طرف سے بہرہ ور ہوئے۔ آغاز شباب میں متاہل ہوئے۔ لیکن طلب علوم پر ہمیشہ کاربند رہے۔ ابھی عنفوان جوانی کا آغاز ہی تھا کہ والد کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور وہ ایلچپور ہی میں سپرد خاک ہوئے۔

یہ سانحہ ۵ محرم ۹۸۱ھ کو رونما ہوا اسی اثنا میں تفال خان کا انتقال ہو گیا اور ملک برار کا شیرازہ درہم و برہم ہو گیا۔ اس بحرالعلوم خاندان کی فیض رسانی کا شہرہ نزدیک و دور پھیلا ہوا تھا۔ اور والی خاندیس راجا فاروقی اپنے دارالخلافہ برہانپور میں تشریف لانے کے لئے عرصہ سے منتیں کر رہا تھا۔ سقوط سلطنت برار کے فوراً بعد حضرت محدث صاحب مسیح الاولیا اور دیگر سندھی اعزا کو لے کر برہانپور چلے آئے۔ بادشاہ نے عزت و احترام سے لیا وسیع اور شاندار محلات و نقد و جنس کی لاتعداد پیشکش سے آپ کو ضروریات لاحقہ

سے بے نیاز کر دیا۔ مسیح الاولیا اور ان کے اعزہ و رفقا کے علاوہ دیگر سندھی
بزرگوار جو اطراف و جوانب میں منتشر تھے برہان پور آکر آپ کے قریب آباد ہونے لگے
اور آپکی فرودگاہ سے متصل وسیع اور گنجان محلہ سندھیوں سے آباد ہو گیا۔
جو ان کی وطنی نسبت سے سندھی پورہ کہلایا اور آج تک سندھی پورہ ہی کہلاتا
ہے۔ مسیح الاولیا کا جس محل میں قیام تھا۔ وہ پندرہ بیس سال پہلے تک موجود تھا
اب منہدم ہو گیا ہے۔ اندرونی دالان کی ایک دو دیواریں موجود ہیں جن کا فوٹو
پیش کیا جارہا ہے جس سے محل کی صنعت تعمیر وسعت و عظمت کا کچھ نہ کچھ اندازہ
ضرور کیا جا سکتا ہے۔

محدث صاحب برہانپور میں بھی علوم دینیہ کے درس پر مامور کر دیئے گئے
یہاں شیخ یوسف بنگالی کا مدرسہ جاری ہی تھا۔ مسیح الاولیا جو محدث صاحب
کے درس سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے باایںہمہ علم و فضل شیخ یوسف کے درس
میں شریک ہوئے اور جلد ہی یہاں کی تعلیم سے فراغت حاصل کرلی۔ لیکن ہنوز
جستجوئے علوم اور خدا طلبی کا ولولہ برانگیختہ تھا۔ چچا کے مشورے سے سیر و سفر کی
تجویز طے پائی۔ عزیز و اقارب اور خاندان کو پروردگار حقیقی کے سپرد کر کے توکل
علی اللہ آگرہ کیطرف روانہ ہوئے۔ سنہ ۹۸۲ھ

گوالیار پہنچکر قصد ہوا کہ حضرت غوث الاولیا کے روضۂ مبارک کی زیارت
کی جائے۔ چنانچہ تشریف لے گئے اور وہاں بے حد روحانی لذتیں حاصل ہوئیں
آگرہ پہنچکر حضرت قاضی جلال الدین ملتانی سے ملاقات کی۔ انھوں نے
بڑے اشتیاق سے حضرت طاہر محدث کا حال پوچھا۔ حاضرین مجلس میں سے

ملا ابو بکر عطاء اللہ اور حکیم اسحاق ملتانی سے تعارف کرایا کہ شیخ عیسے حضرت محدث موصوف کے برادر زادہ ہیں تو وہ مزید نوازش و مہربانی سے پیش آئے اور مسیح الاولیا کو اپنی خانقاہ میں مہمان رکھا۔ خانقاہ میں ہر روز غیر معین مقام سے اعلیٰ درجہ کا طعام اس کثرت سے آجاتا کہ تمام حاضرین بفراغت تمام شکم سیر تناول کرتے۔ ایک روز آپ نے دل میں سوچا کہ میں نے تو فقر و توکل کی غرض ترکِ وطن کیا ہے یہاں تو امیرانہ بسر ہو رہی ہے۔ شاید اللہ نے میری تمنا قبول نہیں فرمائی۔

چند روز بعد آپ کے چچا کا خط ملا کہ برہان پور میں حکیم عثمان بو بکانی جو بڑے باعظمت عالم ہیں تشریف لائے ہوئے ہیں یہاں آجاؤ۔ شاید ان کے درس میں تمھاری تسکین کا سامان ہو۔ آپ برہان پور واپس آگئے اور حکیم موصوف الصدر کے درس میں شریک ہوئے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ اور تجوید کی کتابیں پڑھتے رہے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن اب مرشدِ طریقت کی جستجو دل کو بے چین رکھنے لگی تھی۔

انھیں دنوں ایک روز آپ چوک بازار میں ایک دکان پر بیٹھے تھے کہ حضرت شیخ لشکر محمد عارف اور ان کے ماموں شیخ ولی محمد اس طرف سے گذرے۔ آپ کو دیکھ کر انھوں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ نوجوان کون ہے۔ کسی نے کہا، شیخ طاہر محدث کے برادر زادے ہیں شیخ عیسے ان کا نام ہے۔ شیخ لشکر محمد عارف نے گھوڑے کی باگ روک لی اور آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم تو ہمارے ہو ہمارے پاس کیوں نہیں آتے اور روانہ ہو گئے۔ مسیح الاولیاء نے سوچا کہ انھوں نے عجیب بات کہی ہے۔ کیا حرج ہے کہ ان سے بھی کسی وقت ملاقات کرآئیں۔

جب آپ شیخ لشکر محمد عارف کی خدمت میں پہنچے اسوقت تک آپ کو بیعت ہونے کا خیال تک نہ تھا۔ بلکہ آپ کو اپنے علمی تبحر پر اس قدر ناز تھا کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ داخلِ مجلس ہوتے ہی طبیعت پر خاص اثر محسوس ہوا۔ ایک دو ملاقاتوں میں آئینہ دل پر انوارِ الٰہی کی تجلیات کا انعکاس ہونے لگا بیعت سے شرفیاب ہوکر زمرۂ مریدین میں داخل ہو گئے۔

فیض رسان شیخ نے اپنے عالم و فاضل مرید کو اپنے فیضانِ باطن سے بہرہ ور فرما کر شیخ عیسیٰ سے مسیح الاولیا مسیح منقبت۔ مسیح القلوب بنا دیا اور بلکہ وہ کچھ بنا دیا کہ محمد قاسم فرشتہ فرطِ ارادت سے کہہ اُٹھا۔ کہ

دو عیسیٰ است فرخندہ در نسلِ آدم ۔۔۔ یکے ابنِ قاسم یکے ابنِ مریم

مسیح الاولیا کو طلبِ علم کا فطری ذوق اور جبلی شغف تھا۔ جملہ علوم و فنون میں فاضل اجل اساتذہ کی شاگردی کرکے ہر ایک علم و فن کو انتہائے کمال تک پہنچایا طفولیت کے زمانہ میں قرآن مجید مُلّا اسمٰعیل سے پڑھا جو اس عہد میں تعلیم قرآن پاک کی فیض رسانی میں ثانی نہیں رکھتے تھے انھیں کے درس میں نو(۹) سال کی عمر ہونے تک صحیح اور پختہ یادداشت سے حافظِ قرآن ہو چکے تھے۔ حضرت شیخ طاہر محدث کے درس میں فقہ و حدیث کی تکمیل کی سند حاصل کی۔ شیخ مبارک سندھی نے اصول فقہ و علم کلام میں سند فضیلت پائی۔ شیخ عثمان بوبکانی سے علوم عقلی و نقلی حاصل کئے۔ شیخ فتح اللہ شیرازی سے ریاضی و عروض سیکھی۔ شیخ ابراہیم قاری ملقب مرغ لاہوتی سے تجوید و قرأت میں جبرئیلی لہجہ کی تعلیم حاصل کی۔ الغرض آپ جملہ علوم و فنون میں کامل اکمل اور یگانۂ روزگار تھے۔ تصوف سے ذاتی لگاؤ تھا۔ حضرت شیخ لشکر محمد عارف کے

مرید ہوئے اور اُن کی خدمت میں اِس علم کے غوامض و نکات حل کئے اور ریاضت و مجاہدات۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ تا حیات فیض رسانیِ خلق پر کاربند رہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپنے ہر حالت میں عظیم کارنامے انجام دیئے۔

آپ کے مجاہدۂ نفس کی ایک روایت آپکے ایک برگزیدہ خلیفہ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی سے منقول ہے کہ حضرت شاہ لشکر کے ایماء پر آپ نے دریائے تاپتی کے کنارے ایک متوکلانہ چلہ ختم کیا۔ چالیس روز تک یہی معمول رکھا کہ غیب سے کچھ پہنچ گیا تو اس سے ورنہ نیم کے پتوں سے افطار کرتے۔ فرماتے تھے کہ نیم کے پتے کڑوے نہیں بلکہ میٹھے معلوم ہوتے تھے۔ جب چلہ انجام کو پہنچ گیا تو آپ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ:۔

الحمد للہ بیمن توجہ حضرت الیشان این چلہ بہ توکل تمام شد۔ حضرت جنداللہ فی ارضہ (لشکر محمد) پارہ گرم شدہ فرمودند کہ اے[۱] بھائی این غریب ہموکوں توکل کہاں۔ خداوند تعالیٰ سبحانہ را بہرِ تانفے نبا ید آزمود۔

(روائح الانفاس قلمی ص۶)

حضرت راز الٰہی نے آپ کی ریاضت اور اطاعت مرشد کی ایک اور روایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ لشکر محمد کے دولت کدہ میں تعمیر کا کچھ کام ہو رہا تھا۔ زمین ہموار کرنے کے لئے چند عقیدت کیش مرید مٹی سے ٹوکریاں بھر کر سروں پر اٹھا کر لاتے اور گڑھے میں ڈال رہے تھے۔ مسیح الاولیا تشریف لائے اور کام میں شریک ہوگئے۔ چونکہ آپ کثرت ریاضت سے لاغر اور کمزور ہوگئے تھے ٹوکری اٹھا کر لاتے ہوئے آپ گر پڑے۔ شیخ نے دوڑ کر آپ کو اٹھایا اور آپ کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا پھر بڑی

---

[۱] اردو فقرہ شیخ لشکر محمد عارف باللہ کا فرمودہ ہے۔ راشد

نعبت سے فرمایا کہ میاں تم تو جواہر خمسہ پڑھو اور چلّہ کشی کرو مٹی ڈھونا تمھارا کام نہیں۔ مگر آہستہ سے کان میں کہا۔

آفرین باد کار طالبانِ حق چنیں است ـــــ رواتح صـ۲۹ـ

آپ ہی سے ایک اور روایت آپ کے زہد و استغراق کی اسطرح منقول ہے کہ حضرت نے ایک دن شیخ راز الہی سے فرمایا کہ خادمہ محل سے کہدو کھانا جلد تیار کرے میں نے چار روز سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں جب میں نے خادمہ سے یہ بات کہی تو اُس نے جواب دیا کہ حضرت نے آٹھ دن ہوئے کچھ نہیں کھایا ہے۔

(ترجمہ رواتح صفـ۲۲۸ـ)

مسیح الاولیا کے تفصیلی حالات آپ کی زندگی ہی میں مدون ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اور وہ بھی اس قدر صحیح و مستند کہ جو مرتب کرنے والوں کی آنکھوں دیکھے اور کانوں سنے واقعات پر مبنی ہیں۔

(۱) آپ کے ملفوظات کا ایک نسخہ آپ کے ایک خلیفہ شیخ اسمٰعیل فرحی نے کامل بیس سال تک حاضرِ خدمت رہ کر اس طولانی زمانہ کے چشمدید اور خود شنیدہ حالات قلمبند کر کے کشف الحقائق نام رکھا سنہ ۱۰۱۲ھ اس نسخہ کا سنہ تالیف ہے۔ مولانا غوثی حسن نے اپنے تذکرہ گلزار ابرار میں مسیح الاولیا کے حالات زیادہ تر کشف الحقائق ہی سے درج کئے ہیں۔ نیز اسکے علاوہ بھی اُنھوں نے بار بار برہانپور آکر بالمشافہ ملاقاتوں اور خط و کتابت سے بھی مسیح الاولیا کے ذکر کا تکملہ کیا ہے۔ یہ ملفوظات راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اسکی ترتیب و تدوین میں انتہائی سعی و سلیقہ سے حسنِ تالیف کا ثبوت دیا ہے۔ نظم و نثر بلند پایہ حمد و نعت و منقبت

کے بعد تمہید و تعارف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

درسن ہزار و بستم مصدی این کار گشتہ نام این ملفوظ کشف الحقائق نہادم
و برپنج باب مؤسس گردانیدم۔

باب اول در بیان زاد و بوم و سبب نقل از وطن آبائی معظم حضرت قبلگاہی
و مولد و مبعث و تحصیل علم حضرت پیر دستگیر۔

باب دوم۔ در طلب حق جستجو نمودن پیر بہ تاثیر و یافتن وے۔

باب سوم۔ در اشارات و نکات کہ بلسان معجز بیان می فرمودند۔

باب چہارم۔ در معاملات و مکاشفات و تصرفات حضرت ارشاد پناہی۔

باب پنجم۔ آنکہ خداوند تعالی بسعی صد سال یکے از کمال اولیا مجددین میگرداند۔

اسی ملفوظ میں جامع ملفوظ نے اپنے بیس سال تک پابندی سے حاضر خدمت رہنے کا ذکر اور وجہ تالیف کی صراحت لکھی ہے۔ یہ نسخہ ہنوز طبع نہیں ہوا ہے۔ راقم کے پاس جو مخطوطہ ہے اسکے آخری صفحات ندارد ہیں کاتب اور سنہ کتابت کا صحیح تعین نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تالیف سے کچھ ہی عرصہ بعد کی کتابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا حسن غوثی کا گلزار ابرار بھی آپ کی زندگی میں تکمیل کو پہنچا۔ اس کتاب میں مسیح الاولیاء کے حالات کم و بیش ۳۰ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مؤلف نے کشف الحقائق کے اخذ و اقتباس کے علاوہ آپ سے بالمشافہ ملاقاتوں اور خط و کتابت سے بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ یہ کتاب بھی آپ کے زمانۂ حیات سنہ ۱۰۲۲ھ میں تالیف ہوئی۔ آپ کے خلیفہ شیخ برہان الدین راز الہی کے چند ملفوظات بھی مسیح الاولیاء کے اذکار سے

معمور ہیں جو بیس پچیس سال بعد تالیف ہوئے ہیں اور ہنوز طبع نہیں ہوئے ہیں۔ منجملہ ان کے روائح الانفاس کا قلمی نسخہ راقم کے پاس موجود ہے چنانچہ آپ کے حالات مذکورہ بالا کتب اور آپ کی تصنیفات سے (جو خوش قسمتی سے راقم کے پاس موجود ہیں) پیش کئے جا رہے ہیں۔

ذوق خدا طلبی میں آپ کے فقر و توکل کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ ابتدائے سن شعور میں ہی علائق دنیوی سے بیزاری آپکا شعار تھا۔ جب آپ مرشد طریقت کی جستجو میں آگرہ تشریف لے جا رہے تھے راہ میں بمقام اجین (مالوہ) قیام ہوا اور شیخ عبدالکریم ابن شیخ عیسیٰ کی خانقاہ میں مہمان ہوئے۔ اتفاق سے ان دنوں حاکم مالوہ معہ امرا وہاں فروکش تھا۔ اجین کے مشائخ نے بخیال خود اس ارادہ کے ساتھ آپ کی ملاقات حکام مذکور سے کرانا چاہی کہ آپ کو کچھ مادی فوائد حاصل ہو جائیں۔ لیکن آپنے اپنے علم و تقوے اور پرہیزگاری کو جو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و طلب کے جذبہ سے حاصل کیا ہوا سرمایہ تھا، دینار و درم کے عوض فروخت کرنا منظور نہ فرمایا اور دوسرے دن ہی اجین سے رخصت ہو گئے۔ راقم گلزار ابرار تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں اس موقعہ پر موجود تھا اور مسیح الاولیا کو ان کے اس فیصلے پر تحسین کی تھی۔ اسی سفر میں آپ نے مالوہ کے دوسرے اولیا خیز شہر سارنگپور میں وہاں کے برگزیدہ مشائخ و اہل اللہ سے ملاقاتوں کا شرف حاصل کیا تھا۔

اسی قبیل کی ایک روایت مولانا فرحیؔ نے لکھی ہے کہ ایک مرتبہ خانخانان عبدالرحیم خاں حضرت کی خانقاہ میں آکر داخل ہوئے۔ اسوقت علما و مشائخ کی مجلس گرم تھی، وہ بھی شریک مجلس ہوئے یہ دلچسپ صحبت آدھی رات تک جاری رہی۔ رخصت ہوتے وقت خان خانان نے تین چار سو یا کم و بیش روپیہ نذر کیا اور چلے گئے۔ آپکی

عادت تھی کہ روپیہ پیسہ کبھی پاس نہ رکھتے تھے۔ نذرانہ اور فتوحات کی رقم ایک معتمد خلیفہ شیخ محمد سندھی کی تحویل میں رہتی تھی اور وہ مستحقین خانقاہ کو حصہ رسد تقسیم کر دینے پر مامور تھا۔ آپ نے شیخ محمد کو طلب کیا معلوم ہوا وہ گھر جاکر سو گیا ہے۔ فرمایا ابھی بلا لو۔ چنانچہ جب شیخ محمد آیا تو آپ نے اس سے غیر وقت طلبی پر معذرت کی اور وہ رقم اس کے حوالے کر کے رخصت کر دیا تب اطمینان ہوا اور آپ کو نیند آسکی۔

آپ کے تقوے اور توکل کی یہ شان تھی۔ مگر ظاہری وضع اور لنگر خانہ کی رونق دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوتا تھا کہ آپ بہت دولتمند ہیں۔ حتیٰ کہ جب آپنے حضرت بی بی خدیجہ سے عقد کیا تو وہ بھی آپ کو متمول خیال کرتی رہیں یہاں تک کہ چار سال تک انھیں یہی گمان رہا

آپ کے تمول کے متعلق لوگوں کو اس لئے حسن ظن تھا کہ اکثر سندھی تجار جو آپکی خانقاہ میں مہمان ہوتے تھے حکام صوبہ کا آپ سے حسن سلوک و اعتقاد دیکھ کر اپنے مال تجارت کا محصول بچانے کے لئے کہدیا کرتے تھے کہ یہ مال مسیح الاولیاء کا ہے۔ چونگیدار درآمد و برآمد کا محصول طلب نہ کرتے تھے۔ جب آپ کو اس فریب کا علم ہوا تو آپنے تجار کو فہمائش کی اور متعلقہ حکام کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا۔

حکام صوبہ میں آپ کے اثر و رسوخ کا کیا عالم تھا۔ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

در ابتدائے حال چون بخدمت حضرت مسیح الاولیاء رسیدم پرسیدند
اگر قصد یومیہ و اراضی است بہ صدر شہر کہ آشناست سفارشش نمایم
و اگر قصد طلب علم است بہ رفاقت بابا فتح محمد ہر چہ خواہید بخوانید

گفتم ازیں بردو ہیچ نمی خواہم طلب حق دارم۔ میخواہم کہ اربعین بہ نشینم الخ
(روائح الانفاس صـ۱۳ـ)

اس روایت کی حقیقت یہ ہے کہ رازالٰہی جو آغاز شباب میں حضرت شیخ حسین ہنانی کے مرید ہوئے تھے لیکن شیخ حسین جلد ہی سیاحت پر روانہ ہوگئے ادھر آپ کے جذبۂ شوق میں ولولے برانگیختہ ہونے لگے خیال کیا کہ گجرات میں کئی نامور مشائخ موجود ہیں، وہاں پہنچکر کسی بزرگ کی دستگیری سے اپنے ذوقِ طلب کی تسکین کا سامان کریں۔ اتفاق سے مسیح الاولیا کے ایک خلیفہ شیخ عبدالقدوس مل گئے، وہ صاحبِ کشف بزرگ تھے بہ یک مشاہدہ اُنھوں نے معلوم کرلیا کہ شیخ برہان الدین عالی مرتبہ ولی ہونے والے ہیں، پھر یہ بھی کہ آپ کی تکمیل مسیح الاولیا کی خدمت وتعلیم پر منحصر ہے۔ انھوں نے شیخ برہان الدین کو ترغیب دی کہ حضرت مسیح الاولیار کے مرید ہو جاؤ۔

چونکہ مسیح الاولیا کے آئینۂ دل پر یہ تقریب منکشف ہو چکی تھی اور وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص کسی کی ترغیب وتحریص سے مرید ہونے کو آئے اسی لیے جب شیخ برہان الدین نے حاضر خدمت ہوکر اظہار بعیت کیا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ میاں اگر کچھ یومیہ یا معافی جاگیر حاصل کرنا چاہتے ہو تو ظاہر کرو والیِ صوبہ سے میرے ایسے مراسم ہیں کہ اگر میں سفارش کروں تو وہ حسب دلخواہ عطا کرسکتا ہے۔ اور اگر علم پڑھنے کا شوق ہے تو مدرسہ میں جا بیٹھو۔ میرا فرزند شیخ محمد تمھیں ہر ایک علم پڑھا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے مسیح الاولیا کی بے نیازی اور ساتھ ہی ہر شخص کو

اسکی آرزو کے مطابق فیض رسانی کا ثبوت ملتا ہے۔ باایں ہمہ بے نیازی و فقر و توکل آپ نے مدرسہ کلاں۔ مدرسہ خورد۔ مسجد و خانقاہ کی پختہ عمارتیں تدریجاً تعمیر کرائیں جو کچھ فتوح و نذرانے حاصل ہوئے بعد تقسیم حقوق وابستگان خانقاہ انھیں پر صرف فرماتے تھے۔ دم بھر کے لئے بھی کبھی ایک حبہ پاس نہ رکھا۔ سبحان اللہ آپ کی مقدس و متبرک تعمیرات۔ کشف الحقائق اور درد انح الالفاظ میں کئی جگہ مختلف بیانات کے سلسلہ میں تحریر ہے کہ ان تعمیرات کے درمیان میسح الاولیا نے خود بھی بنفس نفیس کاریگروں کے زیر دست چونہ اور مصالحہ پہنچانے کی مشقت متعدد مواقعہ پر انجام دی ہے۔ اور اکثر مریدین و خلفا سعادتِ ابدی جان کر کاریگروں کے ساتھ ہر قسم کی خدمت بجالاتے رہے ہیں۔ ان مقدس تعمیرات کی عظمت کا پایہ اس اعتبار سے بہت بلند ہے کہ ان میں اہل اللہ علما صلحا و مشائخ نے سنت ابراہیمی کی تقلید میں جسمانی مشقتوں کے ساتھ عملی حصہ لیا۔

فی زمانہ مرور ایام سے مذکورہ عمارات منہدم ہو چکی ہیں، مدرسوں اور خانقاہوں کی قدیم حدود بھی قائم نہ رہیں۔

۱۲۶۵ھ کی آتش زدگی میں یہ تمام عمارات جو سفال پوش تھیں نذرِ آتش ہو گئیں۔ یہ سانحہ برہانپور میں تاریخی حیثیت رکھتا ہے یہ آگ محلہ سندھی پورہ ہی سے شروع ہوئی تھی اور اس نے پھیل کر شہر کے بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہزارہا مکانات پختہ و خام خاکستر ہو گئے۔ سندھی پورہ میں تو ایسا صفایا ہوا کہ بجز میسح الاولیا اور حضرت شیخ طاہر محدث کے مسکونہ محلات کے اور کسی مکان کے باقی رہنے کا پتہ نہیں چلتا اور مذکورہ محلات کا فلک بوس شعلوں میں گھرے

ہوکر بھی بچ رہنا کرشمۂ الٰہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

مدرسہ کلاں کی عمارت جنوب رویہ دو منزلہ تھی منسلکہ تصویر میں شیخ طاہر محمد کے مدفن بارہ دری سے ملحق زینہ مدرسہ مذکور کی دوسری منزل کو جاتا تھا۔ خانقاہ اور مدرسہ خورد کی زمینوں پر وقتاً فوقتاً قبور بنتی گئیں اور اب کسی کی اصلی حد نمود از نہیں ہے۔

مسجد کی حویلی، چھت اور چوبی ستون جل گئے تھے۔ اہل محلہ نے انھیں بنیاد وں پر بقدر ضرورت دیواریں تعمیر کر کے ٹین کا سائبان ڈال لیا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں کیونکہ اس مسجد کا باعظمت و محترم ہونا چند در چند وجوہ سے مسلم ہے۔

اول یہ کہ اسکی بنیاد حضرت مسیح الاولیا جیسے خدا رسیدہ بزرگ نے رکھی ہے ونیز کاریگروں کے ساتھ مع جماعت اہل اللہ تعمیر میں عملاً حصہ گیر ہوئے۔

دوم سمت قبلہ کی کامل ترین صحت کا معیار تسلیم کیگئی ہے۔ حضرت بابا فتح محمد محدث نے رسالہ جہت الکعبہ میں سمت قبلہ کے دلائل بصراحت لکھے ہیں اور تعین سمت اور تحقیق سایۂ اصلی برہانپور کے ضمن میں ایک عجیب تحقیقی ثبوت پیش کیا ہے چنانچہ مفتاح الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

تحقیق سایۂ اصلی برہان پور و اطراف او این فقیر در رسالہ جداگانہ بیان نمودہ است چنانکہ حاصل آن درین ابیات آورد (مفتاح الصلوٰۃ قلمی)

سوم۔ قاری سید ابراہیم مرغ لاہوتی نے جبریلی لہجہ سے سالہا سال اس مسجد میں قرأت کے ساتھ محراب سنائی اور پنجگانہ نمازوں کی امامت کی ہے اور ان سے زیادہ عرصہ تک خود مسیح الاولیا نے عبادت کی ہے اور اعتکاف میں بیٹھتے رہے ہیں۔

نیز آپ کا ایک روحانی واقعہ اسی مسجد میں رونما ہوا ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ:۔

۱۱۲۹ھ میں رویت ہلال رمضان المبارک پہلی تراویح اس مسجد میں ہورہی تھی۔ مسیح الاولیا امام تھے۔ چند رکعتیں ادا کرنے کے بعد بحالت قیام قرأت پڑھتے ہوئے آپ یکایک خاموش ہوگئے۔ مناسب انتظار کے بعد سہو خیال کرکے مقتدیوں میں سے کسی نے لقمہ دیا لیکن آپ ساکت ہی رہے۔ کافی عرصہ کے بعد آپ نے جہاں سکوت فرمایا تھا وہاں سے آگے قرأت پڑھ کر حسب معمول دوگانہ ختم کیا۔ نماز و دعا ختم ہونے کے بعد حاضرین نے طولانی سکوت کی وجہ دریافت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ محمد ابن فضل اللہ کا وصال ہوگیا ہے۔ میں ان کی روح کی مشایعت میں دیگر اولیاء و اقطاب کے ہمراہ چرخ چہارم تک گیا تھا۔

یہ روایت راقم الحروف نے ہر دو خاندانوں کے بزرگوں سے سنی ہے اور نیازمند کو دونوں خاندانوں سے نسبًا[1] وابستگی کا افتخار حاصل ہے۔

دونوں بزرگوں کے علمی تبحر، اثر و رسوخ، باہم ارتباط اور اتحاد عمل کی یہ واضح مثال ہے کہ برہانپور کے ایک نوجوان عالم۔ قاضی نصیر الدین ابن مولوی سراج الدین بنبانی اور شکر اللہ شیرازی میں علم حدیث کی بحث میں یہاں تک بات بڑھ گئی کہ مجتہد صاحب نے اپنے عقیدے کے خلاف قاضی پر الزام عائد کرکے محضر جاری کیا کہ یہ شخص کشتنی، گردن زدنی و سوختنی ہے۔ اور ماحول سے متاثر ہوکر متعدد علماء نے بھی موافقت میں رائے لکھ کر مہریں کردیں۔ لیکن مسیح الاولیا

---

[1] راقم الحروف راشد شیخ محمد فضل اللہ نائب رسول اللہ کی اولاد نرینہ سے شجرہ نسب مربوط رکھتا ہے اور حضرت مسیح الاولیاء کے اخلاف میں ننھیال ہے اور سسرال بھی۔

اور حضرت محمد ابن فضل اللہ نائب رسول اللہ نے اختلاف کیا اور قاضی صاحب شرعی سزا سے بچ گئے۔ خانخانان عبدالرحیم خاں نے قاضی صاحب کے حجاز پاک جانے کا انتظام کر دیا اور یہ فتنہ دب گیا۔

مریدوں کی تعلیم و فہمائش کا طریقہ نہایت سادہ ہوتا تھا اور آپ موقع محل کی مناسبت سے واضح تمثیلات کے ساتھ نصائح ذہن نشین کر نے بجلید طولی رکھتے تھے۔ ابتدائی حالات میں آپ مریدین کو فنافی الشیخ رہنے کی تاکید فرماتے اور خود بھی آپ کا مسلک یہی تھا۔

حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی کا بیان ہے کہ آپنے اپنے مرید سید چاند کو جو بعد میں مجذوب ہو گئے تھے تاکید کی کہ تم کسی بھی درویش سے ملنے جاؤ اپنے پیر کی صورت کو پیش نظر رکھو۔ اور مجھے حکم فرمایا کہ پیر کا تصور اس قدر غالب رکھو کہ جس سے صحبت کا اتفاق ہو خواہ وہ مشائخانہ وضع پر نظر آئے یا قلندرانہ لباس میں نظر آئے یا جوگی، یہی سمجھو کہ میرا پیر بیٹھا ہے۔

حضرت راز الٰہی سے روایت ہے ایک روز میں نے مسیح الاولیاء سے دریافت کیا کہ حضور دنیا کیا ہے؟ آپ نے جواب میں ایک ہندی دوہا ارشاد فرمایا۔ جس کا مفہوم مولانا روم کے اس مشہور کے شعر کا بلیغ ترجمہ ہے ۔

چیست دنیا از خدا غافل بُدن　　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی دنیا وہی ہے جو خدا سے غافل کر دے۔ صرف سونا چاندی اور عورت بچے نہیں۔ اتنا ٹکڑا میں اس ملفوظ سے نقل کئے دیتا ہوں کہ ناظرین اصل سے بھی لطف اندوز ہوں۔ شیخ برہان فرماتے ہیں:۔

روزے بعالی حضرت مسیح الاولیا التماس نمودہ شد کہ دنیا چہ باشد تا
بداں اجتناب نمودہ آید۔ فرمودند۔ دوہرہ

جے ہرکوں بسراوے سبھی دنیا نانوں اُسی کا ہکی (فلانیح)

ایک مرتبہ آپ حوض کے کنارے بیٹھے تھے۔ آفتاب ذرا بلند ہوا اور روشنی
کا عکس مسجد کی دیوار پر دکھائی دینے لگا۔ عقیدتمندوں کا جھرمٹ ہر وقت گرد وپیش
رہتا ہی تھا۔ آپ نے نگاہ اُٹھائی اور فرمایا کہ اگر حوض کا پانی درمیان نہ ہوتا آفتاب
کا عکس دیوار پر ظاہر نہ ہوتا حالانکہ دیوار بالکل سامنے ہے اسی طرح پیر کا وجود بھی
مرید اور خدا کے درمیان ایک ضروری واسطہ ہے۔ اگر مرشد کا واسطہ درمیان میں
نہ ہو تو جمال الٰہی کی تجلّی مرید کو نظر نہیں آسکتی۔ یا جس طرح
خس وخاشاک ہر چند کہ شعاعِ آفتاب کی زد میں پڑا ہوتا ہے لیکن جل نہیں سکتا
ہاں اگر آئینہ درمیان میں لاکر آفتاب کی شعاعیں خس و خاشاک پر منعکس کی جائیں
تو وہ جل اُٹھیگا۔ اس مثال میں پیر کی ہستی آئینہ کی قائم مقام ہے۔

ان مثالوں کو بیان کرکے فرمایا۔ مرید کو لازم ہے کہ اپنی تمام توجہ مرشد ہی
کی طرف وابستہ رکھے مرشد ہی کے وسیلہ سے اسکو ملیگا جو کچھ ملے گا۔

ایک اور موقعہ پر یہ واقعہ بیان فرمایا کہ قاری ابراہیم سندھی جو میرے پیر بھائی
ہونے کے علاوہ علم حدیث وفقہ میں میرے شاگرد اور فن تجوید وقرأت میں میرے
استاد ہیں۔ اپنے مرشد شیخ عارف باللہ کے ساتھ غوث الاولیاء کی خدمت میں
مقیم تھے ان کی خدمات لائقہ اور حسنِ قرأت سے متأثر ہوکر غوث الاولیا نے اپنا
خرقۂ مبارک عطا فرمایا۔ لیکن شیخ ابراہیم اس عطیۂ عظمیٰ کو لینے کے لئے نہ بڑھے

بلکہ اپنے پیر کی طرف متوجہ بیٹھے رہے۔ شیخ لشکر عارف نے کہا لیتے کیوں نہیں؟
ادب سے عرض کیا آپ دیں گے تب لوں گا۔ اس جواب پر غوث الاولیا بہت
مسرور ہوئے اور فرمایا آفرین ہے ابراہیم۔ مرید کو یہی لازم ہے کہ اپنے پیر کے سوا
کسی اور سے سروکار نہ رکھے۔ بہت دعائیں دیں اور قاری صاحب کو مرغ
لاہوتی خطاب دیا اور خرقہ خلافت شیخ لشکر محمد عارف کے توسط سے عطا فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے مرید نورالایمان کو خرقہ عطا فرمایا۔ کچھ دن بعد نورالایمان
سے کسی درویش نے وہ خرقہ مانگا اس نے بے تکلف حوالے کر دیا۔ آپ کو خبر ہوئی
کہ اس نے عطیہ خاص کی قدر نہ کرتے ہوئے ایک ناشناسا سائل کو دے ڈالا
ہے۔ مسیح الاولیا نے نورالایمان کو طلب کر کے جواب طلب کیا کہ تم نے وہ خرقہ
کسی کو کیوں دے دیا۔ اس نے کمال سادگی اور نہایت ادب سے جواب دیا
کہ حضرت محترم آپ نے طلب فرمایا اور میں نے دے دیا۔ تعجب ہے کہ حضور خود ہی لیکر
مجھ سے دریافت فرماتے ہیں۔ پھر آپ نے کچھ تعرض نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہر پیکر
میں مرشد ہی کو دیکھتا تھا۔

مسیح الاولیا کی ذات گرامی سراپا کرامات تھی لیکن آپ باوجود خرق عادات
پر ہمہ اوقات قادر ہوتے ہوئے بھی اظہار کرامات سے گریز فرماتے بلکہ اس چیز کو ناپسند
کرتے تھے۔ اپنے صاحب کمال مریدین کو بھی یہی تاکید فرماتے تھے اور اس ضمن
میں یہ واقعہ دہراتے تھے کہ لوگ حضرت شیخ لشکر عارف باللہ کی مجلس میں اولیا اللہ
کی کرامتوں کا ذکر کرتے تو آپ پسند نہ کرتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ مقربان خدا
کی اس فضیلت کو یاد نہیں فرماتے۔ فرمایا میں اولیا کی کرامت کا کیوں منکر ہونے لگا

لیکن لوگ کرامت ہی کو اولیا راللہ کا کمال سمجھتے ہیں یہ غلط ہے اور یہی مجھے پسند نہیں کیونکہ کرامت تو ان کے روحانی قرب و فضیلت کے مقابلہ میں ادنیٰ ترین درجہ ہے پھر ادنیٰ چیز کو اعلیٰ مدارج پر فوقیت دینا ایک طرح سے ان بزرگانِ کرام کی توہین ہے۔

اسمٰعیل فرحیؔ لکھتے ہیں کہ مجھے بسا اوقات مسیح الاولیا کے پاؤں دبانے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی تھی لیکن عجیب بات یہ ہوتی تھی کہ پاؤں دبانے وقت میں اکثر محسوس کرتا تھا کہ چند لمحات کے لئے میرا عروج بے ساختہ پستی کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔ میں نے رجعت سے اندیشہ مند ہو کر اس کا سبب دریافت کیا۔ پیر و مرشد نے فرمایا۔ اہلِ ریاضت کے موکل ہمہ حال ان کے محافظ ہو جاتے ہیں، جسم دبانے میں یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض وقت غیر محسوس طور پر کھال یا جسم کے بال دبتے یا کھچتے ہیں اور اس لمحہ برائے نام سی ایذا ہوتی ہے۔ موکل اس کو برداشت نہیں کر سکتے اور وہ اسی لمحہ سرزنش کے طور پر خاص کیفیت سے متنبہ کر دیتے ہیں۔

انھیں مولانا اسمٰعیل فرحیؔ کا کوئی دوست عبدالحکیم نامی ایک سیاح تھا اور سیاحی کے ذوق میں نزدیک و دور کے بے شمار اولیا اور خدا رسیدہ بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا۔ ملک سراندیپ تک کی سیر کی تھی۔ جب وارد برہانپور ہوا تو یہیں کا ہو رہا۔ شہر کے باہر تکیہ بنا کر بود و باش اختیار کر لی تھی۔ مسیح الاولیاء سے اس کو بڑی عقیدت تھی اور اکثر حاضر مجلس ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عید کے روز خانقاہ میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوا، دل میں خیال کیا کہ حضرت کے ولیِ کامل ہونے میں کسکو کلام ہے۔ کاش آج میری یہ دو تمنائیں حضرت کی کرامت اور ولایت کے تصرف سے پوری ہو جائیں تو زہے نصیب۔ ایک تو یہ کہ خانقاہ کے تمام سنگریزے

سونے چاندی کے ہو جائیں۔ دوسرے آج عید کا دن ہے ہر گھر میں سونیاں ہی پکی ہوں گی مگر مجھے گرم گرم روٹی جس پر گھی لگا ہو کھانے کو ملے۔

اس نے یہ خیالات دل سے زبان تک بھی نہ لائے تھے کہ داخلِ مجلس ہوا۔ دیکھا کہ صحن کے تمام سنگریزے فی الحقیقت سونے چاندی کے ہیں۔ چاہا کہ تبرکاً کچھ اٹھا لوں مگر ہمت نہ ہو سکی۔

سامنے ہونے پر مسیح الاولیاء نے فرمایا بعض لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کرتے اور اس کو دیکھ کر ایمان لاتے تھے لیکن وہ وصالِ حق سے محروم رہتے تھے۔ اور جو لوگ معجزہ طلب کئے بغیر ایمان لاتے تھے وہ فائز المرام ہوتے تھے۔ سیاح کا بیان ہے کہ یہ سنکر مجھے بڑی ندامت ہوئی شرم کے مارے میں وہاں زیادہ ٹھہرنے کی جرات نہ کر سکا اپنے تکیہ میں چلا آیا۔ میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ کسی اجنبی شخص نے مجھے گرم گرم روٹیاں لا کر دیں جن پر گھی لگا ہوا تھا۔ فرحی لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ خود سیاح نے مجھ سے بیان کیا اور میں اسی کی تصدیق پر درج ملفوظ کر رہا ہوں۔

آپ کی خانقاہ سے متصل ایک پیپل کا درخت تھا جب آپکی طرف رجوع خلائق کی کثرت ہوئی اور لوگ اپنے امراض و تکالیف بیان کر کے آپ سے استمداد چاہتے تو آپ فرماتے پیپل کا ایک پتہ اٹھا لاؤ آپ اس پتہ پر کچھ لکھ کر یا دم کر کے دیدیا کرتے تھے مشہور ہے کہ ہر شخص کی ہر ایک تکلیف دور ہو جاتی تھی۔ عوام نے آپ کی برکت انفاس کے ساتھ ساتھ اس پیپل کے درخت کو بھی متبرک سمجھنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس خیال سے کہ لوگ آگے چل کر اس درخت کی پرستش نہ کرنے لگ جائیں اسکو جڑ سے کٹوا دیا۔ اسی بیخ و بن پر کچھ عرصہ بعد درخت پھر نکل آیا اور آج بہت گھنا تناور درخت وہاں کھڑا ہے۔ مگر اب دم عیسیٰ کہاں!

درخت کٹ جانے کے بعد ضرورتمندوں کو آپ پانی پر کچھ دم کرکے دیدیا کرتے اور اس پانی سے بھی یہی فائدہ ظاہر ہوتا رہا۔ بعض مریدوں نے حضرت بابا عبدالستار سے پوچھا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت کونسا اسم پڑھ کر پانی پر دم کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں۔ آپ اپنے مرشد کا نام شیخ لشکر محمد عارف دم کردیا کرتے ہیں۔ آپ کے خلیفہ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی فرماتے ہیں کہ اسوقت سے میں بھی ایسے حالات میں ضرورتمندوں کو مسیح الاولیاؒ کا اسم گرامی لکھ کر یا پانی پر دم کرکے دیدیا کرتا ہوں اور ہمیشہ فائدہ ہوتا ہے

ایک مرتبہ خانخانان عبدالرحیم خاں اور ان کا بیٹا داراب خان آپ سے ملتجی ہوئے کہ ہمیں حضرت بوبو راستی[1] رحمۃ اللہ علیہا کے درس سننے کا بڑا اشتیاق ہے۔ حضرت تشریف لے چلیں تو یہ سعادت میسر آسکتی ہے۔ آپ نے قبول فرمایا اور بہلیوں پر سوار ہو کر معہ خانخانان وغیرہ راستی پورہ[2] پہنچے۔ حضرت موصوفہ لمعات[3] ونزہتہ الارواح[4] اور اسی پایہ کی اعلیٰ کتب تصوف

---

[1] حضرت بوبو راستی رحمۃ اللہ علیہا مسیح الاولیا کے مرشد شیخ لشکر عارف باللہ کی دختر تھیں۔ عالمہ فاضلہ۔ عارفہ، ولیہ اور تصوف میں بلند پایہ رکھتی تھیں۔

[2] راستی پورہ برہانپور کے جنوبی حصہ کا وہ محلہ جہاں زندگی میں حضرت لشکرؒ کا قیام تھا۔ بعد وصال اپنے حجرۂ عبادت ہی میں مدفون ہوئے اور بعد میں آپ کے فرزندوں اور بعض خلفاء کے مزار بنائے گئے۔ یہیں حضرت شاہ کلا، تو چھتری اور نو شہیدوں کے مزارات ہیں۔ حضرت بوبو راستی کے انتساب سے اس محلہ کا نام اسی زمانہ میں راستی پورہ مقرر کیا گیا تھا اور آج تک اسی نام سے معروف ومتعارف ہے۔ عبدالحکیم سیاحؒ کا تکیہ راستی پورہ دروازہ کے باہر تھا۔ قدیم تعمیر اب کہاں۔ تکیہ البتہ ہے اور فقرا اس میں قیام کرتے ہیں۔

[3] لمعات علامہ فخرالدین عراقی کی بلند پایہ تصنیف ہے جس کی شرح مولانا جامیؒ نے سنہ ۸۶۳ھ میں لکھی اور اس کا نام اشعۃ اللمعات رکھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

[4] نزہتہ الارواح حضرت سادات حسینیؒ کی عارفانہ تصنیف ہے۔ اس کا قلمی نسخہ بھی راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

بطرز شائستہ و دلنشین پڑھانے میں شہرت رکھتی تھیں۔ درس جاری تھا۔ یہ لوگ کافی عرصہ تک اس مدرسہ کے درس سے مستفید ہوئے۔ واپسی میں مسیح الاولیاء ملا بیگ خان کی سواری کے رتھ پر اپنی خانقاہ میں تشریف لائے۔

آپ ابھی صحن ہی میں تھے کہ رتھ بان سامنے آکر مؤدب کھڑا ہو گیا۔ حضرت نے خادم سے فرمایا اسے کچھ دیکر رخصت کر دو۔ رتھ بان نے عرض کی حضور! خادم کے ہاتھ سے کیا دلاتے ہیں اور وہ بے چارہ دیگا بھی کیا! میں تو دولتِ اسلام سے مالامال ہونے کا منتظر ہوں۔ آپ میرے رتھ پر سوار ہوں اور میں کافر ہی رہوں!

حضرت اس کے اس کلام سے بہت محظوظ ہوئے اور اسکو مشرف باسلام فرمایا۔ اور اپنے ساتھ کھانا کھلا کر رخصت کیا۔ دوسری مرتبہ ایک اور بہلیبان نے آپ کی سواری پہنچا دینے کے بعد آپ کے ہاتھ پہ اسلام قبول کیا اور دونوں آپ کے فیضانِ نظر سے ولایت کے درجہ کو پہنچے۔

اسمٰعیل فرحی لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ کا مرید حاجی پائندہ حاضر خدمت ہوا اس کے ساتھ ایک بائیس سالہ نوجوان میر محمد بھی جس کے سر پر چیرہ[1] بندھا ہوا تھا مگر نہایت بے ڈھنگا اور بدنما بندش تھی چونکہ چیرہ نہایت خوشنما دستار ہے بشرطیکہ سلیقہ سے باندھی جائے۔ مسیح الاولیا نے اس سے بہ ملائمت دریافت کیا تم نے اتنی لاپروائی سے چیرہ کیوں باندھ رکھا ہے۔ میر محمد نے جواب دیا حضرت محترم

---

[1] چیرہ ایک پیچدار دستار ہے جس کے کچھ حصہ میں کلابتون (زری) کی ایک پٹی بنی ہوتی ہے جس کو آئینہ سامنے رکھ کر سر پر لپیٹا جاتا ہے اور زری کی پٹی کو اس احتیاط سے جمایا جاتا ہے کہ دستار پوری زری کی دکھائی دیتی ہے۔ اب اس کا رواج باقی نہیں رہا۔ لیکن برہان پور میں اب بھی چیرہ منڈیل اور ہر قسم کی دستار بنانے والے کاریگر موجود ہیں جن میں ٹھٹائیوں کو اکثریت حاصل ہے۔

چند سال ہوئے میرے سیدھے ہاتھ کو تکلیف پہنچ گئی تھی۔ علاج سے ہاتھ اچھا تو ہو گیا پر لیکن سر سے اونچا نہیں ہو سکتا اس مجبوری کے باعث مجھے الٹے ہاتھ سے باندھنا پڑتا ہے اور وہ اچھا نہیں بندھتا۔ حضرت نے فرمایا ایک مرتبہ ہمارے سامنے تو سیدھے ہاتھ سے باندھو اس نے سر سے چیرہ اتارا اور سیدھے ہاتھ سے باندھنا شروع کیا اول اول تو کچھ تکلف سے ہاتھ اونچا ہوا لیکن جلد ہی یہ دقت جاتی رہی اور چیرہ کی بندش ختم ہونے تک ہاتھ بالکل کارآمد ہو گیا اور کوئی سقم باقی نہ رہا۔

جب حضرت اٹھ کر محل میں تشریف لے گئے تو حاجی پایندہ نے اپنے مہمان میر محمد سے کہا کہ چلو اب ہم لوگ بھی گھر چلیں۔ پھر کبھی حاضر ہو جائیں گے۔ میر محمد اسکے ہاں چند روز سے مقیم تھا کہنے لگا کہ اب میں یہاں سے کہیں نہیں جا سکتا اور اس نے ایسا ہی کیا حضرت کی خانقاہ کے مہمان خانہ میں مقیم رہا۔ پچھلی رات سے جاگ اٹھتا اور بلند آواز سے اشتیاقیہ اشعار پڑھتا مسجد میں اذان دیتا مہمان خانہ سے کھانا کھا لیتا اور کسی چیز کی طمع نہ رکھتا۔ چند سال اسی وطیرہ پر زندہ رہا اور یہیں انتقال کیا۔

فرحی نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ صحن خانقاہ کے حوض کا پانی خراب ہو گیا۔ اس میں کثرت سے سرخ کرم پیدا ہو گئے تمام فقرا و طلبا کنوئیں سے پانی نکال کر وضو وغیرہ کے استعمال میں لاتے تھے۔ ایک دن شیخ الاولیا ظہر کی نماز کے بعد مسجد کے ستون سے تکیہ لگا کر بیٹھے تھے منجملہ دیگر حاضرین کے فرحی بھی موجود تھا ایسے میں خادم مسجد ملا بابا نے حوض کا حال بیان کر کے پوچھا اگر حکم ہو تو حوض کو صاف کر کے اس میں نیا پانی بھر لیں۔ حضرت اٹھ کر حوض پر آئے اور چلو میں پانی لے کر ایک کلی حوض میں کی اور فرمایا یہی پانی صاف ہے لوگ کیوں کہتے ہیں کہ پانی خراب ہو گیا

اوحجرہ میں چلے گئے۔ اسی وقت حوض کا پانی اتنا صفا ہوگیا جیسے نہرواں کا پانی صاف ہوتا ہے کرم جو اس میں بیحد وشمار تھے خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہوئے۔ فرحی لکھتے ہیں کہ جب میں نے یہ واقعہ شیخ محمد سندھی سے بیان کیا تو انھوں نے بتایا کہ ایکبار پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے اسی طرح حوض میں کرم پیدا ہو گئے تھے۔ حضرت نے اس میں ایک غرغرہ کیا اور سب خرابیاں دور ہو گئیں اور یہ معاملہ میری موجودگی میں واقع ہوا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کی چند نایاب کتابیں جو بابا عبدالستار کے مطالعہ میں رہتی تھیں ان کے حجرہ سے چوری ہو گئیں۔ شامت زدہ چوروں نے بغرض فروخت ملا حبیب کشمیری کو دکھائیں جو آپ کا مرید تھا قیمت پوچھی تو ناواقفیت سے اس قدر کم بتائی کہ ملا حبیب کو شبہ ہو گیا کہ یہ چوری کی نہ ہوں۔ انھوں نے ورق گردانی کی تو ہر کتاب میں مسیح الاولیا کی مہر اور کتابت نظر آئی۔ چنانچہ ملا حبیب نے چوروں کو مع کتب اپنے آدمی کے ساتھ حضرت کے پاس بھیجدیا۔ آپ نے گمشدہ کتابوں کے اسطرح ملجانے پر الحمدللہ کہا اور فرحی سے پوچھا تم اس الحمدللہ کا مطلب سمجھے؟ عرض کیا گمشدہ دولت کی بازیابی پر شکر ادا کیا گیا ہے۔ فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ جب یہ چوری ہو گئی تھیں اُس وقت کوئی ملال نہیں ہوا تھا اور اب جبکہ یہ مل گئی ہیں کچھ خوشی نہیں ہوئی۔ میں نے اسی بات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا ہے کہ اس نے ہر حال میں میرے دل کی حالت یکساں رکھی۔

مسیح الاولیا کے دو حقیقی بھائی شیخ عثمان اور شیخ سلیمان سیفی سپاہی پیشہ اور عادلشاہ فاروقی کی فوج میں ملازم تھے۔ شیخ سلیمان سیفی عالم و فاضل صاحب ذوق و وجدان، اور شاعر بے بدل تھے۔ خان اعظم کی رفاقت میں خود فاروقی بادشاہ اپنے چیدہ رسالہ کو ساتھ لے کر محاذ احمد نگر پر گیا۔ جسمیں سیفی بھی شریک تھے انھیں دنوں

محلہ سندھی پورہ میں یہ افواہ پھیلی کہ سیفی میدانِ جنگ میں کام آگئے۔ مسیح الاولیا کی خدمت میں ایک اجنبی شخص آیا اور عرض کیا اجازت ہو تو میں حقیقت حال معلوم کروں۔ رضا ملنے پر گیا اور فوراً واپس آکر خبر دی کہ یہ افواہ غلط ہے سیفی خیر و عافیت سے ہیں اور جلد ہی واپس آئیں گے۔ کسی نے اس کا نام پوچھا اس نے بتایا شمو طشیار اور چلا گیا۔ حاضرین نے اس نام اور اسکی شخصیت کے متعلق استفسار کیا۔ مسیح الاولیا نے فرمایا یہ موکل تھا یہ نام تورانی زبان کا ایک جملہ ہے جس کا عربی ترجمہ اللّٰہ الالٰہۃ الرفیع و جلالہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ مولانا فرحی اپنے دو پیر بھائیوں شیخ نصر اللہ اور شیخ رکن کے ہمراہ چوک بلذار برہانپور میں جہتالی کی سیر کو گئے۔ وہاں انھوں نے بعض لوگوں کی سرگوشیاں سنیں جن کا مطلب یہ تھا کہ حاکم شہر مسیح الاولیا سے صاف نہیں ہے۔ مولانا فرحی نے ساتھیوں سے کہا کہ جب والیٔ شہر[1] حضرت سے کدورت رکھتا ہے اور آپکی قدر نہیں کرتا تو کیا وجہ ہے کہ آپ ہجرت کرکے مکہ معظمہ یا دوسرے ملک کو نہیں چلے جاتے۔ حضرت پر یہ امر منکشف ہوگیا۔ چنانچہ جب فرحی واپس ہوکر حضور میں پہنچا تو فرمایا کہ بھائی اگر مکہ مکرمہ یا کسی دوسری ولایت کو ہجرت کر جاؤں اور وہاں کے حکام بھی مخالفت پر اتر آئیں تو کیا ہوگا؟ یاد رکھو ہر شخص کا ضمیر مشیتِ ایزدی کے

---

[1] والیٔ شہر یعنی اکبر بادشاہ۔ یہ ۱۰۰۸ھ کا واقعہ ہے جبکہ اکبر نے اپنی سلطنت کی پوری طاقت کے ساتھ قلعہ آسیر کی تسخیر کے لئے خود موجود رہ کر سخت جدوجہد کی لیکن گیارہ ماہ تک کچھ بنائے نہ بن سکا اور والی برہانپور مع اپنے مٹھی بھر رفقا کے اطمینان سے قلعہ میں محفوظ بیٹھا رہا۔ اب بوڑھا مغلی بادشاہ جھنجلا کر اوچھے ہتھیاروں پر اتر آیا۔ اس وہم سے کہ برہان پور کے اہل اللہ فاروقی بادشاہ کی رد بلا کے لئے وظیفے پڑھتے ہیں اس لئے قلعہ فتح نہیں ہوتا چنانچہ اس نے صوفیہ و مشائخ کو جس طرح بن آئی ہمنوا کرلیا۔ اور اکثر کو جبر و تعدی اور بعض کو حکمت عملی سے اپنے لشکر کے ہمراہ آگرہ لے گیا۔

کے تابع ہے قرآن کریم فرماتا ہے وکذلک نسلکہ فی قلوب المجرمین اور اس فہمائش کے بعد مجھے بہت تسلی و دلاسا دے کر رخصت فرما دیا۔

مسیح الاولیا اپنے مرشد کی نگاہ میں اس قدر محبوب و مکرم تھے کہ انھوں نے باوجودیکہ دو فرزند صاحب عادم داور اک ایک ملک حبیب اور دوسرے شیخ بایزید موجود تھے لیکن اپنی جانشینی و سجادگی کے لئے مسیح الاولیا کو تجویز کیا۔ جملہ اولاد اور متعلقین کو جمع کرکے وصیت فرمائی کہ میرے بعد شیخ عیسےٰ سجادہ نشین ہوں گے۔ میرے فرزند سپاہ گری کی ملازمتیں کرلیں جو ان کے آبا و اجداد کا بہترین مشغلہ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس موقع کے لئے جو میرے نام معانی جاگیر ہے سجادگی کا کوئی مدعی ہو۔

اس وصیت پر عمل ہوا شیخ کی مسند رشد و ہدایت معہ متعلقات مسیح الاولیا ہی سے متعلق رہی اور سعید مرشد زادوں نے کبھی دست اندازی یا والد محترم کی وصیت سے انحراف نہیں فرمایا۔ حالانکہ ملک حبیب تو شاہی فوج کے نامور کارگزار ہونے کی وجہ سے صاحب اثر اور قوی بازو بھی تھے۔ بلکہ انھوں نے آپ سے نہایت نیازمندانہ اور خوشگوار تعلقات رکھے۔ فرحی لکھتے ہیں کہ یہ صراحت میں نے ملک حبیب کے بیان کے مطابق درج ملفوظات کی ہے۔

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اکبر مسیح الاولیا سے صاف نہ تھا چنانچہ قلعہ آسیر پر تسلط ہو گیا تو اس نے ہاتھ پاؤں نکالے۔ اکثر مشائخ و صوفیا پر فاروقی بادشاہ کی حمایت و ہوا خواہی کا الزام عائد کرکے قید و بند میں ڈال دیا لیکن مسیح الاولیا کی عام مقبولیت کو دیکھ کر اس قسم کی کارروائی نہ کی بلکہ بڑی نیازمندی سے پیغام دیا کہ آپ کی ذات گرامی توفیض و برکات کا ممتد ہے۔ یہاں رہ کر محض چند مریدین کو

فائدہ پہنچانے کے بجائے میری فوج کے لاکھوں طالبانِ ہدایت کو سیراب فرمایئے اور آپ کو لشکر گاہ میں طلب کرلیا۔ غرض لطائف الحیل اور جبر و تعدی سے متعدد مشائخ اور صوفیائے کرام کو آگرہ لے جاکر نظر بند کردیا حضرت مجددِ الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) کے ممتاز خلیفہ میر محمد نعمان نقشبندیؒ (م ۱۰۵۸ھ) کا تو آگرہ ہی میں وصال ہوگیا۔ مسیح الاولیا اس نگرانی اور گوناگون پابندیوں سے تنگ آکر بارگاہ ایزدی میں تضرع وزاری سے آزادی کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ جلد ہی دعاؤں کا اثر ظاہر ہوا ایک شب آپ کے والد مغفور نے خواب میں آکر آپ کو تسکین دی اور سندھی زبان کا ایک شعر پڑھا جس کے مفہوم کے مطابق عمل کرنے سے آپ کو آزادی اور برہانپور جانے کی اجازت مل گئی۔ علامہ غوثی نے دبے دبے الفاظ میں یہ واقعہ تو لکھا لیکن سندھی زبان کا مذکورہ شعر نہیں لکھا کاش وہ یہ ضروری چیز لکھ دیتے۔

فرحی نے یہ روایت اپنے انداز میں بیان کرتے ہوئے حاجی نعمۃ اللہ ساکن شیخوپورہ اور حاجی اسحٰق سندھی کے نام بھی لکھے ہیں جو منجملہ دیگر مریدوں کے اس عالم میں بھی مسیح الاولیا کے رفیق سفر تھے۔

آپکا لوگوں کو مرید کرنے کا طریقہ نہایت سادہ اور اثر انگیز تھا۔ فرحی نے بڑی وضاحت اور کامل تفصیل سے اس معاملہ کو لکھا ہے۔ فرماتے ہیں جس طالب بیعت میں منزل شناسی کی صلاحیت دیکھتے مرید کرتے ورنہ انکار کردیتے تھے۔ یا جہاں اس طالب نعمت کا حصہ ہوتا وہاں تک رہنمائی کردیتے تھے۔

جس کو مرید کرتے تھے اُسکے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر یہ پڑھاتے

الحمد للہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ استغفر اللہ

ربی من کل ذنب اذنبتہ عمداً او خطاءً سرًا او علانیۃ واتوب الیہ
من الذنب الذی اعلم ومن الذنب الذی لا اعلم وانت علام الغیوب
ان الذین یبایعون اللہ اذ یبایعونک تحت الشجرۃ ید اللہ فوق ایدیھم

پھر تاکیدیہ تلقین فرماتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کہا ہے انکو حرام جاننا چاہیئے۔ روزانہ پانچ وقت نماز ادا کرنی چاہیئے۔ ماہ رمضان کے روزے کے روزے رکھنے چاہئیں۔ خدا مال دے تو اسکی زکوٰۃ دینی چاہیئے اور استطاعت ہو تو حج کرنا چاہیئے۔

اب مُرید کے ہاتھ چھوڑ دیتے اور فرماتے کہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرو۔
عورتوں کو مرید کرنے میں جو پابندی اور اہتمام تھا اس سے آپ کے تقوے کا روشن ترین پہلو سامنے آتا ہے یعنی جب آپ کسی خاتون کو مرید کرتے تو درمیان میں پردہ قائم ہوتا اور پردہ کے نیچے دوپٹہ اسطرح گذارا جاتا کہ اس کا ایک سرا مرید ہونے والی خاتون کے ہاتھوں میں ہوتا اور دوسرا سرا آپ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیتے اور مذکورہ بالا استغفار و تلقین کی خواندگی عمل میں آتی اور دوگانہ شکر کا حکم دیتے۔
مرید عورتوں کو ایک دامنی بھی عطا فرماتے تھے۔ یہ چار گز طول کا ایک کپڑا ہوتا تھا جس پر یہ عبارت تحریر کرائی جاتی تھی اور یہ تحریر بالعموم حضرت بابا عبدالستار آپکے فرزند کلاں کیا کرتے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ
یغفر الذنوب جمیعاً انہ ہو الغفور الرحیم - فلانۃ بنت فلانۃ راجی

سبحانہ وتعالی بحرمت کلمہ طیب وآیۃ مسطورہ وبحق النبی وآلہ واصحابہ اجمعین بیامرزد۔

اتنا ٹکڑا فرحی کے الفاظ میں پیش کئے دیتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں کہ مولانا نے کس اختصار اور جامعیت سے چند جملوں میں امر واقعہ کی عکاسی کی ہے۔

وچوں زنے را مرید میکردند درمیان پردہ بستہ واز زیر پردہ دو پٹہ گذراندہ یکطرف آن در دوست خود میگرفتند ویکطرف بدو دستش گیراندہ انچہ مذکور گشت بعمل آوردہ حکم بدوگانہ شکرش میکردند۔ (کشف ۲۵)

اسی احتیاط اور صفائے باطنی کا اثر تھا کہ آپ کے بے حد وشمار مریدین میں سے ہر ایک صاحب مقام۔ برگزیدہ خلق اور فیض رسانِ عالم ہوا۔ اور یہ انوار توحید عرفان کی برقتاب شمعیں نہ صرف برہانپور وخاندیس میں جگمگائیں بلکہ دکن سے لے کر پنجاب وکشمیر تک چار دانگِ ہند وحجاز مقدس اور مدینہ طیبہ میں بھی منور رہی ہیں۔ یعنی ہر مقام پر آپ سے فیض یافتہ خلفا روحانی تجلیات کے مظہر رہے ہیں۔

آپ کے جملہ خدا رسیدہ مریدین کا تفصیلی ذکر تو ایک عمر کی فرصت چاہتا ہے اگر صرف سب کے نام ومقام ہی لکھنے پر اکتفا کی جائے تب بھی یہ تذکرہ ایک طومار ہو جائیگا۔ بعض کے مختصر حالات جداگانہ بیان کئے جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسیح الاولیا اپنے مرشد کی وصیت کے مطابق اُن کے سجادہ نشین اور متولی تھے۔ خاص اہتمام سے عید الفطر کے روز جو شیخ لشکر محمد کا روز وصال ہے اُن کے دیوان خانے میں اور دوسرے دن اپنی خانقاہ میں عرس کی تقریب انجام دیتے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ آپ غرہ شوال کو بعد افطار راستی پورہ پہنچ جاتے۔ شیخ کے

شہر کے تمام مشائخ و علماء و صوفیا کے بعد دیگرے جمع ہو جاتے۔ بعد عشا مجلس میلاد منعقد ہو کر نصف شب تک جاری رہتی۔ عبدالرحیم میلاد خوان پرسوز لہجہ اور دلگداز آواز سے عربی قصائد پڑھتا مجلس میں وجد و حال کا سماں بندھ جاتا تھا مناسب وقفے کے بعد پھر قصیدہ خوانی ہوتی پھر دس قدم چل کر یہ مسیح الاولیا کھڑے ہو جاتے تمام جماعت صلحائے حاضرین اتباع کرتی۔ مزار پر چڑھانے کے لئے صندل عطر، پھول و تبرک کی کشتیاں ادب سے سروں پر اٹھا کر مامور اشخاص ساتھ ہو جاتے اور یہ مقدس جلوس مزار کی طرف روانہ ہوتا۔ دس قدم چل کر آپ رک جاتے اور اپنا عصا کھوڑی سے لگا کر قیام کرتے۔ عبدالرحیم یہاں بھی ایک قصیدہ ختم کرتا غرض اسی طرح ہر دس قدم پر رک رک کر قصیدہ خوانی کے ساتھ یہ جلوس قریب سحر مزار پر انوار پر پہنچ کر اول نماز صبح۔ پھر صندل، عطر، پھول چڑھا کر بعد فاتحہ منتشر ہوتا۔ آپ لوٹ کر مرشد کے دیوان خانے میں حاضر ہوتے اور حضرت ابو رحمتی رحمۃ اللہ علیہا سے تبرک لے کر اپنی خانقاہ میں واپس آ جاتے اور اسی شب اپنی خانقاہ میں اسی اہتمام سے عرس کی تقریب کا اعادہ فرماتے۔ علمائے شہر، مشائخ و صوفیا شریک مجلس رہتے۔ تمام رات عبدالرحیم خوش الحانی سے عربی فارسی قصائد پڑھتا اہل ذوق پر وجدانی کیفیت طاری رہتی۔

مسیح الاولیا کو سماع سے رغبت تھی لیکن منکرین سماع کو بھی آپ برا نہیں سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ سماع کو اسی لئے حرام کہا جاتا ہے کہ وہ مسکر ہے اور جو چیز مسکر ہے وہ بلا ریب حرام ہے۔ لیکن یہ سکر ان لوگوں کے لئے حرام ہے جن کے عالم مستی میں راہ صواب سے بھٹک جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن ان کے لیے

جو اس قدر روحانی قوتوں پر دسترس رکھتے ہیں کہ سرمستی و مدہوشی کے جوش میں بھی اپنی منزل مقصود کی طرف زیادہ تیزی سے بڑھ سکتے ہیں حرام نہیں بلکہ مباح اور عین ثواب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مجلسوں میں سماع کے آداب کو عبادت کا درجہ حاصل تھا۔

فرحی نے اس تمثیل میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کی خانقاہ میں مجلس سماع منعقد تھی، مشائخ صوفیہ کا مجمع تھا۔ ملا مجیب علی سندھی آنکلے اور شریک مجلس ہوئے۔ چونکہ وہ آدابِ سماع سے واقف نہ تھے، انھوں نے کسی قریب بیٹھے ہوئے شناسا سے گفتگو شروع کر دی۔ موجب سامعین کو گراں گزرنے لگا۔ مسیح الاولیا نے انھیں مخاطب کر کے ملاطفت سے فرمایا۔

السَّماع کالصَّلوٰۃ۔ سماع، صلوٰۃ کی طرح ہے (یعنی سماع کے وقت خاموش رہنا چاہیئے) کے برابر تھا۔

سماع میں آپ کے تواجد کی کیفیت بھی عجیب ہوتی تھی۔ فرحی کی تالیف میں اسکی تفصیل بھی متعدد جگہ بالوضاحت لکھی ہے ایک مجلس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔ کہ:۔

حضرت مسیح الاولیا کی خانقاہ میں ان کے پیر کے عرس کی تقریب میں مجلس سماع منعقد ہوئی تھی، آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس کیفیت کا اثر مجلس کے ہر متنفس نے قبول کرنا شروع کیا ہر شخص پر اسکی استعداد کے مطابق جوش و مستی رونما ہونے لگی۔ بعض زار و قطار رونے لگے۔ کچھ مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے کچھ مدہوش پڑے تھے۔ ہر شخص مستانہ وار جھوم رہا تھا۔ ایسا کوئی بھی باقی نہ رہا تھا

جس کے سرپر دستار نظر آتی ہو۔ منکرانِ سماع و وجد بھی بے اختیار رقصاں تھے۔ اور تو اور خود گانے والے اپنی پگڑیاں پھینک کر گریہ وزاری کرتے ہوئے گا رہے تھے۔ اسی عالم میں حبیب خاں، حاجی عبدالرحیم اور محمد شریف اپنے چند ملازموں کے ہمراہ آ گئے اور داخلِ مجلس ہوتے ہی اسی رنگ میں رنگین ہو گئے۔ ایک ملازم بورچی ہاتھ میں لئے ہوئے تھا برچھی سمیت بے تحاشا گر پڑا۔ حاجی عبدالرحیم کا بیان ہے کہ میں جب اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا تو مسجد کے ستون سے لپٹ گیا محسوس ہوتا تھا کہ خانقاہ اور مسجد کے ستون اور دیواریں تک جنبش میں ہیں۔ جب مسیح الاولیاء کی حالت درست ہوئی رفتہ رفتہ سب کو سکون ہوا۔

مسیح الاولیاء کو قرآن مجید سے خاص رغبت اور اس پہ تدبر میں بڑا انہماک تھا جید حافظ اور بے بدل قاری تھے۔ متعدد تفسیریں درساً پڑھی تھیں اور خود بھی ایک لاجواب تفسیر انوار الاسرار لکھی تھی۔ تلاوت اور سماعت قرآن کا یہ ذوق تھا کہ ہر روز بعد نماز عصر مسجد میں بیٹھ جاتے۔ اکثر حفاظ و قاری بھی حاضر رہتے۔ اول آپ ایک رکوع تلاوت فرماتے پھر کوئی اور قاری یا حافظ۔ غرض ایک ایک رکوع کی تلاوت کا دور مغرب تک جاری رہتا۔ یہ معمول آپ کے نظام الاوقات میں اس پابندی سے داخل تھا کہ اس میں سرمو فرق نہ آیا۔

آپ کے درس میں ایسی جاذبیت تھی کہ طلباء کے علاوہ اہلِ ذوق سامعین بھی کثیر تعداد میں موجود رہتے۔ طالبانِ علم تو اس درس سے جو کیفیت و لذت حاصل کرتے وہ ان کا مخصوص حصہ ہی تھا۔ سامعین بھی اپنے ذوق و وجدان کی حد تک سیرابی و تسکین کی حد تک پابندی سے حصہ گیر ہوتے تھے۔ اس فضیلت خاص میں

آپ اپنے فیض رساں اساتذہ شیخ طاہر محدث اور حکیم عثمان وغیرہ کی طرح شہرت رکھتے تھے۔ متعدد علماء و معاصرین مشائخ کے حالات میں یہ بات صراحت سے مذکور ہے کہ اکثر بزرگ علما جو اپنے مقام پر اپنے تلامذہ کو مختلف علوم کی بلند پایہ کتابیں پڑھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا درس سننے کے لئے روزانہ پابندی کے ساتھ میلوں چل کر آتے تھے۔ آپ فرداً فرداً بھی ترقی یافتہ طلباء کو اعلیٰ کتابیں پڑھاتے اور جماعتی طور پر بھی۔ ابتدائی تعلیم درس املا کے طور پر ہوتی۔ جماعت میں سے کوئی بھی طالب علم زیر درس عبارت کا کچھ حصہ پڑھتا۔ پھر طلبا کو اجازت ہوتی کہ اگر کوئی چاہے تو درس کا مفہوم اور درس کے نکات بیان کرے طلبا کی بحث اور رد و بدل کے بعد آپ درس کے معنی و مفہوم غوامض و نکات آسان و سادہ الفاظ میں ذہن نشین کرانے اور مبہم مقامات کو تمثیلات اور قابل قبول دلائل سے سمجھاتے کہ ہر استعداد کا طالب علم مطمئن و محظوظ ہو جاتا۔ مغلق عبارات کے حل میں گہرائی سے معانی و مطالب کی وضاحت اور ہر لغت کے معانی و مفہوم پر موشگافیاں اور سیر حاصل بحث و تبصرہ سنکر طلباء و سامعین کے ذہن و دماغ منور و مجلی ہو جاتے۔ اکثر طلباء ضروری باتیں نوٹ کرتے اور بعض تو درس کی پوری تصریحات لکھ لیا کرتے تھے۔

آپکی بعض تصانیف سلسلۂ درس ہی میں وجود پذیر ہوئی ہیں اور بعض تو آپ نے اہل تعلق کے اصرار و التجا پر تالیف فرمائیں اور بعض آپ کے طالب علمی کے دور کی یادگار ہیں۔ علامہ غوثی حسن نے حسب ذیل نام اور صراحت لکھی ہے۔

(۱) روضۃ الحسنیٰ۔ شرح نود و نہ نام الٰہی ۔ اس کا سنہ تالیف ۹۸۹ھ ہے۔

مادہ تاریخ لفظ حافظ (۹۸۹) ہے۔

(۲) عین المعانی۔ شرح نود ونہ نام الٰہی ۔ اس کا سنہ تالیف ۹۹۷ ھ ہے۔
غوثی نے دونوں رسالوں کے متعلق لکھا ہے کہ۔ اول، اول ہے اور ثانی کا ثانی نہیں ۔ اس جامع تعریف کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ مولانا نے دو مختصر جملوں میں دو دفتروں کا حق ادا کیا ہے۔ آگے چل کر عین المعانی کے ایک مقام کی عبارت بھی نقل کی ہے لیکن میرے خیال میں پھر بھی اس کتاب کی مخصوص ندرت اور وجہ تالیف کی اہمیت فی زمانہ مزید صراحت کے بغیر تشنہ ہے۔ ممکن ہے اس زمانہ میں یہ تشنگی محسوس نہ کی جاتی ہو۔

نیاز مند راقم کے پاس عین المعانی کا ایک قلمی نسخہ ہے جو ایک با اخلاص مرید عبداللطیف کا مکتوبہ ہے۔ گمان غالب تو یہی ہے کہ کاتب ہی شخص ہوگا جو اس کتاب کی تالیف کا محرک ہوا۔ مسیح الاولیاء نے عین المعانی کی تمہید لکھا ہے کہ

ایک با اخلاص محبت شعار محب رسالہ روضتہ الحسنیٰ کی نقل کر رہا تھا ۔
مجھے خیال ہوا کہ اس کام میں اسکی مدد کی جائے چنانچہ اس کے ہاتھ سے کاغذات لے کر لکھنے لگا۔ چند ہی سطور کی نقل کی تھی کہ اس سے مختلف اور جدید معانی خیال میں آنے لگے اور اصل کے مقابلہ میں زیادہ بہتر اور مناسب۔ طبیعت میں ولولہ پیدا ہوا کہ اس میں رد وبدل کرکے از سر نو دوسری شرح لکھی جائے جس میں خوش اسلوبی اور ندرت کے ساتھ نظم ونثر کا اہتمام رکھا جائے ـــــ ترجمہ عین المعانی صفحہ ۳

چنانچہ یہ نادر روزگار کتاب اسی بلاغت وصوفیانہ رموز ونکات واصطلاحات

پر مبنی درود و وظائف اور دعوت اسما کی تعلیم سے متعلق بلیغ و برجستہ منظومات کے ساتھ چند ماہ کی کوشش سے تکمیل کو پہنچی۔

یہ مصدقہ شہادت اسی کتاب سے بہم پہنچی کہ آپ ولایت و قطبیت کے اعلیٰ روحانی فضائل کے ساتھ ساتھ بلیغ و برجستہ گو ماہر فن شاعر بھی تھے اور اس فن لطیف کے تمام دقیق اصناف پر کامل عبور رکھتے تھے۔ عین المعانی میں تمہید سے لے کر آغاز تک ہر فصل میں قطعہ۔ فرد۔ رباعی۔ مثنوی وغیرہ بڑی کثرت سے تحریر ہیں۔ کتاب شروع ہوتے ہی منظوم نوادر و غرائب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ختم کتاب تک اسی التزام و اہتمام سے جاری رہتا ہے۔ عام ترتیب یہ ہے کہ جس اسم جمالی کی شرح پر قلم اٹھایا اول اس اسم کا معمّا ایک شعر میں۔ اس کے بعد اشارہ۔ آہنگ نظم کا کوئی عنصر۔ پھر المظاہر۔ زاہد۔ الوظائف۔ داعی نصاب۔ زکوٰۃ عشر قفل و دور وغیرہ۔ زاہد موحد محقق۔ الاشغال۔ ہر عنوان کے تحت لازماً نظم۔ آپ نے اپنی عربی و فارسی منظومات کے علاوہ دیگر عارف شعرا کی منظومات بھی درج کی ہیں۔ اپنے چھوٹے بھائی میاں سلیمان سیفی کی بھی چند رباعیاں درج کی ہیں اور بڑی محبت سے لاخیالسیفی عفی عنہ لکھا ہے۔ آپ کے کلام سے چند معمّا و رباعیات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں جو حسب ذیل ہیں:۔

زاد راہ راستان جز غم مداں　　راہ قلا باں بود برعکس آں

یہ القہار کا معمّا ہے۔ دیگر معموں کے مقابلے میں بہت آسان۔ حل آخری مصرعہ میں موجود ہے راہ قلا کو برعکس کر لیجئے۔ القہار ہے۔ ایک اور معمّا ہے۔

ہست شمع خانہ آہ سوزناک　　آہ دل گر ہست ما را زاں چہ باک

شمع کی رعایت سے آہ سوزناک تشبیہاً لو ہے۔ لو کو آہ کا دل کہہ کر آہ کے وسط میں جگہ دی آلوہ ظاہر ہوا۔ آگے کہا ہے۔ ہست ما ہ یعنی پانی کو فارسی میں آب کہتے ہیں شریک کیا۔ الوہاب ہوا۔ یہ الوہاب کا معمہ تھا۔

بادشاہ فقر را در ملکِ جاں ہست پے در پے لوا خورشید ساں

یہ نہایت نادر ترکیب کا معماً ہے۔ حل آخری مصرعہ سے ظاہر ہے یعنی پے در پے لوا اور پے در پے خورشید کی ترکیب مطلوبہ جواب ہے۔ لوا علم کو بھی کہتے ہیں اور علم کی تشبیہ الف ہے۔ لہٰذا ایک لوا= ا دوسرے لوا سے ملا الوا ہوا خورشید کو سور اور عین کہتے ہیں پہلے خورشید کا مخفف س دوسرے عین کا حرف مکتوبی ع۔ الوا کے ساتھ سع ملا یا الواسع ہوا۔ یہی اسم مطلوبہ تھا۔

درد فرقت چوں گریباں گیر گشت رایتِ جاہت نگوں برگذشت

الفاظ کے معنوی ردوبدل سے یہ معما ترکیب کیا گیا ہے۔ درد کا ہم معنی یا بدل الم ہے اور گریبان کا مرادف جیب ہے۔ الم اور جیب درست و گریبان حالت میں تحریر کئے گئے تو المجیب صاف پڑھا گیا۔ یہی حل یا اسم مطلوبہ ہے۔

ہمچنیں عالم اگر آید بدست سر بنہ بر پائے وے ہر جاکہ ہست

عالم آید بدست۔ دست یعنی ہاتھ کا عربی ید ہے۔ عالم ید سے مل کر عالمید ہوا۔ آگے اشارہ ہے اس کا (عالم کا) سر وہیں جہاں وہ ہے اس کے پاؤں پر رکھدو۔ عالم المع ہو گیا۔ ید سے ملایا المعید ہوا۔ یہی حل ہے۔

آپ کے کلام سے اصنافِ نظم کے چند بدیع نمونے بحرِ بیکراں سے جرعہ بلکہ قطرہ ہی سمجھ لیجئے، کیونکہ پوری کتاب ان نوادر گہر پاروں سے درجِ گوہر

بنی ہوئی ہے۔ پیش کرنے کے بعد آپ کی چند رباعیاں نقل کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

رباعی

ساقی بدلت چند رسد زخم زغیر — ہاں ہاں بنود غیر در وجود تو بہ سیر
از خود گذر اے بوالہوس لاف زنے — زیرا کہ خدا محض وجود ہست بہ خیر

صوفیانہ مسلک کی اس برجستہ و سلیس رباعی میں توحید کی تعلیم اور ترک خودی پر بشدت توجہ دلائی گئی ہے۔ جناب جوش ملیح آبادی نے جو عام نظریہ سے الحاد کی حد تک آزاد خیال شاعر ہیں، اس رباعی کے آخری مصرعہ کا مضمون اپنی ایک رباعی میں نظم کیا ہے۔ پوری رباعی تو یاد سے اتر گئی آخری دو مصرعے یاد رہ گئے جو یہ ہیں

اللہ کو قہار بتانے والو — اللہ تو رحمت کے سوا کچھ بھی نہیں

رباعی

تخلیص معانی زکنایات مجو — خود را بدر از در مباہات مجو
خواہی کہ بری پیش دلارام وفا — تحقیق حقائق ز اشارات مجو

حکیم بوعلی سینا کی مشہور کتاب اشارات ہے۔ اسمیں انھوں نے دعوی کیا ہے کہ میں حقائق اشیاء کا بوجہ احسن علم رکھتا ہوں۔ آپ نے اس رباعی کے ذریعہ اہل تحقیق کو آگاہ کیا ہے کہ اگر تم اپنے مطلوب کی خدمت میں وفا کا تحفہ لیجانا چاہتے ہو تو حقائق کی تحقیق "اشارات" میں تلاش نہ کرو۔ سعی لاحاصل میں بھٹک جانے کا قوی امکان ہے کیونکہ منطق کی دلیلوں کا راستہ قرآن سے مخالف سمت کو جاتا ہے۔ خود شناسی کے لئے اشرف المخلوقات کے دائرے سے باہر تک دوڑ نہ کرو۔ معانی کی تلخیص تمہیں کنایات میں نہ ملے گی وہاں اسکی جستجو عبث ہے۔

اس رباعی پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہوا ہے
می فرمودند یک دقیقے گفتہ شدہ بود بے ملاحظۂ النائظش خالی از معنا نیست و پیغمبر مودند اشارات نام نسخہ الیست کہ بوعلی سینا نوشتہ و دعوے کردہ کہ حقائق اشیا مرا بوجہ احسن معلوم است —

(عین المعانی صفحہ ۱۲۰)

رباعی

بیرون ز حدود کائنات است دلم — برتر ز احاطہ جہات است دلم
فارغ ز تقابل صفات است دلم — مرآت ربوبیت ذات است دلم

پوری رباعی بے ساختہ سلیس و برجستہ ہے نفس مضمون من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی مدلل و مفصل تفسیر ہے۔

رباعی مستزاد

گاہے بمن سوختہ دل نعرہ زند — با دیدۂ گریاں
گاہے لب من از لب او خندہ کند — در عیش کناں
نے نے غلطم چون بحقیقت نگرم — در وحدت و کثرت
خود اوست اگر گرید و گر خندہ کند — آن فتنہ فتاں

اس مستزاد رباعی کا بھی وہی رنگ ہے اور ہمہ اوست کے نظریہ کا پورا ثبوت پیش کیا ہے۔ اوپر کے دونوں مصرعوں میں ہمہ از وست کا مسلک تھا۔ نے نے غلطم کہہ کر آخری مصرعہ میں ہمہ اوست کی شان پیدا کردی۔

رباعی

ہم دل بنثار جان گرفتار تو ہست — ہم جان بہزار سر خریدار تو ہست

اندر طلبت نہ بودہ اند نہ شہود — آنکس کہ صفاتش دیدہ دیدار تو ہست

یہ اشتیاقیہ رباعی شیخ الاولیاء نے اپنے مرشد حضرت شیخ شاہ شکر محمد عارف کی طرف ہمہ تن توجہ کے عالم میں بے ساختہ فی البدیہہ ارشاد کی تب حاشیہ پر یہ اتنی عبارت لکھی ہے۔

میفرمودند روزے بزیارت تربت شریفہ حضرت شاہ شکر محمد قدس سرہ میرفتم دراں راہ ایں رباعی رو داد — عین المعانی ص ۱۷

میں لفظ رباعی کی رعایت سے نمونتاً ۴ ہی رباعیاں درج کرنا چاہتا تھا لیکن حاشیہ کی عبارت سامنے آجانے سے قلم نے یک لخت بے اختیار یہ رباعی بھی معہ حاشیہ درج کردی اسطرح رباعیات کا پانچواں شریک مضمون ہے۔ معموں کے حل میں بہت کچھ بلکہ یکسر رہنمائی کتاب سے ہی ہوئی۔ رباعیات کی شرح البتہ میں نے اپنی کوتاہ علمی کے مطابق خود کی ہے اہل علم و دانش اگر اسمیں لغزشیں پائیں تو اس کو میری محدود استعداد پر محمول فرمائیں۔

(۳) انوار الاسرار۔ قرآن مجید کی معرکۃ الآرا بے نظیر تفسیر ہے۔ آپ نے یہ تفسیر لکھنی شروع کی تو بنظر اطمینان دو اجزا مسلسل اپنے استاد و محترم حضرت شیخ طاہر محدث رح کی خدمت میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے ارسال کئے اور لیجانے والے کو تاکید کردی کہ وہ یہ نہ بتائے کہ کس نے لکھی ہے اور بھیجنے والا کون ہے۔

اس شخص نے وہ اوراق محدث صاحب کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کئے کہ حضرت مجھے یہ کاغذات ملے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ قابلِ مطالعہ ہیں یا نہیں؟

محدث صاحب نے بغور و تعمق ملاحظہ فرمانے کے بعد بہت تعریف کی اور فرمایا اے عزیز تو خوش قسمت ہے کہ یہ نعمت تجھے میسر آئی۔ اس پایہ کی تفسیر عام علماء کی دسترس سے باہر ہے۔ اس انداز اور گہرائی سے تو وہی خدا رسیدہ عالم لکھ سکتا ہے جو غوث یا قطب کا درجہ رکھتا ہو۔

یہ امید افزا رائے معلوم کر کے آپ کو تسکین ہوئی اور یہ بھی تمام اسی انداز پر اسکو اختتام کو پہنچایا۔ جب محدث صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ تفسیر آپ نے لکھی ہے تو بے انتہا مسرور ہوئے اور تشریف لاکر مبارکباد دی۔ بڑی محبت سے بغلگیر کر کے فرمایا الحمد للہ خدا نے مجھکو کامل کیا اور تمکو مکمل۔

(۴) رسالہ حواس پنجگانہ۔ یہ رسالہ آپ نے صدر جہاں دھاروالی کی التماس پر لکھا تھا۔ موصوف آپ کے برگزیدہ خلفا میں سے ہیں۔ اس میں آپ نے حضرات خمس سے مطابق دی ہے۔

(۵) حاشیہ بر اشارۂ غریبہ کتاب الانسان کامل۔ اس کتاب کے مصنف شیخ عبدالکریم جیلی قدس سرہٗ ہیں۔ یہ حاشیہ آپ نے اسوقت تحریر فرمایا تھا جب آپ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے خلیفہ سید احمد دکنی کی شاگردی میں داخل تھے

(۶) شرح قصیدۂ بردہ۔ فارسی شرح۔

(۷) رسالہ قبلۃ المذاہب اربعہ معہ اشارات اہلِ تصوف۔

(۸) حاشیہ بر شرح ضیائیہ۔ یہ شرح مولانا جامی نے کافیہ پہ لکھی تھی۔ اس

شرح پر حاشیہ آپ نے اپنے بڑے فرزند شیخ عبدالستار کو درس دینے کے زمانہ میں ان کی تعلیم کے لئے لکھا تھا۔

(۹) فتح محمدی در علوم ما یتعلق بہ التفسیر۔ یہ کتاب چھوٹے فرزند بابا فتح محمد کے واسطے تالیف کی تھی۔

(۱۰) تتمیم۔ شرح مأتہ عامل۔ اس شرح کو میر فتح اللہ شیرازی نے شروع کیا لیکن تمام نہ کر سکے تھے کہ ان کی عمر پوری ہو گئی۔ آپ نے قاضی نوراللہ کے ابن عم میر سید علی کی تمنا پر آغاز کی طرح انجام کو پہنچایا۔

(۱۱) رسالہ عقود جس کو سب سے زیادہ مختصر عبارت میں لکھا ہے۔ ارباب حدیث اعداد کا شمار اپنے ہاتھوں کی انگلیوں پر رکھتے ہیں۔ اس نسبت سے رسالہ کا یہ نام ہوا۔

(۱۲) دو رباعی کی دو شرح۔

(۱۳) ترجمہ اسرار الوحی۔

یہ فہرست ۱۰۲۲ھ تک کی ہے جو علامہ غوثی نے گلزار ابرار میں درج کی ہے۔ اس کے بعد آپ کم وبیش ۹ سال اور زندہ رہے واللہ اعلم اور کتنی کتب و رسالے تالیف فرمائے ہوں گے۔

تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ تدبر فی القرآن کے فیض سے آپ کے ضمیر پر معانی کا اس قدر ہجوم اور ولولوں کا اس قدر جوش رہتا تھا کہ اگر صاحب استعداد سامعین پابندی سے سن سکتے تو تمام قرآن مجید کو سورۂ فاتحہ میں اور سورۂ فاتحہ کو تمام قرآن کی ہر ایک آیت میں بلکہ پورے قرآن کو بسم اللہ میں

اور بسم اللہ کو قرآن کی ہر آیت میں بیان و عیاں کر سکتے تھے۔ نثر کے الفاظ یہ تھیں۔

میفرمودند کہ در ایام جوانی بغلبۂ ذوق و حالت کہ از دل من جوش معانی
سر میزد کہ اکثر اوقات بخاطرم میگذشت کہ اگر سامع صاحب استعداد
مقید شدہ باشد تمام قرآن را در سورۂ فاتحہ و سورۂ فاتحہ را در تمام قرآن
بعض ہر آیت بلکہ تمام قرآن را در بسم اللہ و بسم اللہ را در ہر آیت
بیان و عیاں سازم۔ (کشف الحقائق صفحہ ۲۹)

یہ ہجوم معانی، آغاز غلبۂ ذوق اور عالم عہد جوانی میں رونما تھا۔ آگے چل کر پختہ عمری کے دور اور روحانی کمال کی منزل میں۔ زور قلم، شوکت بیان۔ معنوی موشگافیوں پر جو معجز اثر دسترس رہا ہے اس کا زندہ ثبوت مسیح الاولیار کی جملہ تصانیف میں منہ سے بول رہا ہے۔

سطور بالا میں گلزار ابرار نے مسیح الاولیار کی تصانیف کے چند نام پیش کرتے ہوئے ہم نے عرض کیا تھا کہ ان کتب کے علاوہ بھی آپ کی متعدد تصانیف کا امکان ہے یہ بات محض حسن ارادت پر مبنی نہیں ہے بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت اور مستند دلیل کے ساتھ دعویٰ ہے۔ یعنی خود راقم کے مختصر قلمی نسخہ جات میں آپ کے ایسے دو رسالے موجود ہیں جن کا ذکر علامہ غوثی کی مذکورہ فہرست میں موجود نہیں۔

ایک رسالہ وحدت وجود جو حضرت شیخ عبداللہ بلیانیؒ نے حدیث نبوی من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی شرح میں عربی زبان میں تالیف فرمایا تھا۔ اسکی فارسی شرح مسیح الاولیا نے اپنے مرشد کے ایما پر لکھی اور غالباً یہ آپ کی اولیں تالیف ہے یعنی حضرت شیخ لشکر عارف باللہ متوفی سنہ ۹۹۳ھ

کے زمانۂ حیات میں واقع ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیباچہ میں ادباً آپ نے اپنا نام واضح طور پر نہیں لکھا۔ تمہید کی عبارت حسب ذیل ہے۔

میگوید فقیر ضعیف خاکروب درگاہ معدن انوار الٰہ حضرت شاہ محمد اللہ که چوں رسالۂ که متضمن توحید وحدت الوجود بود، مشتمل بر اذواق و جد وشہود از مصنفات شیخ العاشقین والعارفین آن موحد ربانی شیخ عبداللہ بیابانی در معنی حدیث نبوی من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ لیکن زبان تازی بود بعضے عزیزان حضار مجلس شریفہ بحضرت ارشادمآبی حفظہ اللہ ظلالہ السامی التماس نمودند کہ این رسالہ را اگر بزبان پارسی اظہار کردہ شود و بیان مشہور ساختہ شود و آید بہتر است تا ہر ناس در عام از افادت و استفادت محروم نہ ماند۔

پس بایں ضعیف اشارت نمودند۔ این ضعیف از فیض حضرت یک ذرہ در عبتش میگوید۔

مرشد کامل کہ نامش لشکر است	لشکر اہل صفا را رہبر است
دیدہ اش بینا شدہ از نور حق	چوں کلیم اللہ شدہ بر طور حق
مقتدائے جملۂ اہل وفا	پیشوائے زمرۂ صدق و صفا

بشارت حق دانست والتماس دعا نمود تا این ترجمہ از خیانت بدیانت مصئون ومحفوظ ماند۔ واللہ ولی التوفیق والہدایۃ والیہ المرجع والمآب۔

یہ رسالہ عبارت آرائی اور مختصر تمثیلات کے ساتھ عربی فارسی برجستہ اشعار سے مزین ہے۔ وہی زور بیان، صوفیانہ اصطلاحات کے موزوں جملے

برجستہ فقرے جو مسیح الاولیا کی تصانیف کا طرۂ امتیاز ہیں آغاز سے اختتام تک فراوانی کے ساتھ نمودار ہیں۔ موجودہ مخطوطہ ۱۱۸۲ھ میں کتابت کیا گیا۔ خط شکستہ مگر نہایت پاکیزہ۔ خاتمہ کی عبارت یہ ہے۔ بتاریخ چہاردہم رجب المرجب ۱۱۸۲ھ روز دوشنبہ در بلدۂ حیدرآباد باتمام رسید

دوسرا رسالہ تعینات او حقیقت محمدیہ کے بیان میں ہے۔ یہ مختصر رسالہ متوسط سائز کے ۱۲ صفحات میں ختم ہوا ہے۔ نیازمند کی ایک بیاض مسمٰی بیاض یادگار میں تحریر ہے۔ کاتب نے اپنا نام، سنہ کتابت وغیرہ کچھ نہیں لکھا۔ اس رسالہ کی نقل یہ ہے:-

نقل رسالہ دقیقہ از بیاض یادگار

رسالہ تصنیف برہان خافقین حضرت شاہ علیبی قدس سرہ واسرارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فائدہ خلق بعد از ارتفاع کثرت عین حق است۔ اگر لام جمال کہ عبارت از ظہور کثرت است از میان برداری و نقطہ[1] تعین از سر خا برگیری بنگر کہ چہ ماند۔

فائدہ۔ تعین[2] حجاب وجود است اگر تو از عینِ وجود چشم احولی کہ عبارت از حرف تا است[3] دور کنی دانی کہ تعین عین وجود است۔

---

[1] نقطۂ تعین فرمود زیرا کہ باعتبار غیر نقطہ خانے حلی خا گشت [2] کنایت از حروف تا منقوطہ است [3] حرف تا حرف اشارہ است بآنکہ تو نباشی تا ہمہ او باشد۔

دقیقہ ـ وجود مطلق چوں از اطلاق و عدم انحصار خود توجہ بعالم ظہور کرد اول تعین کہ پیدا گشت نام او وحدت شد وآن را حقیقت محمدی گویند ـ و حقیقت تعین تو دانستہٗ و مغائرت دور کردن میان تعین و حق ہم فہم کردہٗ اکنوں تو در تعین و تجلی و در ہر مرتبہ ہمچنیں فہم کن چنانچہ سیاہی است نسبت حروف واگر حروف گوئی ہم درست بود واگر سیاہی دانی کہ بصورت حروف ظاہر است عین معرفت بود وآن وحدت را دو شاخ ظاہر گشت[۱] یکے احدیت کہ ذات بآن اعتبار از ہمہ اعتبارات منزہ و مجرد است دوم واحدیت کہ ذات بآن اعتبارات بہمہ صفات الہیہ و اعتبارات کیانی متصف است ـ

دقیقہ ـ صفات الہی دو قسم اند یکے موقوف بظہور مخلوق در خارج چنانچہ خالق و رازق و دیگر محتاج نہ چنانچہ سمیع و علیم و غیر آن[۲] از امہات صفات پس انچہ محتاج نیستند بکمال ذاتی و غنائی مطلق تعلق دارند وایں مرتبہ را تقدیم ذاتی بر اسمائے دیگر است[۳] وانچہ محتاج ہستند بکمال اسمائی و بکمال جلا و استجلا تعلق دارند ـ کمال جلا آنرا گویند کہ وجود باین تعینات خود ظاہر شدہ و کمال استجلا آنرا گویند کہ وجود ما در تعینات مراتب خود را خود مشاہدہ کند ـ

دقیقہ ـ واحدیت منقسم است بدو قسم یکے صفات الٰہی و دیگر اعتبارات

---

[۱] اے دو طرف ظاہر گشت یکے طرف بطون وآنرا نام احدیت شد و یکے طرف ظہور کہ آنرا نام واحدیت شد ۱۲ [۲] حی علیم کلیم ـ سمیع بصیر ـ قدیر ـ مرید [۳] حاصل آن است کہ کمال نزول وجود تنزلات و تعین او بتعینات و کمال استجلا عروج است و مشاہدہ کردن تعینات کہ ما تنزلات وجودیم ـ

کیانی و تعین واحدیت ہر دو را شامل ۔ و صفاتِ الٰہی آنرا گویند کہ وصف وجوبی و فعلی[1] صفت ذاتی ایشان باشد و اعتبارات کیانی آنرا گویند کہ صفت لازمی ایشان انفعال و امکان[2] بود و انفعال اثر قبول کردن است ۔

دقیقہ ۔ لفظ اللہ و حق را دو جا اطلاق کنند یکے در مرتبۂ لاتعین کہ عین وجود مطلق ہست بے ملاحظۂ مفہوم ۔ دوم در مرتبۂ الوہیت و آن عبارت است از ظہور جمیع صفات الٰہی اجمالاً و ظاہر وجود کہ وصف وجوب خاص اوست اینجا گویند ۔ و رب آنجا گویند کہ آن صفاتِ الٰہی تفصیل یابد ۔

دقیقہ ۔ اعتبارات کیانی و مقتضیات اسمائے الٰہی در مرتبۂ ربوبیت اند و آنرا اعیان ثابتہ و ظاہر علم نیز گویند ۔ پس درین ہر دو مرتبہ یعنی صفات کلی الٰہی و اعتبارات کیانی یک حقیقت جامع است (الحمد للہ رب العالمین)[3] و آن وجود مطلق است پس بہ اصالت و بہ تبع حقیقت انسانیہ است کہ آدم عبارت ازوست تا اینجا مراتب ظہور الٰہی بود ۔ اکنون مراتب ظہور خلقی بیان خواہم شد (چنانچہ در تعین اول کہ باعتبار ظہور حقیقت محمدی بود نیز رتبۂ تشبیہ و تنزیہ نبود ہمچنان در تعین اول خلقی نیز فہم من فہم)

دقیقہ ۔ اول تعین باعتبار خلقیت نہ باعتبار ظہور نور محمدی است نامراد

---

[1] اے فاعلی لا انفعالی [2] امکان بغیر وجوب محال است [3] الحمد للہ رب العلمین ۔ حمد اظہار جمیع کمالات است و اشتقاق جمیع اسما و صفات ازین مرتبہ است یعنی محامد اربعہ درین مرتبہ اجمالاً ظہور یافتہ ندر تفصیل در رب العالمین خواہند یافت و رب عدل لازمہ است در رب مقصد نیز ہم فہم من فہم ۔

روح اعظم وعقل اول وعقل کل است واو بمرتبہ قند است واین جمیع عوالم مختلف بمرتبۂ قند صاف وکدر تا بمرتبۂ قطارہ (باعتبار ظہور تعین اول کہ حقیقتِ محمدی است) واین را عالم ارواح نامند۔ و فرشتہ مختلف بمرتبہ قند صاف (باعتبار تا مرتبۂ قطارۂ واین را عالم ارواح نامند و فرشتہ کہ در سمت اول عالم ارواح است اور ا روح القدس گویند وآخر او جبرئیل امین است وبالائے این مرتبہ ارواح ہرچہ مذکور گفتہ شد در عالم غیب شمردہ اند۔

دقیقہ ۔ پس ازیں عالم عالم مثال است وآن عبارت است از صور مرکبات لطیفہ کہ قابل تجزی وتبعیض نیستند کہ آنرا تجزی خیال منفصل نامند پس ہر حرکت وحس کہ دریں عالم موجود است بواسطۂ اوست یعنی اول فیض فیاضِ مطلق بعالم ارواح میرسد واز و بعالم مثال واز و بعالم حس۔

دقیقہ ۔ پس ازین عالم شہادت است وآن عبارت است از عرش رحمانی تا مرکزِ خاک بدین تفصیل اول عرش پس کرسی فلک زحل فلک مشتری۔ فلک مریخ ۔ فلک شمس ۔ فلک زہرہ ۔ فلک عطارد ۔ فلک قمر۔ کرہ نار ۔ کرہ خاک ۔ موالید ثلاثہ ۔ معدن ۔ نبات حیوان ۔ پس انسان کامل ۔ این جمیع مراتب را شامل است ومقصود از ظہور ایں مراتب اوست کہ وجود بایں مراتب شدہ تا بانسان پیوست ودر انسان بحواس انسان درین مراتب خود را مشاہدہ کرد کہ معراج عبارت ازوست

کسوتے دیگر بپوشد جلوۂ دیگر کند
مظہر دیگر نماید بہر اظہار دگر

ربود

تعین اول
تعین ثانی
عالم غیب
عالم ارواح
روح اعظم یعنی روح القدس
روح اللہ یعنی جبرئیل امین
عالم مثال
عرش
کرسی
فلک زحل
فلک مشتری
فلک مریخ
فلک شمس
فلک زہرہ
فلک عطارد
فلک قمر
کرۂ نار
کرۂ ہوا
کرۂ آب
کرۂ خاک
معدن
نباتات
حیوان
انسان
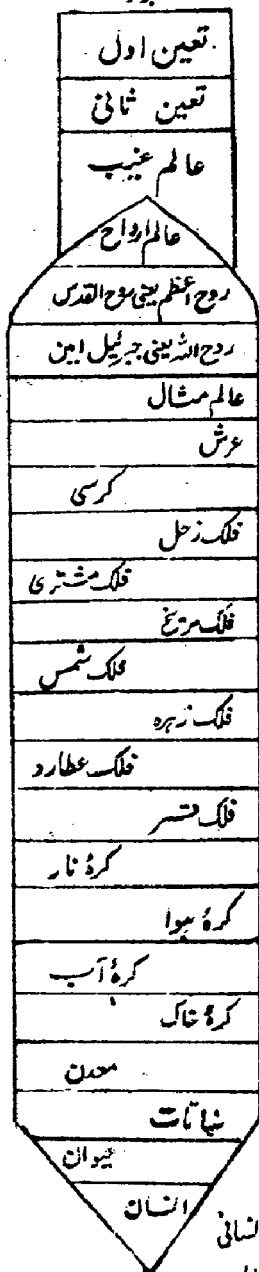
اگر خواہی کہ این مراتب درخت توجہ
وسیر تو باشند پس بدین شغل عروج و نزول
و مبدا و معاد اشتغال نماید کہ این است
وجود تعین اول و تعین ثانی۔ عالم غیب
عالم ارواح۔ روح الاعظم یعنی روح
القدس۔ روح اللہ یعنی جبرئیل امین۔
عالم مثال۔ عرش۔ کرسی۔ فلک زحل
فلک مشتری۔ فلک مریخ۔ فلک شمس
فلک زہرہ۔ فلک عطارد۔ فلک قمر
کرۂ نار۔ کرۂ ہوا۔ کرۂ آب۔ کرۂ
خاک۔ معدن۔ نبات۔ حیوان۔
انسان۔

دقیقہ۔ چنانچہ وجود مطلق
در اول مرتبۂ جمیع تعینات را شامل
است۔ انسان در آخر مرتبہ جمیع را حامل
کہ مرتبہ احدیت و حقیقت محمدی است

دقیقہ۔ وجود چون تنزل کند
اول خود را بلباس تعین اول و ثانی بیاراید*
چنانچہ تخم بلباس شاخ و شگوفہ و برگ و بن

*پس بلباس عالم غیب بیاراید پس بلباس حقیقت انسانی
در عالم ارواح بیاراید پس بلباس عالم مثال بلباس عالم
انسانی خود را بیاراید۔ چنانچہ الخ

خودرا بیاراید تا حدے کہ باز بہ تخمینت آید و چوں این تخم باصل خود رجوع کند می بیند کہ چندیں لباس مختلف ہمہ من گرفتہ ام فہم من فہم

دقیقہ۔ معرفت سہ نوع است۔ معرفت افعالی۔ معرفت صفاتی۔ معرفت ذاتی۔ و معرفت افعالی عبارت ازان است کہ ہر فعلے کہ در کائنات موجود است خواہ از انسان خواہ از غیر انسان بیند فعل حق داند۔ و معرفت صفاتی عبارت ازاں است کہ ہر صفت کہ در خود یابد یا در غیر خود صفت حق داند۔ اگر کسی گوید و سالک شنود گوینده را بہ صفت کلیم تصور کند و خود را بصفت سمیع۔ واگر چیزے بیند آنرا صفت ظاہر داند و خود را بصیر۔ واگر وہم و خطرہ (خیال) دل گذرد آنرا باطن تصور کند و خود را باری۔ واگر چیزی کسی را میدہد خود را معطی داند کند و اورا قابض تصور کند۔ واگر در دست خود کتابے چیزے دیگر گیرد و بکشاید خود را باسط و قابض تصور کند۔ واگر خواہد کہ کسے را منع کند خود را مانع و اورا ممنوع تصور کند۔ واگر خواہد کہ بردد چوں پائے بردارد اسم رافع تصور کند و چوں برزمین نہد خافض تصور کند و چوں چیزے بخورد خود را رزاق و شکم را مرزوق تصور کند۔ و چوں گرسنگی را دور کند خود را جبار تصور کند۔ و چوں بخسپد داند کہ تا این زماں باسم ظاہر حق خود را مشاہدہ میکرد۔ اکنوں میخواہد کہ باسم باطن خود را مشاہدہ کند۔ الی مالانہایہ۔

اگر چہ ایں اسرار گفتنی نیست اما از صاحب بصیرت منع کردنی ہم نے۔

و چوں بنویسد تصور کند کہ خالق از کتم عدم بر صفحۂ کاغذ حروف در وجود می آرد۔ ہماں سیاہی است کہ باین لباس مختلفہ پدید آمدہ و آنچہ ورائے این با

تجلی ذاتی و برقی گویند و آن کم باشد و اگر باشد نادر باشد۔

بود کلی جہاں در دستور　　　　کرد در کل ذات خویش ظہور

دقیقہ ۔ در انسان گویند روح و در عالم صفات حق گویند ۔ و در انسان گویند گوش ۔ آنجا گویند سمیع و در انسان گویند چشم و آنجا گویند بصیر در انسان گویند دماغ آنجا گویند قدیر ۔ در انسان گویند عقل آنجا گویند علم ۔ در انسان گویند دل ، آنجا گویند مرید ۔ پس انسان بدین تعینات آنجا رساند یا او از مراتب ظہور با انسان رسد ۔ اگر در حقیقت بنگری خود بخود می باز دو بنگرد ۔ نے نے خود بخود می بازد و باکہ بگرد ۔ رباعی

یار ما ہر ساعتے آید ببازار دگر　　　　تا بود حسن و جمالش را خریدارے دگر

کسوتے دیگر بپوشد جلوۂ دیگر کند　　　　مظہر دیگر نماید بہر اظہار دگر

ظہور کمالات حق و شہود تعینات بیغامبر نسلم محقق و مقرر باد ۔

آدمی چیست برزخ جامع　　　　صورت خلق و حق درو واقع

نسخۂ مجمل است مضمونش　　　　ذات حق و صفات بیچونش

کل درو عین اوست اندر کل　　　　عین کل ہمچو آب اندر گل

آب اندر گل است و گل در آب　　　　عین آب این دقیقہ را دریاب

من تصنیف جامع العلوم ظاہری و باطنی اکمل و لی مکمل قطب زمان غوث دوران حضرت شاہ عیسیٰ قادری شطاری قدس سرہ العزیز ۔ رباعیہ من تصنیف حضرت ایشان

رباعی

ہیچ میدانی تو خود را ہستی و یا نیستی　　　　خویش را بشناس و بنگر کیستی و چیستی

آنکہ میگوید کلیم است آنکہ می بیند بصیر　　　　وانکہ می شنود سمیع است پس بگو تو کیستی

تم تم تم تمت ــــــ تمام شد تم تم

شیخ الاولیاء کی ذات قدسی صفات مجمع الکمالات اور سرتاپا کرامات تھی، آپکی زندگی کے جس شعبہ پر نظر ڈالیں مابہ الامتیاز خوبیاں ہی خوبیاں دکھائی دیگی۔ علم و فضل کے اعتبار سے آپ علوم ظاہری و باطنی کے جملہ اصناف پر منتہیانہ عبور کامل رکھتے تھے۔ دینیات اور تصوف سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ علم حدیث و تفسیر کے سلسلہ میں آپکی تصانیف اپنا جواب آپ ہیں۔ شاعری کا زبردست ملکہ تھا عروض میں دستگاہ کامل رکھتے تھے مختلف اصناف نظم میں آپکا کلام آپ کی ہر ایک تصنیف میں موجود ہے اور تمام کا تمام تصوف میں ہے۔ صنعت معما پر جو نظم کی دقیق ترین صنعت ہے آپ کو معقول دسترس حاصل تھا۔ گذشتہ صفحات میں عین المعانی سے چند نمونے پیش کئے جا چکے ہیں۔

آپ کی فیض رسانیاں ہمہ گیر اور دوامی ثابت ہوئی ہیں۔ آپ کی زندگی میں بے حد و شمار طالبان حق نے آپکی تعلیم۔ آپ کے فیضانِ صحبت۔ آپکی دعاؤں۔ آپ کے نمونہ زندگی سے استفادہ کر کے ولایت، کرامت و قربِ الٰہی کے اعزاز پائے اور اپنے وقت میں فیض رسان خلائق ہوئے۔ آپ کے وصال کے بعد سے آج تک مزار فائز الانوار سے خاص و عام بلالحاظ مشرب و مسلک اپنی جائز تمناؤں میں فائز المرام ہوتے رہے ہیں۔

زیادہ عرصہ نہیں گذرا ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے خان بہادر سید دلاور حسین خان سپرنٹنڈنٹ پولس ہو بجھوط شیخ الاولیاء کے انتہائی عقیدت مند تھے۔ مرض الموت میں آپ کے قرب میں دفن کئے جانے کی وصیت کی اور حسب وصیت روضہ مبارک کے باہر جنوب مشرقی گوشہ میں دفن ہوئے۔ آپ نواب میر فضل علی خان صاحب کے

خویش ہیں، نواب صاحب برہانپور کے عمائدین میں ممتاز ترین شخصیت ہیں۔ نیز نواب صاحب کے اسلاف کا مخصوص قبرستان ان کی مملوکہ زمین پر اندرون شہر موجود ہے۔ لیکن مرحوم نے مسیح الاولیاء کے احاطے ہی کو ترجیح دی

میں نے وہ درخواست دیکھی ہے جو نواب صاحب موصوف الصدر نے موجودہ سجادہ نشین کو دی تھی۔ واضح الفاظ میں تحریر تھا کہ مرحوم نے اپنی عقیدت ونیاز کی بنا پر بجائے خاندانی قبرستان کے مسیح الاولیاء کے احاطہ میں دفن کرنے کی وصیت کی ہے براہ کرم اجازت دیجئے اور زمین قبر کی متعینہ قیمت ہو ظاہر کریں کہ پیش کر دی جائے۔ اور سجادہ صاحب کی طرف سے جواب ملا کہ مرحوم کے حسن اعتقاد کے پیش نظر دفن کرنے کی اجازت ہے اور زمین کی ہم کچھ قیمت نہیں چاہتے نذر تصور فرمائیں۔

آپکی تصنیفات کی فیض رسانی ظاہر ہے کہ جب تک وہ اہل استعداد کے مطالعہ میں رہیں اور رہینگی ان کی افادیت مسلم ہے۔

اسی طرح آپ کے خلفاء و اولاد و احفاد آپ کے پر تو علوم سے فیض یاب ہوکر اپنے وقت میں صاحب مقام۔ صاحب تصانیف و توالیف ہونے کے لحاظ سے فیض رسان عالم رہے ہیں۔ اس تذکرہ میں علحدہ طور پر بعض صاحب تصانیف خلفاء کا ذکر اور ان کی تصانیف کا حال حسب گنجائش بیان کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مسیح الاولیاء کا وصال ۱۴ ارشوال ۱۰۳۱ھ میں ہوا۔ آپ اپنے حجرۂ عبادت میں دفن کیے گئے۔ خانخانان عبدالرحیم خاں نے مزار مقدس پر شاندار گنبد تعمیر کرا دیا جو ہنوز زیارتگاہ خلائق ہے۔

بعد وصال آپ کی اولاد میں چار فرزند اور دو دختر پسماندگان میں پائے جاتے ہیں

فرزندوں کے نام۔ شیخ عبدالستار۔ شیخ فتح محمد۔ شیخ طٰہٰ۔ شیخ ہاشم

دختروں کے نام :۔ امۃ الرحمٰن۔ فاطمہ۔

حضرت مسیح الاولیاء کی اولاد و احفاد میں بھی آپ کے علم و عمل اور تعلیمات کے فیضان کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا ہے اور ہنوز جاری ہے ۔ یہ بزرگ زادے اپنے عہد کے علمائے متبحر، فاضل اجل، صوفی صفا کیش، صاحب کشف و حال، دینی، دنیاوی اور روحانی فضیلتوں کے مالک اور خاص و عام میں عظمت و شہرت کے درشہ دار رہے ہیں۔ فرزندوں میں حضرت بابا عبدالستار اور حضرت بابا فتح محمد کو خدمت خلق اور علمی کارگزاریوں کے باعث یہ منزلت حاصل ہے کہ ان کے حالات اور قابل فخر کارنامے متعدد تذکروں اور تاریخوں میں مذکور کئے ہیں۔ چنانچہ اس تذکرہ میں بھی ہر دو حضرات کے اذکار تحریر کئے گئے ہیں۔

دیگر دو فرزندوں حضرت شیخ ہاشم اور حضرت شیخ طٰہٰ قدس سرہما کے متعلق کوئی ایسی صراحت نہیں ملی جس سے ان حضرات کے حالات زندگی علمی استعداد، روحانی مشاغل، کاروباری مصروفیات وغیرہ پر روشنی ڈالی جا سکتی بجز ایک مختصر تحریر کے جو ۱۰۶۹ھ کے ایک مابہ النزاع محضر پر ثبت ہے اور یہ تحریر حضرت شیخ طٰہٰ قدس سرہٗ کی ہے اور اسی تحریر کی بنیاد پر تبرکاً ان کا ذکر بھی بالاختصار جداگانہ قلمبند کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ ہاشم کے متعلق اس کے سوا کچھ علم نہ ہو سکا کہ وہ حضرت مسیح الاولیاء کے فرزند تھے۔ اسی طرح مسیح الاولیاء کی ہر دو دختران کے متعلق بھی یہ تفصیل نہیں ملتی کہ وہ کہاں

منسوب تھیں اور کس کو کیا اولاد تھی۔ البتہ بابا فتح محمد محدث کی تصنیفات کے سلسلہ میں ایک رسالہ کا ذکر مطالعہ میں آیا تھا کہ آپ نے یہ رسالہ اپنے ہمشیرہ زادہ شیخ احمد بن سلیمان کے مطالعہ یا تعلیم کے لئے لکھا تھا۔ معلوم نہیں شیخ احمد مذکور کی والدہ کا کیا نام تھا یعنی کس محترمہ کے بطن سے تھے۔

مسیح الاولیا کی اولاد و احفاد کا شجرۂ منسلک کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق بعض ضروری اشارات کی طرف متوجہ کردیا جائے۔

حضرت بابا عبدالستار اور حضرت بابا فتح محمد محدث کی اولاد کا سلسلہ بارہویں صدی ہجری کے آخر اور تیرہویں صدی ہجری کے ربع اول تک ۔ اور احفاد کا سلسلہ دونوں شاخوں میں آج تک مربوط چلا آتا ہے۔ چنانچہ حضرت بابا عبدالستار کے احفاد میں آخری سجادہ مولوی سید عزیزالدین تھے جو کم وبیش دس سال ہوئے حیدرآباد دکن میں انتقال فرما گئے۔ سنا جاتا ہے مرحوم نے دو فرزند یادگار چھوڑے ہیں جو حیدرآباد دکن ہی میں سکونت پذیر ہیں۔ واللہ اعلم۔ ان کے مشاغل کیا ہیں اور کس عالم میں بسر کرتے ہیں۔ خدا کرے یہ بزرگ زادے اپنے اسلاف کی عظمتوں کے ورثہ دار و امین ہوں۔ تاہم درگاہ مسیح الاولیا کی تولیت اور سجادگی سے انھیں کوئی علاقہ نہیں رہ گیا ہے کہ یہ چیز مرحوم سید عزیزالدین نے حضرت سید حنیف علی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ برہان الدین راز الٰہی کو تفویض کردی تھی۔

حضرت بابا فتح محمد محدث رح کی اولاد نرینہ کا سلسلہ بھی سن ۱۲۳۰ھ سے کچھ قبل ختم ہوگیا ہے۔ آپ کے احفاد میں تولیت و سجادگی سنہ ۱۲۳۰ھ میں تفویض ہوئی

پہلے شخص جو اس منصب پر فائز ہوئے حافظ عبدالکریم تھے۔ ان کے فرزند کلاں محمد صاحب ذیشان اور بسم اللہ صاحب قادری بیگم کے نواسے تھے۔ اور قادری بیگم موصوفہ حضرت محمد عبداللہ خان عرف نواب لعل صاحب کی دختر تھیں۔ آپنے اپنے نواسوں کے ساتھ احتیاطاً چھوٹے صاحب کو بھی شریک رکھا تھا جن کا سلسلہ نسب سجادۂ سوم سے ملتا ہے جو نواب لعل صاحب کی وفات کے بعد متعلقہ ائمہ جات پر قابض ہو گئے تھے۔ تفویض تولیت کی باضابطہ کارروائی کو چھوٹے صاحب مذکور نے بمصداق جاناں دسن دیکھئے تو آدھا دیجئے بانٹ، بڑی خوشی سے منظور کر لیا چنانچہ اس بیان کی صداقت اس اقرار نامہ سے ملتی ہے جو انھوں نے حافظ بسم اللہ صاحب کو لکھ دیا تھا۔ ضروری حصہ کی نقل ملاحظہ ہو:۔

باعث تحریر این چند سطور آنکہ منکہ مسمی چھوٹے صاحب ولد غلام جند اللہ عرف میاں صاحب اقرار میکنم ونوشتہ میدہم بریں معنے انچہ کہ معاش حضرت شاہ عیسے قدس سرہ العزیز است تفصیل معاش موضع منگنور و پانڈی پرگنہ رادیر و ائمہ جات تعلقہ آسیر وغیرہ در ہمہ چیز ہا نصف حصۂ ما بگیریم و نصف حصہ بہ (محمد صاحب) و بسم اللہ صاحب نبیسۂ قادری بیگم بدہیم۔ و عرس و صندل حضرت موصوف من مقرو بسم اللہ صاحب مذکور ہر دو متفق شدہ سال بسال میکردہ باشیم الخ

این چند کلمہ بطریق اقرار نامہ نوشتہ دادہ شد کہ عندالحاجت بکار آید۔ تحریر فی التاریخ ہشتم ماہ ذیقعد ۱۲۷۴ھ ہجری۔

یہ اثاثہ [illegible] تحویل شدہ موجودہ سجادہ حضرت حکیم لاڈلے صاحب کے
کاغذات میں [illegible] ہے جو راقم الحروف نے مطالعہ کیا ہے (حافظ بسم اللہ صاحب
جن سے اس اقرار [illegible] خصوصی مخاطبت ہے۔ محمد صاحب ذیشان کے چھوٹے بھائی
ہیں یکجا سکونت کے باعث اس دور کی سادہ معاشرت کے باعث کسی کو اعتراض و
اختلافات نہ ہوا)

اس خاندان کے سجادگی سے [illegible] ہونے کے بعد ایک قابلِ ذکر مستحسن کوشش
یہ ہوئی ہے کہ محمد صاحب و بسم اللہ صاحب نے سندھ میں پتہ چلا کر وابستگانِ اخلاف
مسیح الاولیاء سے خط و کتابت کی اور یوں یہ سلسلہ قائم رہا جو محمد صاحب کے
وصال کے بعد اُن کے جانشین محمد نور صاحب کے عہد تک جاری رہا۔ راقم الحروف
ان مکاتیب کے مطالعہ سے برہانپور میں شرفیاب ہو چکا ہے۔ برہانپور سے جانے
والے خطوط کا تو علم نہیں، البتہ حیدرآباد سندھ سے جو جوابات یا جواب طلب
خطوط برہانپور آئے تھے متعدد دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس تذکرہ کی نگارش
کے موقع پر میں نے جناب حکیم لاڈلے صاحب سجادہ حال کو لکھا کہ ان خطوط کی نقل
یا اصل مجھے روانہ کردیں موصوف نے جواب دیا تھا کہ بوسیدہ کاغذ ہونے کی
وجہ سے انکا اکثر حصہ مخدوش حالت میں آ گیا ہے۔ اس پر بھی انھوں نے قابلِ خواندگی
حصہ کی نقول مرحمت فرمائیں جو پیشِ نظر ہیں۔

ایک فارسی خط جو خاصا طولانی تھا اور اس کا بہت سا اہم حصہ تلف ہو گیا ہے
خط کے جن ٹکڑوں کی نقل آئی ہے اُس میں بالصراحت نفس مضمون مربوط نہیں
ہوتا۔ راقم اور تاریخ کتابت بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن اسلوب نگارش

اور دیگر خطوں کے تعلق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکتوب سنہ ۱۳۱۱ھ کے قریب لکھا گیا ہوگا۔ نیز یہ محمد صاحب ذیشان سجادہ نشین کے خط کا جواب ہے۔ نیز اس میں متعدد سوالات بھی دریافت کئے گئے ہیں۔ خط کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :۔

هوالعلی العلیم

ہر دم دعاہا میکنم بر خاک می مالم جبیں
جمع کن با عزیزاں جامع المتفرقین

حضرات بابرکات صاحب الاشفاقات وتعظیمات ذوالمجد والمواہب سرتاج برادران امیدگاہ دورافتادگان رجوع الی اللہ الاحد مقرب بارگاہ صمد شیخ میاں محمد سلمہا اللہ تعالیٰ سجادنشین قطب الاقطاب جندالله خطاب جدنا شیخ جیلے پاتائی سندھی، ثم برہانپوری خلف الصدق شیخ قاسم سندھی بن شیخ یوسف قدس اللہ سرہم الاقدس۔

برآن جنابان مخفی نبوده باشد که مردم اہل سندھ معہ جملہ اولاد حضرت موصوف را از قدیم الایام اقتضائے خاطر مشتاق الوصال از آگہی یافتن مرقد مبارک حضرت جدنا مذکور واولاد نسل او که درین حمیدآوان در دیار ہندوستان بلدہ برہان پورکدام صاحب سجادہ از فضل عمیم رب الکریم عز وجل بہ شگون خیریت مامون خوہند یا بنده از معرفت شیخ فاضل صاحب دو خطوط یکے مرقومہ شیخ احمد صاحب برہانپوری دویم دستخط آنجنابان سرتاج برادران درین دیار سندھ عز ورود یافتند۔

دریں جملہ بآں صاحب روشن باد کہ خط اولین کہ شیخ احمد فاضل ارقام فرمودہ بود دران عبارت نوشتہ در دیہہ ڈھوری ہنگورہ سندھی بطرف حیدرآباد سندھ مشہور است و مزار شریف آنحضرت شاہ قاسم سندھی پدر حضرت شاہ عیسےٰ پاتلی و اولاد نسلی آنحضرت محلات اقوام در سندھ موضع قبتہ الاسلام قطب الاقطاب موصوف تامین مالوہ در سندھ معروف اند و از قدیم الایام اولادش پشت بہ پشت دریں سلسلہ سجادہ نشین تاحال در موضع پاتر مذکور مقرر اند کہ یکے ازاں خالو صاحب ام جامع العلوم واقف اسرار سبحانی حق آگاہ مخدوم فضل اللہ قدس سرہٗ خلف صدق او مولانا نظام الدین سجادہ نشین در عمر شصت سال حیات است و بعضے ازان از اولاد شیخ عیسےٰ علیہ الرحمۃ از موضع پاتر ادچیدہ در عہد امیران کلہوڑہ پائے سندھ در حویلی سیوستان بلدہ متبرکہ حضرت قلندر لعل شہباز سکونت ورزیدند کہ ازاں پشت بہ پشت سجادہ نشینی قطب ربانی واقف اسرار یزدانی مخدوم میاں محمد سلمہ اللہ تعالےٰ تاحال بعمر ہشتاد سالہ حیات است وارث جملہ کتب خانہا جدیہ جد علی التواتر از جد نا شیخ بہ ہانپوری موصوف تاحال نزد این سجادہ نشین است و کاتب الحروف در اشتیاق نیاز برادرزادۂ اوست

لہ حضرت شیخ قاسم رح کا مزار الیچپور برار میں ہے سندھ یاد کہیں ہوتا کسی عنوان درست نہیں۔

ومشہور است کہ جملہ اولاد شیخ عیسےٰ پاتری برہانپوری قدس سرہٗ کہ
صاحبان فیض ومشاہیر علما در سندھ گذشتند یکے از ان
قطب سبحانی مخدوم حسن قادری قدس سرہ گذشت
کہ باسم این حضرت نسبت است خط جد نا مخدوم
فتح محمد مصنف مفتاح الصلوٰۃ نبشتہ است کہ
تا حال موجود است وارث مولانا حامد گنج بخش پاتری علیہ الرحمۃ
ومولانا عمر ومولانا ....

ومولانا یوسف کہ ایں جملہ شرکاء وظیفہ اسلاف اولاد
درسندھ گذشتند کہ ورثا او بحکم بادشاہ اورنگ زیب

....

باسم شیخ عبدالواحد متقی ولد شیخ عبدالرحمن مذکور بمہر شاہی خود
مرقوم فرمودند کہ ایں جمیع کار واسنادات حکام اسلام ورسالات
کتب معتبر علی التواتر مثبت است رجا واثق کہ ہرگاہے کہ درجواب
باصواب آن جنابان رسد تادران حین مفصل احوال ذریات وغیرہ
مرقوم ساختہ بہر یاد خاطری وآگاہی آں جنابان ارسال خدمت
خواہد ساخت مگر درحال ایں دوسہ محاکات لااحوال آنحضرت
وجدنا علیہ الرحمۃ موصوف بردوقوف یافتن خود بہ جناب آن حضرات
می نویسد توقع کہ رحم بردور افتادگان مرعی داشتہ سربستہ احوال
مرقوم فرمایند ....

سوال اولین ما فقرا ہمیں است کہ حضرت عیسٰے در سلسلہ جدی
و فرزندان او فتح محمد آن جاباں بکدام صاحب مشہور اند و بکدام
صاحب پیر جدی می بودند و آں صاحب بکدام قوم و نسب مشہور اند
و بمخدوم فتح محمد بچند واسطہ میرسند۔
سوال دوم ۔ حضرت عیسٰے چند فرزند حقیقی دارد و در برہانپور
و در سندھ و مولود مبارک دریا تر است یا نہ
سوال سوم۔ فتح محمد محدث علیہ الرحمۃ بعضے اوقات در دیار
سندھ آمدہ یا نہ ۔ عرس او بکدام تاریخ مقرر است و سال
وفات او کدام است مفصل تحریر فرمائید ۔

خط ناتمام ہے باقی ٹکڑے باوجود تلاش کے نہیں ملے ۔ یہ ٹکڑے
بھی بدشواری مربوط کئے ہیں جہاں عبارت کٹ گئی ہے وہاں لکیر
کھینچ دی ہے۔

(مولانا مولوی) اختر محمد خان)

اس خط میں یہ امور قابلِ غور و تحقیق ہیں ۔
راقم مکتوب کے خالو مخدوم فضل اللہ تھے ان کا فرزند مولانا نظام الدین
سجادہ تحریر خط کے وقت ساٹھ سال کی عمر میں حیات تھا۔
مسیح الاولیاء کی اولاد سے بعض لوگ امیران کلہورا کے عہد میں سیوستان
میں متوطن ہو گئے تھے اور ان میں حضرت مخدوم میاں محمد سجادہ زندہ
تھے اور اسوقت ان کی عمر (۸۰) سال تھی اور ان کے پاس مسیح الاولیا اور انکے

اخلاف کی تصانیف یا کتب خانہ اُس وقت موجود تھا۔

حضرت مخدوم حسن قادری کے پاس حضرت مخدوم فتح محمد محدث کا کوئی خط محفوظ تھا۔

بادشاہ عالمگیر کے فرمان کے مطابق مولانا یوسف اور ان کے شرکاء کو اسلاف کے وظائف میں شرکت و وراثت حاصل تھی۔

ایک اور خط ہے جو ۱۹۰۱ء کو حیدرآباد سندھ سے لکھا گیا تھا۔ یہ خط عبدالمولا میاں محمد منور سجادہ صاحب کے نام ہے۔ راقم نے اسطرح ترقیمہ لکھا ہے

خاک راہ حبیب اللہ عفی عنہ سیوہانی۔ بمقام حیدرآباد سندھ۔
۷ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ   خط کے متن میں یہ عبارت قابل غور ہے۔

حضرت رہنمائے من نیکو روشن ہو کہ حیدرآباد سندھ میں اولاد حضرت علیہ الرحمۃ کا موجود نہیں ہے فقط بندہ کا قبلہ گاہ خاص مریدی خادمی کے سبب سے مثل وطن حیدرآباد سندھ آ گیا تھا کہ اس صورت پدری کے بندہ بھی اس شہر میں توقف کرتا ہے ......

اصل وطن مالوفہ جدی سیوہان شہر ضلع کراچی ....

کوئی عنایت نامہ مندرج فرماؤ تو ہمیشہ سیوہان شہر کراچی ضلع سندھ ملک میں باسم حضرت مخدوم رکن الدین عرف میاں اجر الدین سجادہ نشین قاضی شہر سیوہان کو ن تحریر فرمانا۔

اور گاہے شہر باتر ضلع کراچی اسٹیشن سیستان میں باسم

حضرت مخدوم محمد صالح صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت پیر مخدوم پیر حاجی ہدایت بخش خلق اللہ فضل اللہ صاحب مرقوم کر کے مرحمت فرمائیں گے۔

یہ سجادہ بندہ کے ماموں صاحب کا ہے اور اصلی وطن مالوفہ حضرت شاہ عیسیٰ علیہ الرحمۃ کی جائے ہے اور میاں اجر الدین برادرزادہ فقیر ہیں۔

اس خط میں قابل لحاظ امور یہ ہیں ۱۔ حیدرآباد سندھ میں مسیح الاولیاء کی اولاد میں کوئی نہیں ہے۔ (۲) میاں اجر الدین سجادہ صاحب راقم کے والد مرید خاص اور خادم تھے (غالباً اخلاف مسیح الاولیا میں سے کسی کے) ۳۔ میاں اجر الدین سجادہ صاحب راقم کے برادرزادہ تھے ۴۔ فضل اللہ صاحب کے سجادہ نشین محمد صالح صاحب راقم کے ماموں تھے۔ اور یہ مسند پاتر میں ہے

ایک اور اردو خط ہے یہ خط ۱۳۱۹ھ کا لکھا ہوا ہے محمد منور صاحب سجادہ کے نام ہے اور راقم وہی حبیب اللہ صاحب ہیں۔ اس خط میں انھوں نے خیریت طلبی اور مختلف افراد خاندان کے متعلق متعدد سوالات کئے ہیں۔

ایک اور اردو خط ہے۔ یہ ۱۳۲۲ھ کا لکھا ہوا ہے محمد منور صاحب سجادہ کے نام ہے۔ اس خط کے راقم بھی وہی حضرت حبیب اللہ سندھی ہیں۔ یہ خط محمد منور صاحب کے مکتوب کا جواب ہے۔ نیز اپنے کسی خط کے استفسارات

جواب در مخطوطہ میں تقاضا کیا ہے اور اسی خط میں ظاہر کیا ہے کہ میں نے بہ سلسلۂ
مسیح الاولیاء اور شیخ طاہر محدث اور مسیح الاولیاء کی اولاد و احفاد کا تفصیلی شجرہ بذریعہ
ڈاک سے روانہ کیا ہے ۔ اور لکھا ہے کہ

حضرت مولانا شاہ فتح محمد محدث کی اولاد کا زیادہ مفصل احوال نہیں
سنتے ہیں ۔ راقم بندہ نے ایک رسالہ حال حضرت مسیح الاولیا
درست مفصل حال اولاد قریب و بعید کا مندرج کیا ہے ۔ اسی
سلسلہ میں یہ ذکر بھی ہے کہ

تمام اضلاع و دیار بہاولپور میں نوشادر سرخ کے لئے تلاش فرمانا
کہاں دستیاب ہو مطلع فرمانا ۔

ترقیمہ یہ ہے — رقیمۂ نیاز خاک نشین متوطن جدنا مسیح الاولیا
سندھی یعنی فقیر زادہ حبیب اللہ سندھی از حیدرآباد سندھ امیر شاہی
۷، ربیع الاول ۱۳۲۲ھ ۔

آخری چیز ان نقول میں ایک شجرہ ہے جو حضرت مخدوم یوسف سندھی
سے شروع ہو کر مسیح الاولیاء کی اولاد کی مختلف شاخوں میں ختم ہے جن کے
سلسلے گجرات ، یمن ، مکہ مکرمہ ، ہالا سندھ ، سیہوان سندھ اور خاندیس
(برہانپور) دکن تک وسیع ہیں لیکن کسی بھی شاخ میں چھ سات یا دس
ناموں سے زیادہ نام نہیں ہیں ۔ حالانکہ حبیب اللہ صاحب کے مکتوب
میں طومار یا چادر شجرہ روانہ کرنے کا ذکر ہے ۔

اس کے علاوہ ہر شاخ میں ناموں کی ترتیب بھی صحیح نہیں ہے۔ نیز بعض مشاہیر کے نام کے ساتھ جو معلومات مندرج ہیں ان میں بعض تو بالکل خلاف واقعہ ہیں۔ معلوم نہیں اس اہم دستاویز میں ایسی فروگذاشتیں کیوں واقع ہوئیں مثلاً

شیخ طاہر کے متعلق تحریر ہے کہ وہ مسیح الاولیا کے چچا ہیں۔ مخدوم دوراں میراں محدث بنگالی سے تربیت پائی ؟ گجرات میں شیخ علی متقی کے مرید ہوئے اور پٹن گجرات کو وطن بنایا۔ بواہر قوم کو ہدایت پر لایا۔ بواہر کی قوم میں شہید ہو گیا۔ (یہ شیخ طاہر پٹنی سے متعلق ہے) بواہر قوم کا مرشد ہوا اور انھیں کے قبرستان میں دفن ہے (یہ صحیح نہیں ہے) حضرت کا وصال ۹۹۱ھ میں ہوا (۹۸۶ھ صحیح ہے۔) فتح محمد محدث کی کتاب فتوح الاوراد سے ان کی پوری تحقیق معلوم ہو گی (ایسا بھی نہیں ہے فتوح الاوراد میں جگہ جگہ شیخ طاہر سندھی اور ان کی تفسیر مجمع البحار کے حوالے ہیں)

مولانا عبدالقادر مفتی مکہ کو مسیح الاولیا کا فرزند ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن ان کا سنہ وصال ۱۱۳۸ھ ہے جو مسیح الاولیا کے وصال کے (۱۴۱) سال کا تفاوت رکھتا ہے۔

مخدوم شیخ عبدالواحد مفتی یا تر ۱۱۰۲ھ میں منصب افتا پر فائز ہوئے عالمگیر نے انھیں جاگیریں انعام میں دیں لیکن ان کو مسیح الاولیا کی پانچویں پشت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اور انھیں مفتی صاحب کے فرزند مخدوم محمد حسن سیوہانی کے نسبت لکھتے ہیں کہ آپ اجل علما و فضلا سندھ تھے۔ روسار سندھ نے

آپ کو اراضیات کے محصول کی رعایت دی ہوئی تھی مگر ان کی تاریخ رحلت ۱۲۲۴ھ درج ہے جو والد کی تاریخ منصب سے ۱۵۲ سال بعد واقع ہوتا ہے نیز ان کا سلسلۂ نسب اسطرح درج ہے۔

مخدوم محمد حسن سیوہانی بن مخدوم شیخ عبدالواحد مفتی پاتر بن شیخ عبداللہ ابن شیخ محمود بن شاہ عیسیٰ بن شاہ مخدوم حسن قادری بن شاہ عیسیٰ حبیب اللہ ابن شاہ قاسم علیہ الرحمۃ بن مخدوم یوسف سندھی۔

شجرۂ مذکورہ میں ان افسوسناک فروگذاشتوں کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ راقم خطوط و شجرہ شیخ حبیب اللہ صاحب یا ان کے اسلاف سے قدیم شجرہ گم ہو گیا ہو گا اور انھوں نے برہانپور و دکن کے سجادوں سے ربط قائم کر کے یہ چیز طلب کی ہو گی۔ اسی طرح اور مقامات کا بھی تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس ذوقِ جستجو اور اشتیاق کی تڑپ سے اُنھوں نے نہ معلوم کہاں کہاں خطوط بھیجے اور کس نے انھیں کیا لکھ دیا۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالستار کے اخلاف کا سلسلہ یقیناً انھیں سید جنید علی صاحب سجادہ نشین حضرت برہان الدین راز الٰہی کا مرسلہ ملا ہے مگر اس میں بھی شیخ عبدالستار کے فرزند شیخ ابوالقاسم سرمست کا نام نہیں ہے نیز اس سلسلہ کو گجرات سے منسوب ظاہر کیا گیا ہے۔ مذکورہ نام کی کمی کے بعد بقیہ تمام نام معہ فٹ نوٹ کے قطعاً اس ترتیب کے مطابق ہیں جو مجھے سجادہ صاحب مغفور کے جانشین حضرت سید ریاض الدین صاحب نے نوٹ کرائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یقیناً کا لفظ استعمال کیا۔

میں نے جو شجرۂ نسب منسلک کیا ہے اس کے متعلق میں مصدقہ تحریری

شہادتوں سے اطمینان کرچکا ہوں۔ یہ تحریری صداقتیں تمام و کمال بجنسہ حضرت
سجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ برہان الدین رازالہی قدس سرہ کے ذخیرۂ اسناد
میں مطالعہ کرچکا ہوں اور ان میں سے بعض متعلقہ اسناد کے ضروری حصول
کی نقول میرے پاس بھی موجود ہیں، نیز موجودہ سجادہ نشین حکیم لاڈلے صاحب کے
قدیم کاغذات سے بھی مطابقت و تصدیق پائی جاتی ہے۔

شجرہ سے ظاہر ہے کہ حضرت بابا فتح محمد کی اولاد نرینہ میں سلسلۂ تولیت و
سجادگی علی التواتر نواب لعل صاحب سجادۂ ششم تک قائم رہا۔ نواب لعل صاحب
کے وصال کے بعد ان کی دختر قادری بیگم تھیں جو وارث املاک و تولیت ہوئی
تھیں اور کاروبار تقریبات عرس و صندل وغیرہ ان کے شوہر ڈھولن صاحب
انجام دیتے تھے۔ ان کا ایک فرزند غلام یسین اور ایک لڑکی بخشی بیگم تھیں جو حافظ
عبدالکریم صاحب کو بیاہی گئی تھیں۔ غلام یسین کا سن شعور سے قبل انتقال
ہوگیا۔ ڈھولن صاحب بھی فوت ہوگئے۔ قادری بیگم نے اپنے داماد حافظ
عبدالکریم کو سجادگی تفویض کی اور وہ سجادۂ ہشتم مقرر ہوئے۔ اس تولیت
نامہ پر سرکاری و شرعی توثیق کے مطابق عمل ہوا اور اسطرح تولیت و سجادگی
اخفاد میں منتقل ہوئی۔ حافظ عبدالکریم کے دو فرزند تھے۔ حافظ بسم اللہ اور
اور محمد صاحب ذیشان۔ محمد صاحب عالم، شاعر، فقیہہ تھے۔ برہانپور کی
مسندِ قضا کی نیابت آپ سے متعلق تھی۔ والد کی وفات کے بعد تولیت
و سجادگی آپ سے متعلق رہی۔ آپ راقم الحروف کے نانا تھے۔ دونوں
بھائی علم و فضل، اخلاق و اطوار کے اعتبار سے عمائدین شہر میں معزز

و محترم تسلیم کئے جاتے تھے۔ نیز یک جہتی، صلہ رحم، اتحاد و خلوص میں نظیر نہ رکھتے
تھے۔ خدا نے دونوں کو نیک اور نامور وافر اولاد عطا فرمائی تھی۔ بسم اللہ صاحب
سجادہ تو نہ تھے لیکن مسیح الاولیا کے علمی فیض، حفظ قرآن مجید کی وراثت سے آپ
اور آپ کے اخلاف آج تک بہرہ مند ہیں۔ ضروری تفصیل آگے آتی ہے۔

محمد صاحب ذی شان کے تین فرزند تھے۔ عبد المولا محمد منور صاحب
سجادہ دہم۔ نیابت قضا بھی والد کے بعد آپ سے متعلق تھی۔ آپ راقم الحروف
کے حقیقی ماموں اور خسر بھی تھے۔ عرس کے موقع کا جو فوٹو منسلک ہے سفید ریش
سفید لباس میں آپ دروازہ کے پاس استادہ ہیں۔ دوسرے فرزند محمود
صاحب تھے، جو شہر برہانپور میں داروغۂ صفائی کے عہدے پر مامور تھے۔
تیسرے فرزند محمد رحمت صاحب تھے جو علاقہ سازی کا پیشہ رکھتے تھے۔ اور
کاروباری سلسلہ میں ایولہ ضلع ناسک میں مقیم تھے۔ کثیر الاولاد تھے ۱۳۳۳ھ
میں وفات پائی۔ چار فرزند یادگار ہیں جو اسلاف کی روش پر قائم ہیں دنیاوی
ثروت و عزت سے بھی مالا مال ہیں۔ ان کے بڑے فرزند غلام احمد صاحب
ہیں جن کا ایک فرزند مغربی علوم کا فاضل اور خاندیس کے محکمۂ تعلیم میں انسپکٹر
مدارس ہے۔

حافظ بسم اللہ صاحب مرحوم کے چاروں فرزندوں میں ایک حکیم
لاڈلے صاحب ہیں جو اس وقت سجادہ نشین ہیں۔ آپ کا پیشہ طبابت رہے۔
اور اپنے کاروبار کے سلسلہ میں اکولہ برار میں سکونت رکھتے ہیں۔ مسیح الاولیا
کی خدمت اور ان کے نام کی برکت سے آپ کو طبابت میں دست فیض حاصل ہے۔

اور اسی فیضِ روحانی کا کرشمہ ہے کہ اس مسلم آزار دور میں بھی آپ کو طبقۂ ہنود میں قبولِ عام حاصل ہے۔ تصویر میں آپ دروازے کے پاس استادہ ہیں۔ حافظ بسم اللہ صاحب کے دوسرے فرزند حسن صاحب اور تیسرے فرزند میاں صاحب تھے۔ ہر دو لاولد فوت ہوئے۔ چوتھے فرزند حضرت حافظ احمد صاحب تھے آپ کا انتقال ۱۳۳۲ھ میں ہوا۔ آپ کے ایک فرزند محمد محسن صاحب ہیں جو سجادہ صاحب کی غیر موجودگی میں درگاہ شریف کی نگرانی، گل پوشی، روزانہ روشنی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں تصویر میں آپ سجادہ صاحب کے داہنے ہاتھ کی طرف چھٹے نمبر پر سیاہ شیروانی میں ملبوس استادہ ہیں۔ حافظ احمد صاحب کے دوسرے فرزند غلام محمد عرف نواب صاحب حافظ قرآن تھے ۱۳۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ تیسرے فرزند جناب حافظ بخش صاحب ہیں۔ شہر میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے دو فرزند ہیں اور دونوں حافظ قرآن ہیں ان کے نام ہیں حافظ بسم اللہ صاحب اور حافظ منجھلے صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ۔

منسلکہ فوٹو اٹھارہ یا بیس سال قبل کا ہے۔ اور اس لحاظ سے فی الوقت یہ ایک یادگار مرقع کی حیثیت رکھتا ہے کہ سجادہ سابق محمد منور مغفور اور سجادہ حال حکیم لاڈلے صاحب کے علاوہ اس وقت کے متعدد مشائخ و عمائدینِ شہر موجود ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر انتقال فرما گئے ہیں۔ یہ بھی مسیح الاولیا کے تذکرِ خیر کا اعجازِ مسیحائی ہے کہ مرقعہ کی اشاعت سے ان مرحوموں کو عرصہ دراز تک روشناسِ عالم رہنے کا موقعہ مل گیا اور وہ اپنی پوری شکل و ملبود کے ساتھ کتاب کی موجودگی تک تو بہرحال قائم و برقرار رہیں گے۔

شجرۂ نسب کے علاوہ ایک جداگانہ شجرہ مسیح الاولیاء کے خلفاء کا بھی منسلک ہے۔ اگرچہ یہ کام آسان نہیں ہے کیونکہ حضرت مسیح الاولیاء کے خلفاء کی اول تو تعداد ہی کثیر ہے۔ پھر ان میں اکثر خلفاء ایسے بھی ہیں جن کے بکثرت مرید اور متعدد خلفاء ہیں اور پھر ان خلفا کے مرید و خلفا۔ اس طرح یہ سلسلہ شاخ در شاخ بڑھ کر اس قدر وسیع ہوتا چلا گیا ہے کہ جس کا تمام و کمال احاطہ کرنا کم از کم میرے تو بس کی بات نہیں ہے البتہ مجملاً و مختصراً کچھ نہ کچھ اس نیک مقصد سے پیش کرنے کی کوشش کروں گا کہ اس سعادت سے یکسر محرومی نہ ہو۔

ترتیب و تدوین کے اعتبار سے مسیح الاولیا کے اخلاف کے اذکار کے بعد چند خلفاء کے جو کچھ حالات بہم پہنچ سکے جداگانہ اور جن بزرگوں کے حالات زیادہ شرح و بسط سے نہ مل سکے انکا تعارف معہ مختصر حال بصورت فہرست پیش کیا گیا ہے۔

عرس حضرت مسیح الاولیا ۱۳ اور ۱۴ شوال کو نہایت سادگی سے ہوتا ہے۔ صندل کا جلوس بعد دوپہر حافظ بخت صاحب کے مکان پر ترتیب دیا جاتا ہے۔ اہلِ ذوق، عمائدین شہر، صوفیائے کرام و مشائخ عظام کا اجتماع اور بصد خلوص و نیاز خواص و عوام حاضر ہوتے ہیں۔ صندل، گلاب و عطریات کے ظروف، پھولوں کی چادریں ایک آراستہ پالکی میں سے کر مودب درود خوان روانہ ہوتے ہیں، صندل کی پالکی ویسے تو مخصوص پالکی بردار اٹھاتے ہیں، لیکن بطور اظہار نیاز مشائخ و عمائدین بھی کاندھا دینے کی

سعادت کا شرف حاصل کرتے جاتے ہیں۔ جلوس کی حد تک بینڈ ضرور ہوتا ہے
جو قوالی کی دھن میں دلکش نغمے بجاتا ہوا گذرتا ہے اور حسب دستور قدیم چوک بازار ہوکر
قریب نماز عصر احاطۂ درگاہ مقدس تک پہنچتا ہے۔ نمازِ عصر سے فارغ ہوکر
حاضرین بابا عبدالستار کے مزارِ اقدس کے متصل صف بستہ ہو جاتے ہیں۔ اب
ظروف صندل وغیرہ سجادہ صاحب و دیگر افراد خاندان بکمال ادب سروں پر اٹھائے
ہوتے ہیں اور نعت خوانی شروع ہوتی ہے۔ ایک دو قصائد یہاں استادہ ہوکر میلاد خوان
پڑھتے ہیں۔ پھر اسی طرح نعت خوانی کے ساتھ مرتب جلوس آہستہ آہستہ ایک ایک قدم
آگے بڑھتا ہے۔ اگرچہ چند ہی قدم کا فاصلہ ہے لیکن قریب مغرب درگاہ میں روضۂ
اقدس کے دروازے تک پہنچتے ہیں۔ مزار مقدس کو جو خام ہے۔ یعنی تربت کا
تعویذ سنگی یا چونہ گچ کا پختہ نہیں ہے۔ گلاب و عطر سے معطر کیا جاتا ہے۔ پھر
صندل آلود کرکے غلاف پوش کر دیا جاتا ہے اور پھولوں کی چادریں چڑھاکر فاتحہ
خوانی ہوتی ہے۔ بعد نماز مغرب کچھ دیر اور میلاد خوانی ہوتی ہے اور حاضرین میں
تبرک تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ بعد نماز عشا مجلس میلاد منعقد ہوتی ہے۔ اس مجلس میں
شہر کی متعدد میلاد خواں جماعتیں شریک ہوتی ہیں۔ اہلِ ذوق سامعین
بھی بکثرت حاضر ہوتے ہیں۔ رات کے دو بجے تک تو عموماً مجلس جاری رہتی ہے۔ کبھی
جماعتوں کی کثرت ہوتی ہے تو نماز صبح تک نعت خوانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔
ایک خصوصیت اس مجلس کی یہ ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی جماعت سید حسن غزنوی کا
یہ عربی قصیدہ ضرور پڑھتی ہے۔

سلموا یقوم بل صلوا علی صدر الامین　　　مصطفیٰ ماجاء الا رحمۃ للعالمین

ہر چند کہ فی زمانہ عربی قصائد کو سمجھنے والے مفقود ہیں۔ لیکن طرز کی دلکشی کچھ ایسی مرغوب ہوتی ہے کہ خاص و عام بے اختیار جھومنے لگتے ہیں حضرت سید ریاض الدین مغفور فرماتے تھے کہ یہ قصیدہ حضرت مسیح الاولیا کو بہت پسند تھا اپنے مرشد کے عرس کے موقعہ پر عبدالرحیم میلاد خواں سے پڑھواتے اور ایک ایک شعر کی لذت سے تواجد اور استغراق کی حالت میں آجاتے تھے۔

دوسرے دن عرس میں بھی مجلس میلاد خاص اہتمام سے ہوتی ہے۔ تمام دن زائرین پھولوں کی چادریں اور تبرک لے کر آتے اور کچھ قرانِ مجید کی تلاوت کرتے اور فاتحہ پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ شام تک جاری رہتا ہے۔ بعض وقت عرس کی شب مجلس میلاد کے علاوہ مجلس وعظ بھی منعقد ہوتی ہے۔ اور یہ رات بھی نعت و منقبت وعظ اور آپ کے ذکر خیر کے لئے مخصوص ہے۔ رقص و سرود و غیر شرعی حرکات یہاں قطعاً نہیں ہوتیں اور کبھی نہیں ہوئیں۔ ۱۵ شوال کو بعد نماز صبح قرآن خوانی ہوتی ہے اس مجلس میں بھی عمائدین شہر دیگر مسندوں کے سجادے و مشائخ شریک ہوتے ہیں۔ چاشت کے وقت تک کئی مرتبہ قرآن مجید ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت بعد فاتحہ حاضرین کو طعام تبرک پیش کیا جاتا ہے اور یہ تقریب ختم ہو جاتی ہے۔

چند سال سے میں نے عرس کی شب آپ کی منقبت میں طرحی مشاعرہ کا سلسلہ شروع کیا تھا جو نہایت کامیابی سے جاری رہا۔ میں دس سال ہوئے برہان پور چھوڑ چکا ہوں۔ اس اثناء میں مشاعرہ کا نظام درہم برہم ہو گیا ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں موسم کے تغیر سے شوال بارش کے دنوں میں واقع ہو رہا ہے اور

اتفاق سے عرس والے ہفتہ میں شدید بارش ہوتی رہی ہے -

سفر در سفر کی افراتفری کے باوجود بے سرو سامانی کے عالم میں بھی مسلسل پانچ سال کے طرحی مشاعروں کی منقبتیں تو اب بھی میرے پاس موجود ہیں مگر میں انھیں تمام و کمال درج کرنے سے اسلئے محترز ہوں کہ اول تو تطویل کا اندیشہ ہے - دوسرے خواہ اپنا کلام درج کرنا خود نمائی متصور ہو سکتی ہے - البتہ ایک مختصر نظم حاضر کر رہا ہوں کہ یہ نظم مجھ پر گذرے ہوئے ایک واقعہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے بعد ہی سے تو میں نے اس مشاعرہ کو کامیاب بنانے کے سلئے سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا اور اپنی موجودگی تک کامیاب بھی رہا -

مشاعرہ طرحی ہوا کرتا تھا، اسلئے شعراء کو مصرعۂ طرح عید کے دوسرے دن تقسیم کر دیا جاتا تھا - ایک سال میں رمضان المبارک ہی میں سخت علیل ہو گیا مرض نے طول کھینچا، گو میں عید کے دن بھی صحت مند نہ تھا - اسی عالم میں دوسرے دن شعرا کو دعوت نامے بھیجنے کا انتظام کیا - عرس کی تاریخیں قریب آگئیں مگر میری حالت نہ سنبھلی ۱۳ شوال کو صندل شریف کا جلوس آنے کی خبر سنی جس کا راستہ میرے دروازے کے سامنے واقع ہے - جیسے ہی جلوس سامنے آیا میں ایک چادر اوڑھ کر باہر نکل آیا کہ چند قدم جلوس میں شرکت کی سعادت حاصل کر لوں - چنانچہ جلوس کے ساتھ چلنے لگا - یا تو مجھے چند قدم چلنا دوبھر تھا یا بے تکان روضۂ اقدس تک جا پہنچا - آستانۂ مبارک سامنے آتے ہی ارتجالاً حسب ذیل اشعار موزوں ہو گئے - نیز آپ کی مسیحائی کی برکت سے علالت کا ضعف قطعاً جاتا رہا اور میں نے حسب معمول عرس اور

سہیلہ کی تقریبوں میں شرکت کی ۔ وہ اشعار یہ ہیں :-

جبیں سائی میسر آئے اس در پر تو کیا کہیے ‏ ‏ ‏ خوش اقبالی سمجھئے خوبیٔ بختِ رسا کہیے

یہاں کی خاک کو بیماریٔ غم کی دوا کہیے ‏ ‏ ‏ مزارِ عیسیٔ دوراں نہیں دار الشفا کہیے

جو پوچھا میں نے رضواں سے کہ اس روضہ کو کیا کہیے ‏ ‏ ‏ کہا باغِ ارم کہیے بہشتِ دلکشا کہیے

تقاضائے خرد ہے ذکر ہو اوصاف عیسیٰ کا ‏ ‏ ‏ زبانِ نطق کو حیرت سے سکتہ ہو گیا کہیے

دلوں کو جس نے حسنِ خلق سے زندہ کیا اسکو ‏ ‏ ‏ امام الاتقیا کہیے مسیح الاولیا کہیے

ہنوز اس آستانِ محترم سے فیض جاری ہے ‏ ‏ ‏ وہ فیضِ عام جسکو چشمۂ لطفِ خدا کہیے

یہاں جب بے طلب ہر مدعا ملتا ہے اے رشدؔ
برابر ہے زباں سے کچھ نہ کہیے آپ یا کہیے

حضرت شیخ عبدالستار ابن حضرت مسیح الاولیا قدس سرہٗ

آپ حضرت مسیح الاولیا کے اولین فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت سے متعلق مولانا اسمٰعیل فرحیؔ نے مسیح الاولیا کی یہ روایت درج کی ہے۔ مسیح الاولیا نے فرمایا کہ ایک شب بحالت معاملہ مجھے مشاہدہ ہوا کہ آقائے نامدار رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی جانب سے مشرق کی طرف تشریف لیجا رہے ہیں، لوگوں کا ہجوم ہمراہ ہے۔ میں بھی ہجوم میں شریک ہوں اور آنحضرت صلعم سے زیادہ قریب ہوں، مجھے مُہر نبوت کی زیارت ہوئی۔ غور سے دیکھا یہی سمجھ میں آیا کہ اس مہر مبارک میں بالوں اور مسّوں کی کثرت ہے۔ میں دیکھ ہی رہا تھا کہ اس میں سے مسّہ کا ایک دانہ گرنے لگا۔ میں نے اسکو اٹھا کر منہ میں ڈالا اور نگل لیا۔ جب میں بیدار ہوا بے ساختہ میرے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ مسّہ کا یہ دانہ یقیناً فرزند کی بشارت ہے جو اللہ تعالےٰ مجھے عنایت فرمائیگا۔ کچھ عرصہ بعد بابا عبدالستار پیدا ہوئے جو واقعۂ خواب کے زمانہ میں بطن مادر میں تھے۔

فرحیؔ کے الفاظ یہ ہیں۔

میفرمودند کہ شبے درمعاملہ دیدم کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم از جانب مغرب بطرف مشرق تشریف می برند مردم بسیار درخدمت آنسرور اند و فقیر از ہمہ نزدیک تراست، درین اثنا

نظرمن برمُہرِ نبوت افتاد۔ ونقش آں مُہر موبہا ذ سہا ہچو دانہ دانہ
بود، ناگاہ یک دانہ مسہ مدافتاد، من او ساگرفتہ در دہن انداختم
وفرو بردم، چون بیدار شدم در خاطرم وارد گشت کہ مراد ازین دانہ
مسہ فرزندے باشد کہ حق تعالیٰ مرا عنایت کند۔ بعد از یک چند
بابا عبدالستار کہ در آن وقت در شکم مادر بود متولد شد۔

(کشف الحقائق قلمی صفحہ ۱۴)

افسوس کہ فرحی نے اس تقریب کی تاریخ درج نہیں کی تاہم واقعات
کے تطابق سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غالباً یہ ولادت باسعادت ۹۸۳ھ میں
واقع ہوئی ہوگی جبکہ مسیح الاولیا کا آغازِ شباب کا زمانہ تھا اور آپ مرید نہیں ہوئے
تھے بلکہ پیر کی جستجو میں سفر بھی نہیں کیا تھا جو ۹۹۵ھ میں واقع ہوا تھا۔

مولودِ مسعود کی ابتدائی تعلیم حسبِ معمول حضرت ملا احمد کے پاس شروع
ہوئی اور مجوزہ نصاب ختم کر کے حضرت شیخ طاہر رح کے درس میں حدیث و تفسیر
کی تعلیم حاصل کی ۱۰۰۴ھ میں ان کا وصال ہو گیا تو مسیح الاولیا نے ہونہار فرزند
کی تعلیم اپنے ذمے لی۔ اُسوقت منجملہ دیگر مشائخ زادوں کے شاہ باجن رح کے
پوتے شیخ فرید بھی آپ کے درس میں شریک تھے۔ غوثی لکھتے ہیں کہ:۔

"مسیح الاولیا اپنے بڑے بیٹے عبدالستار اور شیخ فرید کی تعلیم و تربیت
یکساں فرماتے ہیں۔"

نحو کی تعلیم کے سلسلہ میں آپ نے شیخ عبدالستار کے لیئے مولانا جامی کی
شرح ضیائیہ پر نہایت مفید حاشیہ لکھا اور علمِ نحو میں دسترس کامل عطا

عطا کردی۔ تصوف کی وقیع و معرکۃ الآرا کتب بھی اپنی نگرانی میں درس حاصل کرائیں اور اعمال و مجاہدات پر کاربند کرایا۔ جب ابتداءً آپکو چلہ نشینی کا حکم دیا تو اس خیال سے کہ اعمالِ جلالی کے اذکار میں فروگزاشت یا لغزش خطرناک ہوتی ہے میسح الاولیاء خود روزانہ آخر شب آپکے حجرے میں تشریف لاتے رہے۔ فرحی نے اس واقعہ سے متعلق کشف الحقائق میں طویل عبارت لکھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے:۔

یہ ہے کہ:۔

حضرت میسح الاولیاء نے مجھے بابا عبدالستار اور چند طالب علموں کو چلہ میں بٹھایا۔ میرے وظائف میں حضرت شیخ عبداللہ صوفی کا رسالہ اوراد صوفیہ تھا۔ جس کا ایک مرموز مقام مجھ سے حل نہ ہوا تو میں بابا عبدالستار کے پاس گیا اور ان سے حل کرنا چاہا تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اس پر عبور نہیں ہے۔ حضرت قبلہ آخر شب ہر روز تشریف لاتے ہیں ان سے دریافت کر کے بتاؤنگا۔ چنانچہ دوسرے دن فرحی کو جواب باصواب مل گیا (ترجمہ از کشف الحقائق ص۵)

۱۰۰۹ھ میں برہانپور میں انقلاب سلطنت کا سانحہ پیش آیا۔ فاروقی بادشاہ بہادر شاہ کی بدقسمتی سے دوسو برس تک نہایت عظمت وطنطنہ کے ساتھ شہرت پذیر سلطنت درہم و برہم ہوگئی قلعہ اسیر و برہانپور کے فلک فرسا برجوں پر فاروقی پرچم کے بجائے اکبری علم لہرانے لگا۔ انقلابِ سلطنت معمولی بات نہیں ہوتی پھر اکبر جیسا ضدی و توہم پرست بادشاہ اس بات پر اور بھی جھنجلایا ہوا تھا کہ ہندوستان کے اکثر بیشتر مضبوط و مستحکم محاذ تو خادمان درگاہ یا شہزادوں نے تھوڑے عرصہ میں بآسانی مسخر کر لئے لیکن معمولی سی فاروقی سلطنت کو مسخر کرنے

پورے ہندوستان کی فوجی طاقت کے ساتھ خود بہ نفس نفیس موجود رہ کر بھی گیارہ
ماہ کے طولانی محاصرے۔ مکر و فریب اور رشوتوں کی پیشکش بھی بیکار ثابت ہوتی
رہی ہے۔ ضعیف الاعتقادی سے یہ بات اُس کے دل میں جم گئی کہ یہاں کے
مشائخ اور صوفیائے عظام فاروقی بادشاہ کے لئے وظیفے پڑھتے ہیں۔ اس لئے
فتح نہیں ہوتی۔ چنانچہ ملک پر تسلط ہوتے ہی برہانپور کو تاراج کرنے کے
علاوہ مقبولِ انام مشاہیر صوفیا و مشائخ کو چن چن کر اپنے ہمراہ آگرہ
لے گیا۔

مسیح الاولیا بھی اس افتاد سے دوچار ہوئے۔ آپکی غیر موجودگی میں شیخ
عبدالستار ہی کو خانماں کے کاروبار سنبھالنے پڑے اور امن و سکون ہونے
کے بعد مسیح الاولیا کی واپسی تک آپ نے خانقاہ اور مدرسہ کا انتظام درس
و فقراء کی سرپرستی کو بوجہ احسن انجام دیا۔

آگرہ سے واپسی کے بعد مسیح الاولیا نے آپ کو مزید عارفانہ رموز و اسرار
سے بہرہ ور فرمایا اور مریدین و طالبانِ حق کی تعلیم میں آپ سے مدد لینے لگے
چنانچہ مرید عورتوں کی دامنی لکھنے کا کام عموماً شیخ عبدالستار ہی انجام دیتے
تھے۔ الغرض حضرت مسیح الاولیا کی زندگی ہی میں آپ جملہ علوم ظاہری و باطنی
نیز اخلاق و اطوار میں اپنے والد محترم کے نقش ثانی ہو چکے تھے۔ حضرت
کے وصال کے بعد سجادہ نشینی آپ کو تفویض ہوئی اور آپنے مسیح الاولیاء کی
جانشینی کے فرائض بوجہ احسن انجام دئیے۔

خواجہ ہاشم کشمی مجددی نقشبندیؒ نے زبدۃ المقامات میں بسلسلۂ تذکرہ

حضرت شاہ عبدالاحد قدس سرہ لکھا ہے۔

شیخ عبدالستار کہ صاحب سجادہ است جوان قابل و فاضل و صاحبدل است۔

آپ فطرتاً نہایت سیرچشم اور فیاض تھے، لب اوقات حاجتمندوں اور سائلوں کو اسقدر دے ڈالتے کہ متعلقین کو عسرت کا سامنا ہو جاتا۔ ایک مرتبہ آپ کے ہمدرس اور محب خاص شیخ فرید نے فیاضی میں احتیاط کرنے کا مشورہ بھی دیا، لیکن آپ ہاتھ روکنے پر قادر نہ ہوسکے عسرت سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن آپ نے کچھ پرواہ نہ کی حضرت شیخ برہان رازآلہی کے ملفوظات میں یہ واقعہ اسطرح مذکور ہے ۔

میفرمودند کہ بابا عبدالستار را کہ شیوۂ سخاوت بسیار بود میاں شیخ فرید منع سخاوت بسیار نمودند و فرمودند کہ چنیں مکنید کہ اثر تفرقہ قلب سائلان بدل جمع شما اثر کند۔ آخر الامر چنانکہ میاں شیخ فرید می فرمودند ہماں شد و تفرقہ عظیم رو داد۔

(روائح الانفاس قلمی ص ۹۲ رائحہ ۱۰۶)

آپ مسیح الاولیا کی حیات میں سب سے زیادہ ان کے ہمدم و ہمراز رہے ہیں حضرت کے بعض فیض بار اعمال دیگر خلفا آپ ہی سے معلوم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب مسیح الاولیا کے فیضان مسیحائی کا شہرہ ہوا اور انبوہ در انبوہ لوگ مریضوں کی شفایابی کی دعا کے لئے حاضر ہونے لگے۔ آپ پانی پر دم کر کے دیدیا کرتے اور ہر مرض کا قلع قمع ہو جاتا۔ ایک روز فرحی نے بابا عبدالستار سے دریافت کیا

کہ حضرت کیا پڑھ کر پانی پر دم کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اپنے پیر کا اسم گرامی۔ فرحیؔ نے بڑی سادگی سے یہ واقعہ ان الفاظ میں تحریر کیا ہے۔

روزے این ضعیف بہ حضرت بابا عبدالستار کہ فرزند کلاں حضرت پیر دستگیر بودند پرسید کہ حضرت ایشان برائے بیماران برآب چہ میخوانند۔ فرمودند کہ نام پیر خود خواندہ برآب فف میکنند۔
(کشف الحقائق قلمی صلا ۳)

آپ کو حضرت مولا مشکلکشا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے بلاواسطہ کسب فیض کا باسعادت شرف حاصل تھا۔ فرحیؔ نے یہ واقعہ اسطرح لکھا ہے

روزے بابا عبدالستار بحضرت پیر دستگیر عرض نمودند کہ امروز در بیداری حضرت اسداللہ الغالب و مظہر العجائب حضرت علی کرم اللہ وجہہ در بیداری بحجرۂ من تشریف فرمودہ تا دیر نشستند و بہ علوم عجیب و غریب مستفید ساختند۔ بعد شنیدن آنحضرت فرمودند کہ اول پیش من تشریف آوردہ در مکالمت بودند بعد ازان در وقت برخاستن من التماس نمودہ بشما فرستادم۔
(کشف الحقائق ص۹۵)

آپ اپنے علم و فضل عمل و ریاضت۔ سخاوت و ہمدردی سے تا زندگی عوام و خواص و طالبانِ حق کو دینی دنیوی و روحانی فیض پہنچاتے رہے اور ہمہ اوقات اپنے عالی منزلت اب و جد کے نقشِ قدم پہ گامزن رہے۔ وصال کا سنہ معلوم نہ ہوا۔ ۱۱۔ جمادی الثانی کو عرس ہوتا ہے۔ آپ کا مزار کھلے صحن میں حضرت

مسیح الاولیا کے مقبرے کے عین مقابل جانب جنوب واقع ہے۔ مزار کے سرہانے صرف ایک محراب دار دیوار تعمیر ہے جس کا طول و بلندی و نقش و نگار قطعاً گنبد کی دیوار کے مماثل ہیں۔ مسجد میں کھڑے ہو کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ مسیح الاولیا کے مقبرے کے پائین جانب اسی نمونہ کا دوسرا گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ مقام آپ کا حجرۂ عبادت تھا۔ آپ کے مزار سے بھی نیازمندوں کو مرادیں ملتی ہیں۔ چونکہ حاطۂ درگاہ میں داخل ہوتے ہی آپکا مزار پیش نظر ہوتا ہے۔ اس لئے ہر زائر بلاارادہ پہلے یہاں فاتحہ پڑھنے پر بے اختیار عازم ہو جاتا ہے۔ نیز خاص بات یہ بھی ہے کہ حضرت مسیح الاولیا کے روضہ میں داخل ہوتے وقت طبیعت پر ایک خاص قسم کی ہیبت سی طاری ہوتی ہے، لیکن بابا عبدالستار کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر روضۂ شریف جانے پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ یہاں سے فارغ ہو کر آگے بڑھنا گویا حصول اجازت ہے۔ یہ چیز بے شمار لوگوں سے معلوم ہوئی اور نیازمند راقم الحروف کے تجربہ میں ہمیشہ یہی ثابت ہوا۔ یقین نہ کرنے والے آج بھی تصدیق کر سکتے ہیں۔

آپ کے وصال کی تاریخ صحت سے نہ معلوم ہو سکی لیکن یہ تحقیق ہے کہ اس وقت آپ کے فرزند شیخ ابوالقاسم سرمست جو مجذوب الحال ہونے کے علاوہ سن شعور کو نہیں پہنچے تھے اور جد و پدر کی مسند رشد و ہدایت کو بوجہ احسن سنبھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اسی لئے خانقاہ کے طالبان حق کو جن کے درجات قریب التکمیل تھے بابا فتح محمد محدث رح نے حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی کی طرف رجوع کر دیا تھا۔

حضرت بابا فتح محمد کا تقسیم نامہ

جو انھوں نے حجاز مقدس جانے سے قبل اپنے ورثہ کے لیے بطور وصیت و وراثت چھوڑا تھا نیز بعد کے احکام اور فرزندوں کے باہم معاہدات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　والصلوٰۃ والسلام علی النبی الکریم

وصیت نامہ آنکہ غرض ازین تحریر آنست کہ حضرت قبلہ گاہی وقت روانہ شدن کعبہ معظمہ تقسیم و بہا ت جنیں مقرر فرمودہ کا غذ تقسیم بدستخط مبارک خویش بدین تفصیل نوشتہ روانہ کعبہ معظمہ شدہ بودند کہ اولاً یکجہانت غلہ وقتے کہ سال کمال باشد بجہت خویشان صلہ رحم طلبا لمرضات اللہ جدا نمودہ نصف قریہ کول کھیڑہ محمد رحیم معہ الفقراء ایشان ...... روپیہ کہ بہ محمد علی دادہ ایم باشد ونصف کول کھیڑہ و دو حصہ پور گام بفرزندی شیخ شہاب الدین، و محمد عیسیٰ کہ ہر دو کلن (؟) و خویشان محل کلان باشد باین تفصیل کہ یک صد و بست روپیہ ازین ہر دو موضع حصہ شیخ شہاب الدین کہ ہمراہ فقیر می آید نگاہ دارند تا زمانے کہ در حرمین باشد و .... بباید موافق حصہ شیخ محمد عیسیٰ بگیرد و آنچہ بعد ازان باقی ماند آنرا دو نیم حصہ بکنند یک حصہ پاو بالا شیخ محمد عیسیٰ با عیال خو بگیرند و یک حصہ ہر دو کلن بہ تقسیم خماسی یعنی دو حصہ زن مرحومی عبد القدوس و سہ حصہ زن مرحومی ابو یوسف معہ دختر خود بگیرند و ربع حصہ .... کنند عبد الغنی طغائی محل کلاں و یک حصہ حلیمہ دختر

محمد رحیم و یک حصہ باقی علی وجہہ التثلیث و دو حصہ آبو محمد و یک حصہ بحبیبہ للذکر مثل حظ الانثیاین ہر دو نبیسہ را تقسیم کنند و تسترہ اولتی را چہار و نیم حصہ نمایند یک و نیم محمد رحیم مع الفقرا خویش علی الطریقۃ السابقۃ بگیرند و یک حصہ شیخ شہاب الدین و یک حصہ محمد عیسٰے و یک حصہ ہر دو کلن بتقسیم سابق بگیرند و این تقسیمات مذکورہ تا وقتے است کہ کہ دیہات مقرر باشند۔ اگر بر تقدیر فتورے باشد و آنچہ باقی ماند بہ تقسیم سابق مقسوم سازند و نصف قریہ پاتودی کہ بنام فقیر است بہ فقیر و محل خورد مع فرزندان ایشان مقرر نمودہ شد تا زمانے کہ در قید حیات فقیر باشد * گول کھیڑہ و در بورگام کردہ است آنچہ ازان حاصل شود سہ حصہ نمایند یک حصہ بجمیع ساوات و خویشان صلۃ الرحم و فقرا علی وجہہ الاستحقاق رسانند و یک حصہ جمیع فرزندان بتقسیم متقدم متصرف شوند و یک حصہ تا فقیر زندہ است ہمراہ زر پاتودی بفقیر رسانند بعد ازان ثلث بہ فرزندان محل خورد مع والدہ ایشان دہند و ثلثان باقیان در چہار عرس یعنی آن سرور صلی اللہ علیہ وسلم و سلطان العارفین و حضرت غوث الاعظم و حضرت صاحب صرف نمایند۔

این چند کلمہ بطریق حجت نوشتہ شد ہر کہ از فرزندان عمل میکند عند اللہ و عند رسولہ و اولیائہ مقبول است و اگر خلاف کند پیش ہمہ مردود است روز قیامت داخل عاقان خواہد شد۔ حق سبحانہ تعالیٰ فرزندان را توفیق عمل دہد تا چہار سال بہمین تقسیم ہر یک حصہ خود گرفت۔ بعدہ چون شیخ شہاب الدین و محل خورد از مکۂ معظمہ آمدند و کاغذ وصیت دیگر آوردند بدین مضمون کہ :۔

غیر فتح محمد بن مین العرفا فرزندانِ خود محمد رحیم و شیخ شہاب الدین و
محمد علیے بطریق نصیحت و وصیت نوشتہ می شود کہ حق تعالی را حاضر و ناظر دانستہ
در قسمت مربع علے السویہ للذکر مثل حظ الانثیین تقصیر بوجہ من الوجوہ
نکنند و آنچہ بنام فرزندان و آنچہ بنام فقیر است بماندہ بلا زیادہ ولا رعایت
تقسیم کنند و اگر توفیق بشود و اصحاب قسمت ہمہ راضی بشوند خمس اول بکشند
ازان نصف ہر دو کلن بدہند ۔ و نصف دیگر باہلِ استحقاق الاقارب
و خویشان و فقرا بدہند و بہ تقدیرے کہ اہلِ قسمت بر خمس راضی نباشند و قطعاً
وجزاً ہر دو کلن صاحبِ حق اند آنہا را ثمن از آنچہ پیدا شود موافق خرچ تقسیم
کردہ بدہند تا محروم نمانند کہ از روے مسئلہ حق دار ہستند ۔
دیگر آنکہ ہر کہ از فرزنداں برین زنِ غریب یعنی امۃ الحسنی مہربانی کند
و جنبہ کردہ حق او برساند چنانکہ من بمادرِ عاصیٔ خود رسانیدم فقیر ازو راضی است
و حق تعالی ازو راضی است و حصہ ایشاں ورائے فرزندان ثمن است آنرا بایشاں
رسانند کہ حکم حق است ہر کہ برین وصیت عمل کند مرا راضی کرد خدا تعالی را
راضی کرد ۔

فقیر محمد رحیم بموجب ورود حکم عالی موافق وصیت در جمیع امور بلا جبر و اکراہ
برضا و رغبت قبول کردم و فقیر شیخ شہاب الدین و محمد علیے نیز بموجب
وصیت آنچہ حکم است قبول دارد ما جمیع وارثان متفق شدہ حصہ ہا مقرر ساختیم
حصہ ہر یک فرزند مقرر شد یک صد و شصت روپیہ و نیز ما ہمہ متفق شدہ
قرار دادیم کہ اول اختیار بحضرت والدہ بدہیم کہ از دیہات اول ایشان خوش کردہ

بگیرند ایشان در حصهٔ ثمن خود و در حصهٔ دختران خود ...... موضع پاتوندی بر ضا و رغبت
بلا جبر و اکراہ چیدہ گرفتہ پنجاہ عدد روپیہ کہ سوائے زین ہر دو حصہ پاتوندی زداید
بر آمد قبول کردند کہ ما ہر سال بلا نقصان خواہ آفت شود یا نشود پنجاہ عدد روپیہ
ہر سال میدادہ باشیم۔

بعدہٗ بہ محمد علیشی مخیر کردیم۔ ایشان در حصہ خود بور گام بلا شرکت و بلا جبر گرفتند
بعدہ ماندہ نصف روپیہ وادلتی و کول کھیڑہ میاں محمد رحیم بہ شیخ شہاب الدین اختیار
دادند کہ شما خوشی کردہ بگیرید۔ بہ اشارۂ الیہ میاں محمد رحیم اختیار دادند کہ شما
اختیار کردہ بگیرید۔ بعد از رد و بدل ہر یک باختیار و رغبت خود بلا جبر و اکراہ
حصہ خود گرفت۔ میاں محمد رحیم نصف روپیہ وادلتی و میاں شیخ شہاب الدین
کول کھیڑہ و حصہ خود گرفتند و ہفتاد عدد روپیہ سالانہ بلا مشارکت خواہ آفت
شود خواہ نہ شود قرار دادند کہ والسبی ... ہم این ہفتاد روپیہ و پنجاہ روپیہ
پاتوندی جملہ یکصد و بست روپیہ شد۔ از ان ہشتاد روپیہ کلنان مقرر شد ...

دسی روپیہ بخویشان واہل استحقاق مقرر شد

و باعتبارے کہ در کول کھیڑہ و بور گام است موافق نوشتہ حضرت ایشان مقسوم است
و نیز مقرر ما ہمہ وارثان کردیم کہ تا زمانے کہ دیہات مقرر اند بہ تقسیم مذکور موضع خود
را قابض باشد و خدا نکند اگر آفت سماوی شود .... طالع صاحب موضع کس
ہیچ مجرائی نخواہد داد و خدا نکند اگر تغیر موضع شود می باید کہ صاحب آن موضع حتی
الامکان والمقدور سعی نماید و چون بسعی و تلاش آن صاحب حصہ ہیچ اثر نمی شود
انچہ حصہ او معتبر باشد از ہمہ حصہ ہا موافق تقسیم برآوردہ بدہند۔ ہمہ اعزہ
باختیار و رغبت خود ازین تحریر رضامند اند و جوار کہ حکم حضرت ایشان است

تقسیم برین مواضع مقرر نمودہ شد کہ بر کول کھیڑہ چہار ماپ و بر پاتوندی چہار ماپ و بر بورگام دو ماپ و بر اولیتی دو ماپ درین حصہ ہا ہمہ راضی اند بجانب ہیچ یکے ہیچ رعایت کس نیست ہر کس برغبت خود حصہ خود قبول کرد و بلا رعایت و بلا احسان این چند کلمہ بطریق سند بتاریخ نہم شہر رمضان المبارک نوشتہ شد ثانی الحال عند الحاجت حجت باشد۔ یک ہزار و شصت و ہشتاد[1] ۱۰۶۸ھ

بعد از دو سال حضرت والدہ جیو گفتند کہ حصہ ثمن از ہمہ دیہہ ہا بدہند و ہر دو ہمشیرہ گفتند کہ امۃ الرحمن و بی بی فاطمہ باشند کہ مایان تا بالغ بودیم کہ حصہ کردہ بود بعد الحال در دیہہ شما زیادہ می آید باید کہ حصہ ہا از سر نو کنیم۔ آچھو بی بی را از دیہہ مایان چیزے ندہانید۔ بعد از رد و بدل بسیار قرار دادند کہ برضا و رغبت خود چہل روپیہ آچھو بی بی و دختر او را سال بسال در اول تحصیل موضع پاتوندی می رسانیدہ باشیم و تتمہ بیست روپیہ میاں شیخ شہاب الدین در کول کھیڑہ خود بدہند خواہ آفت سماوی باشد یا نہ این شصت روپیہ از ہر دو جا بایشان رسانند و من بعد امۃ الغنی مشار الیہا و دختران و فرزندان امۃ الرحمن و فاطمہ مشار الیہما با برادران و فرزندان ایشان ہیچ وجہ من الوجوہ مناقشہ و دعوی و طلبے و تقاضائے نبا شد در دنیا و نہ در آخرت و ہر کہ ازین قرار برگردد عند اللہ و عند الرسول و عند اولیا مردود و نامقبول است و اگر حجت کاغذی برآید مقبول و معتبر نیست اگرچہ حجت شرعی باشد نادیدہ و دانستہ ہمہ را قبول کردیم۔ تحریر فی التاریخ یازدہم رجب المرجب سنہ یکہزار و ہشتاد۔

---

[1] یہاں سہو کتابت واقع ہوا ہے ۱۰۶۸ = ۲+۱۰۶۸ = ۱۰۷۰ ہوتے ہیں دوازدہ ہونا چاہیے تب سنہ وقف ۱۰۸۰ھ ثابت ہوتا ہے۔

بتاریخ ۱۹ ماہ شہر شوال سنہ ۱۲۵۸ھ مسمی محمد حسین ولد شیخ اولیا ابن شیخ جمال محمد
کورا در حالتیکہ وکیل مطلق است از قبل مسماۃ بی بی امۃ الغنی بنت شیخ اولیا مذکور
زوجہ غفران پناہ میاں شیخ فتح محمد و مسماۃ امۃ الرحمٰن و مسماۃ فاطمہ دختران بی بی
امۃ الغنی مذکورہ ثابت البکالۃ (؟ ثابت الوکالہ) بگواہی شیخ ابو محمد ولد شیخ محمد طاہر
و محمد عبداللہ ولد شیخ عبدالرحمٰن بمحکمہ علیہ عالیہ بلدہ برہان پور آمدہ اقرار نمود کہ
چون پیش ازین معاملہ دیہہ ہائے وغیرہ مدد معاش از بابت آن مغفرت پناہ
مشخص و مقرر گردیدہ بود ربع لا امۃ الغنی مذکورہ نمود کہ حصہ ثمن از ہمہ دیہہا
بدہید و بی بی امۃ الرحمٰن و بی بی فاطمہ می گفتند کہ مایاں نابالغ بودند کہ حصہ ہا
کردہ بودند الحال در دیہہ شما زیادہ می آید بایدکہ حصہ از سر نو کنند با آچھو بی بی از
دیہہ مایاں چیزے ندہانند۔ بعد از رد و بدل بسیار چنان مصالحہ قرار کردند
کہ برضا و رغبت چہل روپیہ بہ آچھوں بی بی و دختران را سال بسال در اول
تحصیل موضع پاتوندی میرسانیدہ باشند و بعد ازان اچھوں بی بی و دختر
او ہر کہ را ایشاں بدہانند موکلات ما را ہیچ عذر نیست زیراکہ این چہل روپیہ
خمس حق مستحقان است ہیچکس را دریں دخل نیست و چہار باپ جوار
برائے قسمت خویشان نیز میرسانیم خواہ آفت سماوی باشد یا نباشد
و من بعد موکلات من و فرزندان و دختران ایشان با برادران و فرزندان
ایشان بہیچ وجہ من الوجوہ در ہیچ چیزے دعوے و طلبے و حقے و تقاضائے
ندارند۔ از جمیع دعوے خود گذشتہ ابراء عام و تام کردہ اند و دیگر حشانہ
کہ بعوض مہر امۃ الغنی را رسیدہ است آن را اگر او بدست داماد خود موکلہ من

فروشد یا ہبہ نماید و یا بوجہہ وراثت بآنہا رسد ایشان بغیر از برائے
نماز و طلبِ علم از درے کہ سوئے مسجد است آمد و رفت نکنند زیرا کہ
آن مرحوم نیز برائے نماز و درس این طرف دروازہ گردہ بودند قدیم نبود
اگر بدست دیگرے فروشند دروازۂ درونی بستہ کنند باقی ہرچہ باشد
حسبۃً للہ داخل خانقاہ است و ہر کہ ازیں قرار برگردد عند اللہ و عند الرسول
و عند اولیاء اللہ مردود و نامقبول است و اگر حجت شرعی و کاغذ برآرند مقبول و
معتبر نیست اگرچہ حجت شرعی باشد دیدہ و دانستہ ہمہ را قبول کردہ اند
و اعتبار بر ہمیں کاغذ است کاغذہاے دیگر منسوخ اند ۔

حضرت بابا فتح محمد محدث ابن حضرت مسیح الاولیا قدس سرہ العزیز

آپکا نام عبدالرحمٰن اور کنیت ابوالمجد ہے لیکن فتح محمد کے لقب سے مشہور و معروف ہیں یہاں تک کہ اصل نام اور کنیت شاذ ہی کسی کو معلوم ہے یہ مقبولِ انام لقب آپ کو والدِ محترم سے ملا ہے۔ حضرت مسیح الاولیا آپ کو پیار سے بابا فتح محمد کہا کرتے تھے چنانچہ یہی لقب یا پیار کا نام عرف عام میں مشہور ہو گیا۔

آپ شیخ عبدالستار سے عمر میں چھوٹے ہیں سنہ ولادت متحقق نہیں پھر بھی عمروں کے تفاوت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ دونوں بھائی کسی بھی تعلیم میں ہم سبق نہیں ملتے۔

۱۰۰۱ھ جب کہ آپ اعلیٰ علوم فقہ حدیث و تفسیر کی تعلیم کے سلسلہ میں مسیح الاولیا کے درس میں تھے۔ اُس وقت بابا عبدالستار جملہ علوم عقلی و نقلی سے فارغ ہو کر خانقاہ کے طالبانِ حق و مریدین کے معاملات میں والدِ محترم کی اجازت و ہدایت کے مطابق خدمات انجام دینے پہ مامور ہو چکے تھے حضرت مسیح الاولیا نے ان ہی دنوں آپ کی تعلیم کے لئے علم تفسیر سے متعلق ایک نادر کتاب لکھی اور آپ کے لقب فتح محمد کی نسبت سے اس کا نام فتح محمدی رکھا۔ یہ ہی

زمانہ ہے جب شیخ برہان الدین حضرت مسیح الاولیا کی خدمت میں مرید ہونے
کی غرض سے حاضر ہوئے تھے۔ چونکہ شیخ مذکور کچھ عرصہ قبل حضرت شیخ حسین
بنبانی کے مرید ہو چکے تھے نیز جوان العمر تھے۔ مسیح الاولیا نے ان سے کہا
عزیز من اگر تم جاگیر و یومیہ کی تمنا رکھتے ہو تو صاف کہو حاکم شہر سے اچھے مراسم
ہیں سفارش کیے دیتا ہوں اور اگر تحصیل علم کا شوق ہے تو بابا فتح محمد کی
رفاقت میں جو چاہو پڑھ سکتے ہو۔ انھوں نے کہا دونوں چیزوں کی خواہش
نہیں۔ خدا طلبی کا ذوق رکھتا ہوں۔ میری دلی تمنا ہے کہ حضور مجھے چلے میں
بٹھا دیں۔ ملفوظات میں یہ مقام ان الفاظ میں ملتا ہے۔ جو شیخ برہان الدین
کے الفاظ کی ترجمانی کے طور پر مذکور ہوا ہے۔

چوں بخدمت مسیح الاولیا رسیدم پرسیدند کہ اگر قصد یومیہ
وار اضی ہست بصدر شہر کہ آشنا است سفارش و
صدارت نمایم۔ و اگر قصد طلب علم است بہ رفاقت
بابا فتح محمد ہر چہ میخواہید بخوانید گفتم ازیں ہر دو ہیچ نمیخواہم
طلب حق دارم میخواہم کہ اربعین بہ نشینم (روائح الانفاس قلمی ص۱۳)

آپ انتہائی ذکی و ذہین تھے۔ پھر مسیح الاولیا کے طرز تعلیم کا اعجاز مسیحائی۔
تھوڑے عرصہ میں جملہ علوم متعارفہ پر عبور کامل اور دسترس کلی حاصل
کیا۔ ریاضی اور علم عروض میں منتہیانہ استعداد بہم پہنچائی۔ تصوف
تو خاندانی میراث تھی۔ علاوہ ازیں اس عارفانہ علم کی مخصوص اور سنگلاخ
کتابیں مسیح الاولیا سے درساً پڑھ کر ان کے نکات و اسرار کے ہر گوشہ پر

عرفان و وجدان کی منازل عملاً طے کیں، علوم ظاہر میں حدیث و فقہ سے
سے آپکو مخصوص دلچسپی تھی اور درس سے خصوصی رغبت۔ جس طرح حضرت
مسیح الاولیا نے شیخ عبد الستار کو خانقاہ نشینوں کی تعلیم و تربیت پر متوجہ
کیا ہوا تھا۔ اسی طرح اپنی زندگی میں بعض شاگردوں کی اعلیٰ تعلیم آپ کے سپرد
فرما رکھی تھی۔ اور آگے چل کر تو خانقاہ کا جملہ نظم و نسق۔ شیخ عبد الستار کے
ذمہ۔ اور مدرسہ کی تعلیم و تربیت بابا فتح محمد کے حوالہ تھی۔ یہی انتظام مسیح الاولیا
کے وصال کے بعد بھی قائم رہا۔ آپ نے مدرسہ کے متعلقہ امور میں یہاں تک
دلچسپی لی کہ اس مستحسن فرض منصبی کو جزو زندگی قرار دے لیا۔ یہاں تک کہ حضرت
مسیح الاولیا کے وصال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد شیخ عبد الستار بھی عالم جوانی میں
واصل بحق ہو گئے۔ ان کے فرزند شیخ ابو القاسم سر دست کمسن تھے۔ دیگر
برادران بھی علوم طریقت میں اس پایہ کی صلاحیت نہ رکھتے تھے کہ خانقاہ کے
نظم و نسق کے ساتھ ساتھ تربیت تکمیل طالبانِ حق کے ذوق کی سیرابی فرماتے
چنانچہ مسیح الاولیا کی اولاد میں صرف آپ کی ذات ہی ایسی تھی کہ خانقاہ کے
معاملات کو سابقہ نظام کے مطابق قائم و برقرار رکھ سکے۔ لیکن آپ نے
اپنے علمی مشاغل اور درس و تدریس کے انہماک میں اس نئی مصروفیت
کو اپنے ذمہ لینا مناسب خیال نہ کیا اور خانقاہ کے اکثر طالبانِ حق کو معہ
لوازمات حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی کی طرف رجوع فرما دیا۔ جو
حضرت مسیح الاولیا کے ممتاز ترین خلیفہ تھے اور آپ نے مسیح الاولیا کی
دوسری فیض رسان یادگار مدرسہ کی ذمہ داریاں خود سنبھالیں۔

چنانچہ مسیح الاولیا کے رحلت فرمانے کے بعد بھی پینتیس سال سے کچھ زائد عرصہ تک طالبان علوم کو فقہ، تفسیر۔ حدیث وغیرہ کی عربی فارسی ادق و اہم کتابوں کا درس دیا اور اسی زمانہ میں متعدد کتابیں مختلف موضوعات پر تصنیف کیں۔ فقہ میں منجملہ دیگر کتب کے مفتاح الصلٰوۃ کو ہر زمانہ میں قبول عام حاصل رہا ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں نماز کے فرائض، واجبات اور سنن کی تفصیلات پر مبنی ہے۔ کسی سندھی بزرگ کے حرفی اشارات میں تین شعر مشہور تھے اور اس قدر مشہور کہ تعلیم یافتہ گھرانوں میں مستورات کو بھی ازبر تھے اور وہ اپنی اولاد کو صغر سنی ہی میں یاد کرا دیا کرتی تھیں۔ خود حضرت شیخ فتح محمد نے بھی اپنی والدہ محترمہ سے سیکھے تھے جیسا کہ مفتاح میں مذکور ہے۔

بزرگے از علمائے سندھ فرائض و واجبات و سنن را در سہ بیت بحروف اشارت کردہ است کہ اکثر اوقات حضرت ما صاحب تعلیم میفرمودند۔ این است

فرائض ــــ فرائض ندانی شوی در قلق
اُجبسِ نوقٍ تتقٍ رستق

واجبات ــــ چو واجب ندانی شوی در خطر
فضت تقت لقت جسر

سُنن ــــ چو سنت بدانی شوی مقتدا
رونت تبت تست دوا

چونکہ مفتاح الصلوٰۃ انھیں اشعار کے اشارات کا تفصیلی حل ہے اور بابا فتح محمدؒ نے نہ صرف ان اشارات کو حل کر دیا بلکہ ہر ایک رکن کے متعلق فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے احکام اور حوالے ایسی سیر حاصل وضاحت سے لکھے ہیں کہ ہر اجمال دلنشین طریقہ پر مفصل مسئلہ کی شکل میں آگیا اور سب کا مجموعہ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات کی کتاب بن گئی۔ اس کتاب کی بے شمار قلمی نقول اب بھی جگہ جگہ موجود ہیں اور اپنی ہمہ گیر قبولیت کے پیش نظر مختلف مطابع سے وقتاً فوقتاً متعدد اشاعتیں چھپ بھی چکی ہیں لہذا تفصیلات کے لئے اہل ذوق اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں — البتہ یہاں بطور نمونہ اجمالی حل پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ نماز مذہب اسلام کا بنیادی رکن ہے اور پھر نماز میں فرائض واجبات اور سنن بھی وارد ہیں اور اس تاکید کے ساتھ کہ فرائض کی واقفیت حاصل کرنا۔ فرض اور واجبات سے باخبر ہونا۔ واجب اور سنن کو جاننا سنت ہے۔ مسئلہ ہے کہ نماز میں تیرہ ۱۳ فرض ہیں۔ سات نماز کے باہر اور چھ نماز کے اندر۔ شاعر نے پہلے شعر میں آگاہ کیا ہے کہ اگر تم نماز کے فرائض سے آگاہ نہ ہوگے تو شاید تمہیں قلق ہوگا۔ سنو فرائض یہ ہیں:۔

ا۱۔ ج۲۔ ج۳۔ س۴۔ ن۵۔ و۶۔ ق۷۔ ت۸۔ ق۹۔ ق۱۰۔ ر۱۱۔ س۱۲۔ ق۱۳

اور یہ حروف مفرد دراصل ہر ایک فرض رکن کا پہلا حرف ہیں۔ یعنی (ا۱۔ اندام پاک۔) (ج۲۔ جائے پاک۔) (ج۳۔ جامہ پاک۔) (س۴۔ ستر عورت پوشیدن) (ن۵۔ نیت نماز) (و۶۔ وقت شناختن)۔

(قٓ۔ قبلہ شناختن) (تٓ۔ تکبیر اولی گفتن) (قٓ۔ قیام نمودن) (قٓ۔ قرأت خواندن) (رٓ۔ رکوع کردن) (سٓ۔ سجدہ کردن) (قٓ۔ قعدۂ آخر نشستن)

اسی طرح دوسرے شعر کے حروف واجبات نماز۔ اور تیسرے شعر کے حروف۔ نماز میں کیا کیا چیزیں سنت ہیں ان کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ لیکن ہر ایک جزو کا تفصیلی حل جیسا کہ عرض کیا گیا ہر ایک مسئلہ کے تمام جزئیات پر شرح و بسط کے ساتھ حاوی ہے۔ اس کتاب کا سنہ تصنیف سنہ ۱۰۶۳ھ ہے۔ اس سے قبل سنہ ۱۰۵۸ھ میں آپ نے اسی موضوع پر عربی زبان میں ایک کتاب **فتح المذاہب الاربعہ** کے نام سے لکھی تھی۔ جو اس قدر مفصل تھی کہ آپ کی نگاہ میں مفتاح الصلوٰۃ باینہمہ تفصیلات بھی مجمل ہے۔ چنانچہ مفتاح الصلوٰۃ میں اسی کتاب کی طرف رجوع کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

> بدانکہ در مسائل وضو و تیمم و مسح خفین و آب وضو وغیرہ از مقدمات نماز اختصار واقع شد۔ ہر کہ خواہد مستوعباً معہ دلائلہ و مسائلہ کما یحق و ینبغی ہمہ را مطالعہ نماید فعلیہ بملاحظہ فتح المذاہب الاربعہ للکاتب فانہ کان فی المسائل التفصیلیۃ وواف للمطالب العلمیہ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مفتاح الصلوٰۃ میں آپ کے ایک اور رسالہ کا ذکر ملتا ہے اور یہ رسالہ

رسالہ جہتہ الکعبہ ہے۔ اس کا ذکر ضمناً اس بیان میں آگیا ہے جہاں آپ نے مفتاح الصلوٰۃ میں موسم کے تغیر سے سایہ کے فرق کو نہایت مدلل طریقے سے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

تحقیق سایہ اصلی بہاں پور واطراف آن این حقیر در رسالہ جداگانہ بیان کردہ است چنانکہ حاصل آن درین ابیات آوردہ

ابیات

فی از حمل و نیم است سوئے شمال است دائما — وز ثور گردد یک قدم جوزا بود در آتوا

از نصف سرطان یک قدم سوئے جنوبی میشود — تا آخرش آن محو شد گشت از اسد آن سایہا

در سنبلہ گردد قدم دو نیم ازان میزان شود — در عقرب آن سہ نیم شد از قوس پنج دو نیم را

در نصف جدی آن ہفت شد طرف شمالی شش شو — از دلو شد آن شش قدم تا نیمہ اش بی بنجرا

در پانزدہ یا ناقص است در حوت چار آئے یار من — تا آخرش نقصان بدان آجان من یک دو نیم را

باز از حمل دو نیم ہست گر عاقلی عامل بشو

بہر خدا گفستم بتو اسے عیسوی این نظم را

اس نظم میں سایۂ اصلی کا موسمی اختلاف کے عالم میں رخ بدلنا اور ان تبدیلیوں کے اندازے کا تعین آفتاب کے مختلف برجوں میں دخل و اخراج کے اعتبار سے مذکور ہوا ہے۔

اس سے بھی قبل ۱۲۸۵ھ میں آپ نے ایک ضخیم رسالہ فتوح الاوراد لکھا تھا۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے اوراد و وظائف کی مستند ترین اور عجیب کتاب ہے۔ آغاز عربی مختصر خطبہ سے ہوتا ہے۔ اسکے بعد

فارسی مقدمہ میں وجہ تالیف۔ دعا مانگنے کا طریقہ۔ مسنون و مستحب دعائیں۔ پھر ان ادعیہ و اوراد کے ماخذ کہ وہ کن ائمہ۔ مشائخ و دیگر بزرگانِ سلف کی کن کتابوں سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ایسی تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ کہ پورے سال کے ہر دن رات میں بلکہ نماز پنجگانہ میں سے ہر نماز کے بعد پڑھنے کے لئے کن بزرگ کی کس کتاب میں کونسا وظیفہ درج ہے اور اس کا طریقہ اور تعداد ورد کیا ہے۔ نیز اسکا مخصوص افادہ وغیرہ سب ہی کچھ تحریر فرمادیا ہے۔

روحانیت کی دنیا میں تکمیل و ترقی کے خواہش مند مشائخ و طالبانِ حق نے اس کتاب کو اپنے مسلک کی ممد و معاون پاکر اپنے معمولات ریاضت میں داخل رکھا اور ہمیشہ حسب دلخواہ روحانی فوائد حاصل کئے۔ کتب اوراد و وظائف میں اس کتاب کی ہمہ گیر افضلیت و افادیت کی خاص وجہ یہ بھی ہے کہ محدث صاحب نے بزرگانِ سلف کے ورد و وظائف میں سے ان چیزوں کو چن چن کر جمع فرمایا ہے جو ان بزرگوں کے تجربہ میں ہمیشہ مفید و کارگر ثابت ہوئیں نیز ان کے حوالے درج کئے ہیں۔

حسنِ اتفاق ہی نہیں میں تو اسکو خوش نصیبی اور اپنی سعادت طالع سمجھتا ہوں کہ ان سطور کی تسطیر کے موقعہ پر اس کا ذکر لکھتے وقت کتاب فتوح الاوراد کا ایک نہایت قدیم قلمی نسخہ میرے پیشِ نظر ہے جو محقق سندھ پیرزادہ جناب سید حسام الدین صاحب راشدی کی عنایت سے برائے مطالعہ بہم پہنچا ہے۔ ۷ × ۹ سائز کی کتاب تعداد اوراق ۲۹۴ سطری مسطر گنجان

باریک رواں خط کی از ابتدا تا انتہا یکساں تحریر۔

کتاب کو اکثر اوراق میں کہنگی کے باعث اور درمیان میں دیمک خوردگی سے کچھ چشم زخم پہنچ گیا ہے تاہم مکمل نسخہ ہے۔ آخری ورق کا بھی کچھ حصہ تلف ہو گیا ہے ممکن ہے مکمل ورق ہوتا تو کاتب کا نام اور سنہ کتابت کا علم ہو سکتا موجود حصہ میں سنہ تصنیف اور مصنف کا نام ترقیمہ کی اس عبارت میں موجود ہے۔

تم بحمد اللہ ...... مؤلفہ خادم الفقراء فتح محمد بن عین العرفانی
وقت السحر لیلۃ الجمعہ اللیل التاسع ...... ذی القعدہ سنہ سبع
وخمسین بعد الالف وکان ...... السنۃ مع المشاغل التی ......
الحمد للہ حمداً کثیراً والصلوٰۃ علی رسولہ سید الخلق المصطفیٰ باطناً وظاہراً وعلی آلہ و
ومن تبعہ دائماً الی یوم الدین آمین آمین آمین والحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم ..... [illegible]

کسی چیز کی حقیقت جس قدر اس کے بجنسہ معائنہ سے واضح ہوتی ہے صرف اسکے ذکر سے اس قدر وضاحت نہیں ہوتی۔ فتوح الاوراد کا بھی یہی حال ہے جب تک کتاب نہیں دیکھی تھی ذکر ہی سنا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ یہ ورد و وظائف کی ایک اچھی کتاب ہے لیکن جب کتاب سامنے آئی تو آنکھیں کھل گئیں اور مطالعہ کے لطف و لذت سے متأثر ہو کر بے اختیار جی چاہنے لگا کہ ؏

دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دوں

لہٰذا مختلف مقامات سے چند نمونے اخذ و ترجمہ کی صورت میں پیش کرتا ہوں کہ اسکے بغیر اس نادر کتاب کی اہمیت واضح کرنا ممکن بھی نہیں ہے۔

مقدمہ کا آغاز ہے کہ مشائخ سلف رحمہم اللہ علیہم کا طریقہ ہے

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر قائم رہنا۔ طالبِ حق کا پہلا قدم صحتِ توبہ کے بعد آپ کے اعمال کی پیروی۔ دوسرا قدم آپ کے اخلاق کی اتباع۔ تیسرا قدم۔ آپ کے احوال کے نمونہ پر اپنے حالات کا تطابق۔ اور۔ احوال بمنزلہ روح کے ہیں اور اخلاق مثل دل اور اعمال عبارت ہیں دیگر اعضا سے۔ چونکہ احوال جو تمام سعادتوں کی انتہا ہیں، اخلاق پر استقامت کئے بغیر میسر نہیں آسکتے اور اخلاق تک رسائی بغیر اعمال کے ممکن نہیں ہے۔

اصل عبارت یہ ہے:۔

بدانکہ طریقۂ شیوخ سلف رحمۃ اللہ علیہم استقامت ہمت بہ متابعت مہترِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اول قدم طالب در متابعت بعد از تصحیح توبہ بر اعمال او صلی اللہ علیہ وسلم۔ و مرتبۂ دویم متابعت بر اخلاق او صلی اللہ علیہ وسلم۔ و مرتبۂ سوم یافت احوال ہمچوں او صلی اللہ علیہ وسلم و نہایت کار استقامت است بر احوال و آں صفتِ روح است و اخلاق صفتِ دل۔ و اعمال صفت جوارح و استقامت بر احوال کہ نہایت ہمہ سعادتہا است ممکن نہ گردد الا بعد از استقامت بر اخلاق و استقامت بر اخلاق میسر نہ شود الا بعد از استقامت بر اعمال۔ (مقدمہ فتوح الاوراد)

حضرتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال۔ اخلاق۔ احوال کی اتباع کے فوائد اور مدارج مختلف دلائل و تمثیلات پیش کرکے پابند رہنے کی تاکید کے بعد شریعت کے مطابق بارگاہ الٰہی میں دعا اور التجا پیش کرنے کی

نوعیت اور بزرگان سلف کی مخصوص ہدایات لکھ کر ان مخصوص و مستند کتب کے نام جن سے اوراد اخذ کئے گئے ہیں درج فرمائے جو حسب ذیل ہیں باین الفاظ

پس این تذکرہ مبارک است مرکتابہا را کہ برآوردم اوراد از ان کتابہا — یکے صحاح ستہ مسمیٰ بجامع الاصول شیخ ابن اثیر الجلبی —

دوم جمع الجوامع - امام سیوطی - سوم منہاج العمال شیخ علی متقی چہارم مشکوٰۃ المصابیح شیخ ولی الدین تبریزی - پنجم عمل الیوم واللیل حافظ جلال الدین الصلاحی - ششم اذکار نووی - ہفتم قول بدیع حافظ ابوالخیر السخاوی ہشتم حصن الحصین امام الجزری - نہم فضائل الاعمال حافظ ابونعیم الاصفہانی - دہم غنیۃ الطالبین - غوث الثقلین محی الدین الجیلانی - یازدہم وظائف النبی - شیخ عبدالنبی —

این یازدہ کتب است از کتب حدیث - اما از کتب مشائخ - یکے ازان عوارف شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی - دوم فتاوائے صوفیہ شیخ فضل اللہ خلیفہ شیخ رکن الدین ولد شیخ بہاؤالدین ذکریا - سوم خزانہ جلالی شیخ احمد خلیفہ سید جلال الدین بخاری چہارم جواہر جلالی شیخ فضل اللہ عباسی خلیفہ مذکور - پنجم اوراد مخدوم شیخ بہاؤالدین ذکریا - ششم شرح اوراد مذکور مسمیٰ بہ کنز العباد للشیخ احمد غوری خلیفہ شیخ رکن الدین - ہفتم خالصۃ الحقائق شیخ

ابوالقاسم فاریابی ۔ ہشتم اوراد مخدوم یشیخ زین الدین مسمی به وردالاوراد الصحیح الاسناد ۔ نہم جواہر خمسہ الشیخ محمد غوث ۔ دہم اوراد صوفیہ شیخ عبداللہ شطاری خلیفہ شیخ مذکور ۔ یازدہم مفتاح الجنان یشیخ محمد غوث ۔ دوازدہم اوراد صوفیہ یشیخ ... خلفاے سلسلۂ سہروردی ۔

پس این دوازدہ کتب است از کتب مشائخ وسوائے آن نیز نقل از کتابہاے دیگر از حدیث وفقہ گرفتہ شدہ ۔ وقتے کہ در اکثر کتب آوردہ است بجوہم اشارۃ باین اوراد است وتصدنہ کردم باین جمع مگر از جہت عمل خود وعمل اولاد خود وعمل دوستان خود بروجہے کہ لائق تر وافضل تر نزد من ۔ واللہ ولی التوفیق ۔

(مقدمہ فتوح الاوراد ۔)

اس کتاب کی ترتیب وتدوین کا یہ اہتمام اور وہ بھی نام ونمود اور شہرت واشاعت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنے اور اپنی اولاد واحباب میں جو آپ کی نگاہ میں لائق تر اور افضل تر ہو اسکے عمل کے لیے ۔

کتاب کے عنوانات میں باب کے بجائے فتح اور فصل کے بجائے ذکر مندرج ہے ۔ لہٰذا عبارت یا مفہوم بھی فتح وذکر کے حوالہ سے پیش کرتا ہوں ۔ مقدمہ کے الفاظ سامنے ہیں اور ان کا یہ مفہوم وتاکید بھی کہ مشائخ کا طریقہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال واحوال کی اتباع پر قائم رہتا ہے ۔ اس پوری کتاب میں یہ التزام اس پابندی واہتمام کے ساتھ

ملتا ہے کہ جملہ عبادات وردو وظائف اور دعاؤں میں آنحضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عملیات، طریقۂ طہارت، نمازوں میں قرأت کی نشاندہی ومقدار یہاں تک کہ حرکات وسکنات اور ہر رکن کی جزئیات تک کی اتباع کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور ہر چیز کے متعلق مستند حوالے پیش کئے ہیں۔ مثلاً

فتح اول ذکر ہشتم۔

اس ذکر میں مسجد میں داخل ہونے اور باہر آنے کے آداب واعمال کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے داہنا پاؤں اندر لے جائے اور اسوقت یہ دعا پڑھے۔

اعوذ باللہ العظیم۔ وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم۔ کہ عمل پیغمبر بود صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور حضور نے فرمایا جو شخص ایسا کرتا ہے اُس دن وسواس شیطانی سے محفوظ رہتا ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

ومرفوعًا بعدہ الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ

بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ ۔ اللھم اغفر لنا ذنوبنا وافتح ابواب فضلک ورحمتک وسھل لنا ابواب رزقک

کہ کہ احادیث حسنہ صحیحہ میں وارد ہے۔

اور جب مسجد سے باہر آنا چاہے پہلے بایاں پاؤں جانماز پر سے اُٹھائے اور جب مسجد سے باہر نکلنے لگے پہلے بایاں پاؤں مسجد سے باہر کرکے اپنی نعلین کے اوپر رکھے، پھر داہنا پاؤں باہر کرکے اس میں

جوتہ پہن لے اس کے بعد نعلین پر سے بایاں پاؤں اٹھا کر اسمیں بھی جوتہ پہن لے اور اس اثنا میں زبان سے کہے بسم اللّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلك کہ عمل آں سرورِ است صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ صرف مسجد میں جانے اور باہر آنے کے آداب واحتیاط کا ذکر تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی اتباع ہے۔ مسجد کے اندر کن باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تقلید وتاکید کے مطابق ہے دوسری فتح کے ذکر اول میں مذکور ہے کہ مسجد میں جاکر سب سے پہلے دو رکعت تحیۃ مسجد ادا کرے کہ اس نماز کی بڑی فضیلت ہے (خصوصاً ظہر کے وقت) اور اس کے متعلق یہ تاکید ہے کہ اگر جماعت کا انتظار یا کچھ پڑھنا ہو تو یہ دوگانہ ادا کئے بغیر نہ بیٹھے — رواہ البخاری ومسلم وابن حبان وبحرالرائق۔ لیکن وقت کی تنگی کے سبب وقت نہ پائے تو اس کا بدل بھی ہے کلمۂ تمجید پڑھ لے کہ (ایسی صورت میں بھی تحیۃ مسجد کا قائم مقام عمل ہے۔ اور امام نووی کے بقول کلمہ تمجید چار مرتبہ پڑھے۔

اور اگر مسجد میں خس وخاشاک نظر آئے تو صاف کر دے۔ اور ایذا دینے والے حشرات ہوں تو انھیں دور کر دے۔ اسکی جزا بہشت ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کے اس کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ رواہ ابو الشیخ

یہ حرکات مسجد میں ممنوع ہیں۔ مسجد میں سے رہ گزر نہ قرار دے۔ تلوار بے غلاف نہ کرے۔ کمان نہ کھینچے۔ اور تیروں کو منتشر نہ کرے۔ بچوں اور دیوانوں کو مسجد میں

آنے سے باز رکھے۔ مسجد میں خرید وفروخت نہ کرے۔ کسی سے جھگڑا نہ کرے۔ بلند آواز سے نہ بولے۔ حدیں قائم نہ کرے۔ کچا گوشت مسجد میں نہ لیجائے (کہ ابن ماجہ کی روایت کے مطابق حدیث میں وارد ہے) بے ضرورت گفتگو نہ کرے اور ابن ماجہ اور ابن مسعود کی روایت ہے کہ مباح گفتگو بھی مسجد میں ممنوع ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں مسجد میں لوگ فضول گوئی کرینگے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا مسجد میں آنا پسند نہیں فرماتا۔ رواہ ابن حبان۔

اس کتاب کے اسلوب کی خوبی اور ترتیب کی ندرت یہ ہے کہ عملیات اور درود وظائف کے سلسلہ میں محدث صاحب نے مستند حدیثوں اور مصدقہ اقوال کے حوالوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر پہلو کی تمام تر جزئیات اس شرح وبسط سے قلمبند فرمائی ہیں کہ صرف اسی کتاب کو سامنے رکھ کر روشن دماغ اہل قلم آنحضرتؐ کی مفصل ومبسوط سیرت مبارک مرتب کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز گفتگو، طرز تخاطب۔ کھانے پینے پہننے چلنے بیٹھنے سونے کے طریقے، طہارت کی ترتیب، عبادتوں میں ہر نماز میں مقدار قرات دعائیں۔ ورد، ادائے ارکان وظائف واعمال جو . . . . .

مومن اور خصوصاً مشائخ کا لازمہ حیات ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال۔ واحوال کی پیروی کریں۔ پوری کتاب اس دعوے کی دلیل اور بین ثبوت ہے۔

یہ بھی مقدمہ میں ہی مذکور ہے کہ ان اوراد وعملیات کی ترتیب کا مقصد (نام ونمود نہیں بلکہ) خود اپنی ذات اور اپنے قابل ترین فرزندوں واحباب کیلئے

تزکیۂ نفس و قرب الٰہی کا سامان کرنا ہے چنانچہ فتح اول ذکر بستم میں آپ اپنا
ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ

حضرت مسیح الاولیا نے مجھے حصن حصین کا درس دیکر اس کے عمل کی ہدایت
فرمائی اُس وقت میری عمر بارہ سال کی تھی، خود حضرت کا معمول یہ تھا کہ جو ورد اور
دعائیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں پڑھنے کے بعد نو دو نہ نام باری تعالیٰ سات
مرتبہ اور چہل اسم اعظم پڑھتے تھے اور ہر نماز کے بعد بھی ایک مرتبہ ورد کرتے تھے اور
اس کے بعد دعائے سیفی مع تمام دعاؤں کے اور کبھی دعائے سیفی مع دعاے
المغنی پڑھتے تھے اور یہی میرا بھی معمول ہے۔ پھر مسبعات عشر اور وقت ملتا تو مشائخ
کے معمول کے مطابق آیۃ الکرسی اسی ترتیب سے پڑھتے تھے اور وقت نہ ملتا
تو درمیانی وقفہ میں نماز اشراق کے بعد پڑھتے تھے اور اس اثنا میں کسی سے
گفتگو نہ کرتے تھے۔

جس سال آپ کا وصال ہوا اسی سال ماہ شعبان میں مجھ پر خاص عنایت
ہوئی یعنی اپنی اولاد میں سب سے پہلے مجھے آیۃ الکرسی کے عمل کا طریقہ تعلیم
فرمایا (اور میں آپ کی ہدایت کے مطابق اس کا عامل ہوا) آپ کے وصال کے
بعد میرے بڑے بھائی شیخ عبدالستار صاحب نے مجھ سے عمل مذکور کا طریقہ
دریافت فرمایا۔ میں نے بتا دیا اور وہ بھی عامل ہو گئے۔ پھر دیگر احباب نے
بھی مجھ سے معلوم کرکے عامل ہوئے۔ خدا کے فضل و کرم سے یہ عمل تمام
دینی و دنیاوی مہمات اور ظاہری و باطنی ترقیات اور دین و دنیا کی حاجات
برلانے کے لئے مجرب ہے۔ لیکن مرشد کی اجازت کے بغیر فائدہ نہ ہوگا۔
اب یہ پورا عمل خاص ترتیب سے درج ہے۔ کیا چیزیں کس ترتیب

و مقدار سے پڑھی جائیں۔ اسما و آیات کے حروف کا وصل و فصل، اعضا کی حرکات و سکنات طریقہ نشست وغیرہ کا مفصل حال اس دلنشین طریقے سے لکھا ہے کہ عامل آسانی سے اس پر کاربند ہو سکتا ہے۔ لیکن مرشد کامل و عامل کی اجازت ؟۔

آپ اس درجہ کے عامل نہ صرف مشائخ زادہ بلکہ اپنے عہد کے برگزیدہ اعمال شیخ تھے، لیکن پھر بھی آپ نے خانقاہ کے مقابلہ میں مدرسہ کو کیوں ترجیح دی حالانکہ خانقاہ کا نہایت منظم کاروبار شیخ عبدالستار کی ناوقت رحلت کے بعد خود ہی آپ سے متعلق ہو گیا تھا۔ جس کو آپ نے اپنے والد کے ممتاز ترین خلیفہ شیخ برہان الدین راز الٰہی کی طرف رجوع کر دیا اور آپ مسیح الاولیا کے مدرسہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کا جواب بھی فتوح الاوراد سے ملتا ہے۔ اور وہ بھی اتباعِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض و غایت سے۔ فتح اول ذکر بست و دوم میں علم اور درس کی فضیلت، نیز بیکاری سے احتراز کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں :۔

حضرت مسیح الاولیا اشراق تک کے عمل و وظائف سے فارغ ہو کر مدرسہ میں تشریف لاتے اور تکیہ لگا کر فرش پر بیٹھ کر درس دینے میں مشغول ہو جاتے۔ فرماتے ہیں اگر یہ شغل میسر آئے مبارک ہے۔ منہج العمال میں ہے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساعۃ من عالم متکی علی فراشہ ینظر فی علمہ خیر من عبادۃ العابد سبعین عاما رواہ الدیلمی فی الفردوس عن جابر وایضاً فیہ مرفوعا فضل العالم علی

العابد كفضلی علی ادنٰکم۔ ان اللہ و ملٰئکتہٗ واھل السمٰوٰت والارضین حتی النملۃ فی جحرھا وحتی الحوت فی البحر یصلون علی معلم الناس الخیر رواہ الترمذی عن ابی امامۃ ۔ وایضا فیہ مرفوعا العلماء ورثۃ الانبیا یحبھم اھل السماء ویستغفر لھم الحیتان فی البحر اذا ماتوا الی یوم القیمۃ ۔

اور فرماتے ہیں تین علوم افضل العلوم ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے :۔

العلم ثلثۃ وما سوی ذلک فھو فضلۃ آیۃ محکمۃ ۔ اوسنۃ قائمۃ اوفریضۃ عادلۃ ۔ رواہ ابوداود وابن ماجۃ وغیرہا۔

فرماتے ہیں کہ فریضۂ عادلہ سے مراد علم فقہ ہے جو کتاب وسنت سے معدول کیا گیا ۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

علم دیں فقہ است وتفسیر وحدیث
ہرکہ خواند غیر ایں گردد خبیث

فرماتے ہیں اگر درس دینے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو بقدر ضرورت ان علوم کی طالب علمی کرے کہ حدیث شریف میں ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ ۔ رواہ ابن ماجہ وبیہقی وغیرھما ۔ الی عشرۃ من المحدثین ۔ وایضاً فی الحدیث مرفوعا طلب العلم افضل من عند اللہ من الصلوٰۃ والصیام والحج والجہاد فی سبیل اللہ عزوجل رواہ الدیلمی فی الفردوس وایضاً مرفوعًا الناس رجلان عالم ومتعلم ولاخیر فی سواھما رواہ الطبرانی ۔ وایضا مرفوعا ان المؤذن اذا تعلم بابا من العلم عمل بہ اولم یعمل بہ کان افضل من ان یصلی الف رکعۃ تطوعا رواہ ابن اول ۔ کل ذلک من منھج الاعمال وفی جمع الجوامع مسئلۃ واحدۃ یتعلمھا المومن خیر لہ من عبادۃ سنۃ

ومن عتق رقبۃ رواہ الرافع وغیرہ مرفوعًا وفی مشکوٰۃ المصابیح عن الحسن البصری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جاءہ الموت وھو یطلب العلم لیحیی بہ الاسلام فبینہ وبین النبیین درجۃ واحدۃ رواہ الدارمی مرسلاً۔

چونکہ یہ ذکر ہی فضیلت علم اور درس کی عظمتوں کے بیان سے مخصوص ہے اس سلسلہ میں اور بھی متعدد حدیثیں اور بزرگوں کے اعمال و اقوال نقل کئے ہیں۔ نیز حضرت مسیح الاولیا کا یہ تاکیدی حکم کہ،

جس نے ضروری علم حاصل کرلیا ہے۔ اس کے لئے درس کا شغل درجہ نبوت رکھتا ہے اور یہ مرتبہ دوسری عبادتوں سے میسر نہیں آسکتا۔ حضرت نے مکرر تاکید فرمائی کہ طالب حق کو فرائض اور واجبات کا علم حاصل کرنے کے بعد شریعت کے آداب کے مطابق عمل کرنے میں قلب کو مشغول رکھنا چاہیئے اور اگر ذکر قلبی میں فتور واقع ہوتا ہو تو ذکر لسانی مخفی پر عمل کرے۔ اگر اسمیں بھی نفس کاہلی کرے تو نماز (نوافل) میں مشغول ہوجایے یا قرآن شریف و دعائیں پڑھنے میں مصروف ہوجائے نفس کو کسی حالت میں معطل نہ رہنے دے کہ وہ گمراہی کی طرف رجوع ہوجاتا ہے۔ البتہ عیالداری ہو تو کسب حلال میں مصروفیت مناسب ہے۔

مسیح الاولیا کا دستور تھا کہ درس کے بعد اسی جگہ دو رکعت صلوٰۃ ضحےٰ پڑھتے تھے اور کبھی دولت خانہ میں جاکر تازہ وضو سے صلوٰۃ ضحےٰ پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں میرا بھی یہی دستور ہے صلوٰۃ ضحےٰ کی نیت سے (دو یا چار رکعت) جتنی توفیق ہوتی ہے پڑھتا ہوں کیونکہ دوپہر تک درس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آخری جملے یہ ہیں۔

فقیر نیز در ہمیں وقت بہ نیت ضحیٰ ہر چہ توفیق می شود می خواند۔
بسبب مشغلہ درس کہ تا دوپہر می کشد۔
(فتوح الاوراد۔ فتح اول ذکر بست و دوم)

ایک اور مقام پر فتح چہارم ذکر ششم میں حلقۂ ذکر بعد نماز مغرب کا بیان لکھتے ہوئے اس شغل کی پوری تفصیل بیان کر گئے ہیں کہ حضرت مسیح الاولیا طالبان حق کو کس طرح بیٹھنے کا حکم فرماتے تھے زانو کس زاویہ پر۔ پاؤں کی کونسی انگلیاں کس وضع میں ہاتھ اور کندھے کس حالت میں اور پھر کلمات ادا کرتے وقت کس خاص حرف پر زور دینا۔ سر کتنا جھکانا وغیرہ وغیرہ۔ آپ جن کو کچھ بھی فرق کی حالت میں دیکھتے اپنے ہاتھ سے برابر کر دیتے۔ شغل کے دوران میں کسی سے تقدیم و تاخیر یا فرق کا مظاہرہ ہوتا تو دستک کی آواز سے متوجہ فرما دیتے۔ ذکر ختم ہونے پر حضرت شیخ قاسم اور شیخ طاہر قدس سرہما کی ارواح کو فاتحہ پہنچاتے اپنے پیرو مرشد حضرت شاہ لشکر قدس سرہٗ کی روح کو ثواب بخشتے پھر دعا مانگتے۔ عموماً آپ کی دعا یہ ہوتی کہ حصول مرادات دینی و دنیاوی۔ حاضرین مجلس کی سلامتی وعشق و اطاعت حق کی زیادتی اور فسق و فجور اور معصیت سے نجات اور ظاہری و باطنی دشمنوں کی مقہوری ہو۔ فاتحہ کے اول و آخر درود شریف پڑھتے اور اپنے پیر کے نام پر ختم فرماتے۔

شغل سے فارغ ہوتے ہی آپ کو (بابا فتح محمد کو) اور دیگر مریدوں کو انوار الاسرار (تفسیر مصنفہ مسیح الاولیا) یا عین المعانی کا درس دیتے یہاں تک کہ نماز عشاء کا وقت آجاتا۔ اور یہ دستور بزرگان سلف کے اس

دستورالعمل کے مطابق کہ مغرب وعشاء کے درمیان مقررہ تین اشغال میں سے کسی ایک شغل میں مشغولیت ضروری ہے اور وہ اشغالِ ثلاثہ یہ ہیں۔ ۱۔ دینی علوم کا درس دینا۔ ۲۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ ۳۔ ایسے علم و عمل کا مطالعہ کرنا جس کا تعلق اعمالِ خیر سے ہو۔ حتیٰ کہ عشاء کا مستحب وقت آجائے۔

قابلِ لحاظ یہ نکتہ ہے کہ یہاں بھی اشغالِ ثلاثہ میں درس کو اولیت حاصل ہے۔ چنانچہ آپ نے درس کا شغل اختیار کیا اور حضرت مسیح الاولیاء کی رحلت کے بعد سے ۳۵۔۳۶ سال تک دلچسپی اور انہماک سے اسی میں مشغول رہے اور ہجرت کے بعد بھی مدینہ منورہ میں ۱۳۔۱۴ سال بقید حیات رہے۔ ممکن ہے وہاں بھی یہی مشغلہ رہا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

آپ کے درس کی شان اور علم و فضل کا رعب و دبدبہ کیا تھا یہ ذکر روائح الانفاس کی ایک روایت میں ملاحظہ ہو۔ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ

ایک دن شاہ بچو جو ایک مجذوب ہیں مجھ سے ملنے آئے اور خاندانی وضع پر سلام کیا اور دریچہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگے اگر کوئی ایک بڑا سا پتھر اس دریچہ پر مار دے اور یہ اس سے زیادہ وسیع ہو جائے تو کیا ہو۔ میں نے کہا تم چاہتے ہو کہ یہ مکان زیادہ وسیع ہو جائے۔ وہ مسکرا دیئے۔ کچھ دیر بعد کہا مجھے کوچہ گردی کی عادت ہو گئی ہے اگر اجازت دیں تو میں اپنے شغل میں مصروف ہو جاؤں۔ میں نے اجازت دیدی اور اُن کے ساتھی عبدالرحمٰن قلندر کو بھی تاکید کر کے روانہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ رہے عبدالرحمٰن نے واپس آکر بیان کیا کہ شاہ بچو یہاں سے روانہ ہو کر حضرت

بابا فتح محمد کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچے وہ درس دے رہے تھے۔ شاہ بچو نے ارادہ کیا کہ خانقاہ کے اندر داخل ہوں۔ مگر فوراً ہی واپس ہو گئے اور مجھ سے کہا یہاں سے بھاگ چلنا چاہیئے اور بے ساختہ ایسے بھاگ کھڑے ہوئے جیسے کمان سے تیر۔

حضرت راز الٰہی فرماتے ہیں کہ میں نے عبد الرحمٰن سے یہ واقعہ سن کر کہا کہ ان (شیخ بچو) کا تعلق اہلِ مراقبہ سے ہے۔ علماء کی صحبت ان کے موافق نہیں آسکتی۔

یہاں قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ مجذوب کی قوت احساس معدوم ہو جاتی ہے۔ اس کو موسم کے شدائد۔ سردی۔ گرمی۔ رنج۔ راحت۔ اچھا۔ بُرا۔ دکھ درد کسی چیز کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ پھر حفظ مراتب اور پاسِ ادب میں تو کبھی صاحبِ ہوش سے بھی فروگذاشت ہو جاتی ہے۔ مگر یہ کیا ہے کہ شاہ بچو مجذوب ذرا توقف کے متحمل نہیں ہو سکتے اور بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس روایت کی اصل عبارت یہ ہے :-

میفرمود مرد رے شاہ بچو نام[1] مجذوبے بملاقاتِ من آمد و برسم خاندلیس سلام کرد و بغرفہ خانہ نگران شد تا آنکہ گفت چہ شود اگر کسے سنگے کلانے بدیں غرفہ زند تا از آنچہ ہست فراخ تر آید۔ گفتم میخواہید کہ این

---

[1] شاہ بچو صاحب حال سالک تھے ان کے حالات کا وضاحت سے مستند طور پر علم نہ ہو سکا کہ ان کو کس خانوادہ سے روحانی تعلق تھا۔ مقامی طور پر مشہور ہے کہ آپ سپاہی پیشہ تھے۔ حضرت عالمگیر بادشاہ غازی کے توپ خانہ میں ملازم تھے اور بڑے مشاق اور گولہ انداز تھے۔ حواس قائم رہنے تک شاہی فوجوں کے ساتھ قلعہ کشائی کی خدمات انجام دیں۔ جذب کی شدت ہوئی تو برہانپور کے کوچہ و بازار میں پھرا کرتے تھے۔ اور موٹا سا ڈنڈا اور ایک پتھر ساتھ رکھتے تھے۔ ان دونوں چیزوں کو کبھی اپنے سے جدا نہیں کیا۔ کہتے تھے یہ شاہ بچو کی توپ ہے اور یہ گولہ۔ پتہ نہیں آپ کا کب وصال ہوا۔ برہانپور میں راجپورہ دروازہ کے باہر آپ کے مزار پر بہت خوب صورت چھوٹا سا گنبد بنا ہوا ہے گنبد کے اندر آپ کے مزار کے متوازی توپ کی بھی چھوٹی سی قبر بنی ہوئی ہے۔ سنگ خارا کی ایک بڑی سل کو تراش کر تعویذ لحد بنایا گیا ہے اور اطراف خوش

خانہ وسیع تر گردد۔ تبسم نمود و بعد از ساعتے گفت کہ مرا عادت
کوچہ گردی معتاد شدہ اگر رخصت دہند بکار خود باشم ۔
مرخص نمودم و درویشے آزاد کیشے عبدالرحمٰن نام با او ہمراہ بود
او را نیز رخصت نمودم کہ بشرط رفاقت و آئینِ مروت اندکے
راہ موافقت کند۔ تا رسیدند بدروازۂ خانقاہے کہ با بافتح محمد
محدث رحمۃ اللہ علیہ دریں مفرمودند شاہ بچہ بمراتب قصد آن کرد کہ
بخانقاہ درآید و باز پس گردید۔ پس روسوئے درویشے کہ ہمراہ
وے بود آورد و گفت۔ ازینجا باید گریخت چنان کہ زاغ از کمان
چون درویش مرخص شدہ نزد من آمد حالت گذشتہ باز گفت۔
گفتم او راز اہلِ مراقبہ است صحبتِ اہلِ مطالعہ اش موافق نیامد۔
(روائح الانفاس قلمی صفحہ ۹)

جہاں تک معلوم ہو سکا ہے آپکی تمام تصنیفات مشغلۂ درس کے زمانہ
ہی میں معرض وجود میں آئی ہیں، چنانچہ چند جو معتبر اور متعارف ہیں ان کے
علاوہ بھی بعض رسائل آپکے ایسے ملتے ہیں جو زیادہ لوگوں تک نہ پہنچ سکے۔ مجھے
ایسی جن چیزوں کا علم ہوا ان میں ایک رسالہ مستحب وقتِ عشاء و ظہر
کا خود آپ نے فتوح الاوراد میں ذکر کیا ہے۔ نماز عشاء کے مستحب وقت کے
تذکرہ میں فتح المذاہب کا حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔
کما ینبغی از فتح المذاہب تفصیل حدیث و تحقیق آن نوشتہ است۔ بلکہ
علی الخصوص بجہت مستحب وقت عشاء و وقت ظہر رسالہ جداگانہ

نوشتہ اگر توفیق یابد مطالعہ نماید۔ ز فتوح الاوراد۔ فتح چہارم ذکر ششم

اسی طرح رسالہ جہۃ الکعبہ جس کا ذکر مفتاح الصلوٰۃ کے سلسلہ بیان میں آچکا ہے جداگانہ چیز ہے۔ لیکن وہ بھی آپ کی فہرست تصانیف میں شریک نہیں پایا جاتا۔

اور بالکل اسی طرح آپ کی ایک صوفیانہ مختصر مثنوی "دربیان تنزل الحق جل وعلیٰ بعقیدۂ صوفیاے قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم" عجیب طرح سے منصۂ شہود پر آئی۔ اور اس کے انکشاف کی سعیِ بلیغ کا سہرا میرے دو ہم وطن علم دوست احباب کے سر ہے جناب شیخ فرید الدین ایم اے نے اپنے علمی ذوق کی جستجو میں احمد آباد گجرات کے ایک کتب خانہ کے مخطوطات سے اسکی نقل حاصل کی اور جناب مولوی بشیر محمد خاں ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈوکیٹ برہانپوری نے اسکو اپنے مقالہ میں منسلک کرکے رسالہ معارف ۶؎ جلد ۶ میں شائع فرمادیا۔

مذکورۃ الصدر مقالہ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہ کے حالات پر مبنی ہے اور مثنوی مذکور بھی خوش فہمی کی بنا پر شیخ موصوف ہی سے منسوب کردیگئی ہے۔ لیکن اسی ضمن میں چند جملے ایسے بھی ملتے ہیں جن سے بے یقینی و تذبذب سا پایا جاتا ہے۔ مقالہ نگار فرماتے ہیں :۔

"اس مثنوی میں کل ۱۵۳ اشعار ہیں۔ مگر تخلص کسی جگہ بھی نہیں ہے البتہ ایک شعر میں حضرت عیسیٰ جند اللہ کی جانب جن کے آپ خلیفہ تھے اشارہ ہے۔ وہ شعر یہ ہے :۔ ؎

عیسوی را عشق او بیخود نمود

عشق را بے سود داں اے اہل خود

۶؎ معارف میں بھی علی کا "ملا علی" ہی چھپا ہے اور مجھ بالا با لا جو نقل پہنچی اس میں بھی یہی املا ہے

چونکہ محترم ایڈوکیٹ صاحب کو آگہی نہ ہو سکی کہ عیسوی بابا فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ کا تخلص ہے۔ جیسا کہ میں مفتاح الصلوٰۃ کی مندرجہ نظم میں پیش کر آیا ہوں نیز حضرت رازالٰہی قدس سرہ نے بُرہان تخلص اختیار کیا ہوا تھا۔ اسی تذکرہ میں حضرت رازالٰہی قدس سرہٗ کے اذکار جو میں نے مرتب کئے ہیں اس میں بھی اس خوش فہمی پر روشنی ڈالتے ہوئے شیخ موصوف کا دو شعر پیش کیا ہے جس میں برہان تخلص موجود ہے۔ نیز ہر دو حضرات کا بصمیم قلب شکریہ ادا کر کے ظاہر کر دیا ہے کہ یہ مثنوی بلاشبہ حضرت بابا فتح محمد محدث قدس سرہٗ کی ثابت ہو رہی ہے۔ لہذا میں ان کے ذکر میں مندرج کرنے میں حق بجانب ہوں۔ ایڈوکیٹ صاحب محترم نے ۱۵۳ اشعار کی نشاندہی کی ہے لیکن معارف میں صرف ۱۸ شعر چھپے ہیں مجھے خیال ہوا کہ یہ ایک گمشدہ چیز ہے حضرت محدث صاحب کے ذکر میں سب اشعار محفوظ ہو جائیں تو مناسب ہو گا۔ برہانپور خط و کتابت کی۔ عزیزم شیخ فریدالدین صاحب برہانپور سے باہر کہیں ملازمت پر ہیں۔ میرے ایک محب نے ان سے مثنوی طلب کی تو انھوں نے نقل کرا دی لیکن صرف ۹۲ اشعار ملے میں نے پھر لکھا کہ تمام ۱۵۳ شعر ہیں لکھ بھیجو اتفاق سے شیخ فرید سے براہ راست ربط قائم ہو گیا موصوف نے اپنی مصروفیتوں سے وقت نکال کر پوری نقل عنایت فرما دی جس کو یہاں نقل کر رہا ہوں۔ احمد آباد کے مخطوطہ میں کتابت کی غلطیاں بڑی کثرت سے ہیں۔ اس نقل میں سہو کتابت کی حد تک درستی کر لی گئی ہے۔ لیکن جہاں مضمون خبط ہے یا مصرعے ہی غائب ہیں اس مقام کو علیٰ حالہٖ نقل کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اس میں درستی کرنا دست اندازی میں داخل تھا یہ جسارت مجھ سے نہ کی گئی۔ مثنوی حسب ذیل ہے :-

---

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ سیما علیٰ سیدنا المصطفیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین -

بیان تنزل حق جل وعلا بعقیدۂ صوفیا قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم اجمعین -

ذات حق چوں بود اول بے نشان ‏ نے تعین داشت نے نام ونشان

او وجود صرف بود و ذات بحت ‏ زاں معریٰ از حقیقت بود نعت

از ظہور واز بطون واز صفات ‏ او معرا بود واز جملہ جہات

نیست از نعت ونسب آن ذات را ‏ تا کہ او را بے نشان گفتن خطاست

انبعاثے شد ازاں دریائے جود ‏ تا کہ ظاہر گشت از وے این نمود

بے نشاں اندر نشاں زاں آمدہ ‏ لاتعین در تعینہا شدہ

آمدش در علم ذات بحت خویش ‏ آنچہ قابل بود زاں آمد نہ بیش

بر نشانِ بے نشان خود پدید ‏ لاتعین در تعین شد پدید

گشت ظاہر در کمال خویشتن ‏ آنچہ اول بود وآخر ذوالمنن

عاشق آمد مر کمال خویش را ‏ خواست تا جوید وصال خویش را

فیض بخشد خستہ ودل ریش را ‏ تا بدست آرد دل درویش را

وحدتے ظاہر شدہ اجمال وار ‏ قابل تفصیل بودست وشمار

جملہ شانہائے وجود خویش دید ‏ غیر او اندر میاں نا پدید

این حقیقت شد شہ کونین را ‏ زد رسد ہر فیض بہ سرد و سرا

ہست اینہا ہیئت خیر جہاں ‏ قاب قوسین است المیانزان

ملک ادنیٰ اشارت زان بود ‏ نزد اہل حق حقیقت آن بود

وحدتش را وصفت ضامن بود ‏ زانکہ او را ظاہر و باطن بود

باطن اورا احد گویند نام — ظاهرش واحد بود عند الکرام

آن احد باشد منزه از صفات — هست بی‌چون و معرا از جهات

واحد آمد متصف اوصاف را — جمله در وی هست بی‌چون و چرا

وحدت اولا بشرط شی بود — لیک هر دو قوس مرط شی بود

قوس ظاهر شرط کل شی را بدان — هر دو عالم زو همه آرد نشان

شرط اشیا جملگی در واحد است — هم ثبوتی وصف سلبی بی‌شک است

قوس باطن شرط لاشی گفته‌اند — باز تجریدیش تجرید کرده اند

یعنی آنجا نیست ثابت این صفات — بلکه تجرید است وصف سلب ذات

چونکه واحد خویش را تفصیل دید — واجب و ممکن در اسمش شد پدید

نام خود را غیر خود در خود نهاد — تا دهد اسمائی خود را خویش داد

ذات واحد هست از کثرت بری — اقتضای اسمها گرد آوری

ظاهر و باطن شد این واحد وجود — تا نه بیند وضعها اندر شهود

خالق و مخلوق خود را نام زد — تا که واحد آمده اندر عدد

ظاهرش واجب شناس و دال الله — باطنش ممکن بدان بی اشتباه

معنی ممکن بدان ای جان من — تا شوی آگه ز سر ذو المنن

ذات واحد چون لباس اندر شود — در میان آن چنین ممکن بود

بود باطن بحر عالم کاندرو — هست تفصیل دو عالم شجره زو

مندرج در وی نشانها جهان — همچو بوی گل که اندر وی نهان

جزو و کل بی ظرف در وی منتظم — بلکه بود نه چون عوارض ملتزم

عارضست غیر از عرض تو ہو شذار   تا اگر معلوم باشد ہم گذار

وجہ ظاہر ہست حقِ ذو الجلال   متصف دائم باوصافِ کمال

وجہ باطن چوں بامکان داشت رو   جملگی اوصاف نقصان داشت او

باشیون تفصیل ایں وجہیں بود   واجب و ممکن ازو ظاہر شود

ناقص است اعیان عالم فرد فرد   خویشتن را ناقص بہر خویش کرد

نقص وے از بہر تفسیر است و بس   ورنہ کامل ہست حق و ہر نفس

این تغیر ہست در اوصاف او   تا بہائے اوست آید کاندرو

ذات بے تغیر باشد دائما[۱]   . . . .

. . . .   چونکہ من وجہ ہو الکامل بود

این کمال و نقص ز اسمائش رسد   زانکہ ہر اسمش تقاضا این بود

زو ہزار و یک چنیں اسما شمر   از صفات ایزدی این شرده خبر

پل صفات او چو ذاتش بے حد است   زان مظاہر ہاش بے حد و عد است

بہر تمثیلش بیارم زاں عدد   گر مثل واضح شود ہر نیک و بد

گر نبودے در جہاں ایں کفر و فسق   المضل را با کہ بودے جذب و عشق

اسم ہادی طالب ایماں بود   غافر الذنب باعثِ عصیان بود

جملہ اوصافش جمال است یا جلال   تو ہمہ را زین دو صد بشناس حال

زین نمط اعیانِ عالم شد پدید   ہر یکے صد اقتضا بیروں کشید

۱؎ مخطوطہ میں غالباً دونوں اشعار کا ایک ایک مصرعہ ترک ہوگیا ہے ۔

علم واجب چون ہمہ باشد محیط ‏ موجبِ او حکم کردہ آن بسیط

کرد اعیان خواہشِ ہر چیز ما ‏ واد ہم چون جملہ بیچون و چرا

گر ثواب استے عتاب است آن ازو ‏ جود حق تخمے بجنبل وارد اندرو

بعد از انشش قصدِ ایجادش شد ‏ با دو عالم درمیان خیمہ زدہ

چون جمالِ خویشش پنہانی بدید ‏ گنج مخفی خواست تا گردد پدید

تا شود عارف بخود در مظہرش ‏ کرد خود را بہرِ عالم مصدرش

کُنتُ کنزاً مخفیاً ازوے خبر ‏ داد اہل علم را خیر البشر

نور باطن یک نفس جمان ازو ‏ قائم ہست با حق چو ظل شمس تو

ظلِ حق نور است جودِ عام او ‏ زانکہ نور شمس باشد ظل او

شد الم تر ربک او را بیان ‏ کیف مد الظل از قرآن بخوان

عارضت اعیان بود بے ہیچ شک ‏ یوفکا عنہ من کان افک

آن وجودش ہست دائم در نظر ‏ ہست اعیان در قدم باقی صور

حکم و آثارش بروں گردد عیان ‏ زان شود تغیر این ہر دو جہان

قائم است با او صور چون با نفس ‏ ہست قائم حرفہا ے گفتہ بس

دائما امثال مبدل میشود ‏ تا ابد این حکم ظاہر می شود

جملہ اسرار جہانِ بے عدد ‏ ہمچنین گرد و ظہورش تا ابد

منقطع گردد چو از ما این نفس ‏ حرف از نامے نیاید بیش و بس

می شود باطن نفس اندر سفر ‏ ہر چہ ظاہر بود از ما کرّ و فر

حرف و صوتے نیست کاندر درمیان ‏ صد ثواب آمد برائے اہل آن

چون شود فارغ ازیں داد و ستد ‏ ہر یک از اسمش قدم بیرون نہد

جنت و نار است پیدا بہر آن ‏ دائما قرآن ازو دارد بیان

اسم هادی سوی جنت می برد　　المضل خود سوی دوزخ می برد
هست در جنت نعیمِ ذوالجلال　　در جهنم نقمتِ صاحب جلال
لیک حق راضی نخواهد دل آست　　زانکه این و عفش زمرضیِ دل است
میرسد انواعِ نعمت و انشاء　　از جزاء و از لقاء و از رضا
حد و عدی نیست این اقسام را　　در عنان هرنا ورم اقلام را
گر بود اشجار این عالم قلم　　در رقم ناید از و یک شمه هم
هست در قرآن ازین معنی خبر　　نه بخوان الوان فی ارض شجر
فرقهٔ ثانی باسم خود رسید　　آمد از وصلش باو لذت پدید
لذتِ چون اہلِ دنیا را در آن　　باشد ار چه هست آن بهره مان
لیک این لذت بود چون منقسم　　پاک سازد کل ایشان را ز اسم
یعنی انواع عذابش میرسد　　تا که هادی انتظام خود کشد
رفته رفته آن علم عادت کند　　چون سمندر نار را راحت کند
در خیال خویش لذت می کند　　گرچه باشد آن عذابِ مستمند
هر دو فرقهٔ خالد اند اندر مقام　　نیست اینجا هیچ شبه والسلام
دائما ظاهر شود بر هر فریق　　حکم اسمِ خویش فی..... الطریق
چون شد او دو غایت این اسم او　　پس برون آیم از اخبار او
این سخن پایان ندارد گوش کن
سرّ اسرار خدا را هوش کن

ولهٗ

یار آمد در لباسِ دیگران　　این بود کنز خدا خوش بگیر دان
بے نشان آمد نشانِ بے نشان　　هان مشو غافل ز روی دید آن

نوراو پیدا تر است از آفتاب ‎ ‎ از رخ ہر ذرہ تاباں بے حجاب
جلوہ ہا دارد ز ذراتِ جہاں ‎ ‎ می نماید عاشقاں را بے گماں
روے او آمد دلیل روی او ‎ ‎ چشم بکشاؤ ببینش چار سو
ہیچ دانی چشم بکشادست چیست ‎ ‎ در حجاب نا شوی ہرگز بایست
این حقیقت را مجو اندر کتاب ‎ ‎ زانکہ از روے می نیاید یک جواب
سرّ این معنی بجو از اہل دل ‎ ‎ تا نمانی در قیامت تو خجل
ہر کہ او از ماسوا فارغ بود ‎ ‎ او بنزد اہلِ دل باحق شود
اہلِ دل را کار واسنے دیگر است ‎ ‎ این جماعت را نشانے دیگر است
زانکہ ایشان فانی مطلق شدند ‎ ‎ محو دریاے وجود خود شدند
با خدا لیست ہر کہ با ایشاں نشست ‎ ‎ چونکہ ایشاں با خدا ہستند مست
یار آمد از وراے ایں حجاب ‎ ‎ ہمچناں در میغ پنہاں آفتاب
چوں علاقہ نور انوار است جو ‎ ‎ اینما تولوا ثم وجهه
یار بے اعتماد ہست ایں خوبرو ‎ ‎ کل شیء هالك الا وجهه
گر ہمی خواہی کہ یابی زو نشان ‎ ‎ بے تعلق شو ز جملہ خانماں
گفت آں سلطانِ عرفان اہل دل ‎ ‎ یک قدم باشد طریق یا بہ گل
از خدا جل و علا پرسید مش ‎ ‎ چوں برفتم ہمچنیں بے دیدمش
ہر چہ مبنی خواست بیں تم اسبق ‎ ‎ نفس خود را وہ بہل آئے امر حق
ہیچ دانی از خودی بیروں شدن ‎ ‎ لذت و شہوت ہمہ کل برہم زدن
خواہش اندر باطن از دنیا و دیں ‎ ‎ جز لقاے حق نباشد بالیقین

چوں نصیبے از لقا حاصل شود — در رضائے حق طلب کامل شود

اندر رضا حاصل شود عالی مقام — تا فنا ایں شیوہ ماند والسلام

بعد ازاں از بود خود خالی شود — وہم غیریت ز دل بر افگند

تا توانی باتو بود اندر کیساں — می نیابی نور ہا از خود نشاں

چوں برستی از خودی گشتی تو فرد — درمیان عارفاں ہستی تو مرد

بعد ازاں آں یار جلوہ میکند — شاخ ایں گلبن ثمر ہا می دہد

آزمودن یک زخود راہِ سہل — تا بہ چینی صد گل از بستانِ دل

اعتقاد فرقۂ حق را گزیں — عارفِ اسرارِ حق شو بالیقیں

چوں توئی در نقش علمی پس چرا — خویش را ہستی بہر بے ماجرا

عارفِ آں ہست گشتی تا کہ تو — جلوۂ اسما دہد ہر چار سو

عقل ہرگز ایں خودی برہم نزد — چونکہ وہمش کردہ است از راہ رد

عاقلاں زاں گفتہ اند لے مرد راہ — کور جستن مانع است بے اشتباہ

رو طلب کن عشق او تا ہیچ شے — می نیاید اندرونِ تو زنے

زاں پیمبر گفت دل حرم خداست — غیر آید در حرم ایں کے رواست

عقل آمد راہ ما را چوں عقیل — عشق رہبر شد بما نعم الدلیل

حاصل ہر دو جہاں گویم تمام — عشق باید عشق باقی والسلام

نافِ عشق از ما سوا فارغ شود — خبر نہ کہ ذاتِ حق دم در کشد

ذکرِ حق از دل بسوزد جملہ را — می نیابد اندرونِ ما سوا

عیسوی را عشق او بخود نمود — عشق را بے سو بطلاں اہل خرد

عشق حق را او تنزل آورد — باز عشقش در تعرج می برد

حرف از عشقش بیان نامد زبان — دم کشیدن بیناست از گفت آن

گر ز عشق او بگویم نیم گام — عمرها فانی شود نے این تمام

مجملاً یک حرف زو گویم بشنو — عشق او او را کشیده کو بکو

تا شده ظاهر جمالش در دو کون — جذب عشقش می کند اندر شیون

عشق او را میرساند تا بخود — حسن او را می نماید تا ابد

باز ظاهر شد بہ اطوار حسن — چشم بکشاده بحسن خویشتن

تا جمالش ظاهر از ہر ذره شد — بے دلاں را از ولایش بہره شد

گر نبودے اینچنیں انوار او — کے شدے مر عاشقاں را یار او

اندرون پرده است آں چوں دلیل — چونکہ بے پرده شود خوب است چو

ما و من را پرده خود ساخته — تا بخود بر خود نظر انداخته

خود شده عاشق بروی خویشتن — کس نباشد درمیان تو و من

نیست گشته خود شده امرا جو — در درون شہر اندر چارسو

از انا الحق دم زند منصور وار — در شریعت خود شده بالائے دار

عاشق معشوق خود ہست و بس — درمیاں ناید بجز او ہیچکس

ختم کن آخر ندارد ایں سخن — عیسوی جز مشرب خود دم مزن

اعتقاد صوفیا گفتم تمام — در عمل آرید یاراں والسلام

من نہ گویم سر اسرار ازل — خود چہ گوید پیش خود آں بے مثل

اوست اول اوست آخر در جہاں
اوست ظاہر اوست باطن بیگماں

یہ مثنوی نقل در نقل میں کتابت کی بکثرت ناقابلِ فہم اغلاط کی وجہ سے اپنی اصل حالت سے بہت کچھ تبدیل ہو کر ہم تک پہنچی ہے: تاہم نفسِ مضمون کے لحاظ سے اپنی صوفیانہ عظمت کی آئینہ دار ہے۔ وحدتِ وجود کے سلسلہ میں نہایت عارفانہ رموز و کنایات سے سرتاپا مرصع ہے۔ اور ان اشعار میں دو جگہ تخلص آیا ہے۔ اولین تخلص کے شعر کا مصرعۂ ثانی کاتبوں کی لاپروائی کے باعث ایسی صورت میں آگیا ہے کہ اصل مصرعہ کیا ہوگا ذہن میں نہیں آتا۔ دوسری جگہ کاتب صاحب نے تخلص ہی پر ہاتھ صاف کیا تھا یعنی اسطرح لکھدیا تھا۔ ؎

این سخن آخر ندارد ختم کن
عشق وی از مشرب خود دم مزن

ظاہر ہے کہ "عشق وئی" یا "عشق وے" کوئی چیز نہیں، یہاں علیسوی کے سوا کوئی لفظ نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ کن اور مزن باہم قافیہ نہیں ہو سکتے۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ پہلے مصرعہ میں تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے چنانچہ اسطرح تبدیلی کی گنجائش نظر آئی۔

ختم کن آخر ندارد این سخن
علیسوی جز مشرب خود دم مزن

حضرت موصوف کی عمر گرامی تمامتر دینی علوم کی سرگرم خدمات میں بسر ہوئی ہے اور عملی زندگی کا ہر پہلو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ آنحضرت صلعم کے اعمال و اقوال کی اطاعت و پیروی کو

فرضِ عین اور جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ یہ چیز ویسے تو آپ کی ہر ایک تصنیف میں کافی حد تک نمایاں پائی جاتی ہے، لیکن فتوح الاوراد تو آپ کی افتادِ طبع اور عملی زندگی کا ایک مجلاّ و مصفا آئینہ ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کے اعمال و عبادات کے پاکیزہ اشغال۔ عشق و محبت اور اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ جذبات بیک نگاہ سامنے آجاتے ہیں۔ محبتِ رسول میں آپ کو فنا فی الرسول کا درجہ حاصل تھا اور انجام کار آپ نے اسی جذبۂ محبت میں سرشار ہو کر وطن، اولاد، اور جملہ علائقِ دینوی کو ترک کر کے ہجرت فرمائی اور آخری عمر کے سولہ[۱۶] سال بارگاہ رسول میں گزار کر وہیں دفن ہونے کی سعادت ابدی حاصل کی۔

جب آپ نے برہانپور سے مہاجرت اختیار کی اس زمانہ میں ملکی حول میں امن و خوشحالی کا دور دورہ تھا اور وطن میں آپ کو معیشت و معاشرت کی تمام و کمال سہولتیں، فراغتیں حاصل تھیں۔ خاندانی عظمت و وجاہت کے مطابق دور و نزدیک خاص و عام میں عزت و قبولیت حاصل تھی۔ سعید و رشید قابلِ فخر اولاد تھی۔ صحت نہایت اچھی تھی۔ ایسی کوئی وجہ نہ تھی جو آپ کو شیخوخت کے قریب عمر میں وطن سے دل برداشتہ کرتی۔

پھر یہ بھی نہیں ہوا کہ آپ حج و زیارت کی غرض سے تشریف لے گئے اور حجازِ مقدس اور حرمِ رسول کی ایمانی و روحانی دلچسپیوں سے متاثر ہو کر وہیں رہ گئے۔ یا خرابی صحت کے باعث واپسی کے قابل نہ تھے۔ اس لیے وہیں رہنے پر مجبور ہوئے۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی بلکہ یہ صرف محبتِ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پناہ جذبہ تھا کہ آپ نے تمام آسائشوں کو ترک کر کے جوارِ پاک رسول صلعم میں بقیہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا اور اس پر عمل کر کے دکھا دیا ۔

یہ چیز تو آپ نے نہ صرف اپنے دل میں طے کر لی تھی بلکہ اس کا واضح اور برملا اظہار کر کے نہایت اطمینان سے جملہ لواحقین اور اہلِ استحقاق، عزیز و اقربا کے تمام شرعی حقوق ادا کئے اور اپنا ارادہ سب پر ظاہر بھی فرما دیا کہ بقیہ عمر مدینہ طیبہ ہی میں بسر کریں گے تاکہ کسی کا بفرضِ محال کوئی مطالبہ یا حق آپ کے ذمہ ہو تو وہ بے خبر نہ رہے۔ چنانچہ تشریف لیجانے سے قبل اپنی اولاد اور عزیزوں میں اپنا تمام ترکہ تقسیم فرما دیا اور احکامِ شرعی کے مطابق وراثت نامہ یا تقسیم نامہ اپنے قلم سے تحریر فرما کر اپنی اولاد کے سپرد فرمایا اور عملدرآمد کی تاکید فرمائی۔ اس سفر میں آپ اپنے بڑے فرزند شیخ شہاب الدین اور محل خورد کو (روانگی کے وقت آپکی دو حرم تھیں) ہمراہ لے گئے تھے۔ چار سال بعد ۱۰۶۸ھ میں جب شیخ شہاب الدین اور حضرت کی حرم خورد کی واپسی ہوئی اُس وقت آپ نے مدینہ منورہ سے ایک اور تاکید نامہ مذکورین کے ہاتھ ارسال فرمایا تھا۔ اس میں بھی سابقہ وصیت نامہ پر عمل کرنے کی تاکید کے علاوہ حرم بزرگ کے ساتھ صلۂ رحم اور خاص توجہ کی تمام ورثا کو تاکید لکھی تھی۔ اگرچہ یہ دونوں تحریریں بمبدست نہ ہوئیں لیکن ایک اور کاغذ جس میں آپ کے مذکورہ بالا ہر دو وصیت ناموں کی تفصیلات اور بعد میں حرم بزرگ کا دعوٰے اور اس کے

فیصلہ کی کارروائی اور اس تمام پر سرکاری تصدیق درج ہے۔ حضرت سید اکرام الدین صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہٗ کے پاس ہے۔ سجادہ نشین صاحب موصوف نے میری استدعا پر ازراہِ عنایت کاغذ مذکور کی نقل اور اس کا فوٹو لینے کی اجازت عطا فرمائی جو بجنسہٖ منسلک ہے۔

اس کاغذ کے مطالعہ سے چند نئی باتیں سامنے آگئیں جو یہ ہیں۔

آپ کی دو حرم تھیں۔ محل بزرگ امۃ الغنی بنت شیخ اولیا ابن شیخ جمال محمد ان کے بطن سے آپ کی دو لڑکیاں تھیں۔ امۃ الرحمٰن۔ فاطمہ بی بی۔ یہ دونوں آپ کی ہجرت کے وقت کمسن تھیں۔

آپ کے تین لڑکے جوان العمر اور بعض (یا سب) صاحب اولاد بھی تھے۔ شیخ شہاب الدین۔ شیخ محمد رحیم۔ شیخ عیسےٰ۔ ان کی والدہ کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہے۔ انھیں حرم بزرگ امۃ الغنی کے بطن سے ماننے میں اسلئے تامل ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ کے تاکید نامہ میں انھیں فرزندوں اور دیگر ورثا کو ان کے ساتھ رحم اور مہربانی کرنے کی اپیل کے طور پر تاکید کی ہے حقیقی والدہ کے ساتھ ایسی نیک خصال اولاد کو اس طریقہ پر تاکید لکھنے کی ضرورت نہ تھی جبکہ ان سے بے اعتنائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حرم بزرگ آپ کی پہلی بیوی نہ تھیں جب کہ ۱۰۷۴ھ میں ان کی دو ہی بچیوں کی تفصیل ملتی ہے۔ اور مذکورہ فرزندوں کو ان کے ساتھ مہربانی کرنے کی ترغیب میں خود اپنی مثال دی ہے کہ جس طرح میں اپنی مادرِ عارضی (سوتیلی ماں) سے حسن سلوک کرتا رہا ہوں تم لوگ بھی کروگے

تو میری خوشنودی اور خدا رسول کی رضا مندی کا باعث ہوگے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حرم بزرگ امتہ الغنی آپ کے تینوں فرزندوں کی مادر عارضی تھیں۔ نیز ایک دوسری شہادت سے پایا جاتا ہے کہ آپکی پہلی خانہ آبادی اوائل عمر میں ۱۰۱۷ھ تا ۱۰۲۰ھ ہوئی تھی اور شیخ شہاب الدین کی ولادت حضرت میسح الاولیاء کے زمانہ حیات میں واقع ہوئی تھی۔ فرحی نے اس خانہ آبادی کا ذکر کشف الحقائق میں آپ کی روایت کے مطابق اسطرح کیا ہے۔ کہ

حضرت بابا فتح محمد فرمودند کہ درآں ایام (درعہد طالب علمی) کہ فقیر تازہ کار خیر کردہ بود بمقتضائے جوانی روزے لمس شہوت واقع شد چوں وقت ظہر بخدمت حضرت آدم برائے من دیدہ حضرت فرمودند کہ بہ مقبرۂ بندگی شیخ طاہر رفتہ توبہ کنید۔ فقیر بموجب فرمودہ آنجا رفتہ توبہ کرد۔ بتائید و توجہ بزرگان ازاں بلا محفوظ ماند۔ کشف الحقائق ص۵۷

ممکن ہے یہ تینوں فرزند انھیں محترمہ کے بطن سے ہوں اور ان کے انتقال کے بعد حضرت بابا نے حرم بزرگ امتہ الغنی سے عقد کیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کی دوسری محل حرم خورد اچھوں بی بی تھیں جو حجاز مقدس کے سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں جیساکہ تحریر مذکورۂ الصدر سے ثابت ہے۔

پہلے وصیت نامہ کی رو سے آپ نے اپنی ملک قریہ کول کھیڑہ معہ باغ۔ بورگام معہ باغ۔ قریہ ادلتی۔ قریہ پاتونڈی اور کچھ نقد روپیہ

(مقدار کاغذ پھٹا ہونے کے باعث معلوم نہیں ہوئی) محمد علی کو دیا ہوا تھا۔ اس طرح تمام فرزندوں ہر دو محل اور دیگر اہلِ قرابت و مستحقین کو تقسیم فرمایا ہے۔

سب سے پہلے ایک چھانت غلّہ (چھانت غلّہ کا کوئی پیمانہ جو اس وقت رائج رہا ہوگا) سال ختم ہونے پر جملہ قرابت داروں کے لئے جو صلۂ رحم کے مستحق ہیں الگ کر لیا جائے۔

—— محمد رحیم کو جن کے ذمّہ خانقاہ نشین فقرا، صوفیا کی نگہداشت تھی نصف کول کھیڑہ اور وہ روپیہ جو محمد علی کو دیا ہوا ہے۔

—— شیخ شہاب الدین اور محمد عیسےٰ کو نصف کول کھیڑہ اور بورگام کے دو حصے کر یہ دونوں کلن ؟ اور محل کلاں کے خویشوں میں ہوتے ہیں اس تفصیل سے کہ ایک سو بیس روپیہ ان ہر دو مواضع کا شیخ محمد عیسےٰ حاصل کرے۔ لیکن جب شیخ شہاب الدین واپس آئیں تو علی الحساب نصف انھیں ادا کرے اور اس کے بعد جو باقی رہے اُس کا نصف شیخ عیسےٰ مع اپنے عیال کے لیں اور دوسرا حصہ تقسیم خمس کے لحاظ سے دو حصّے مرحوم شیخ عبدالقدوس کی بیوہ کو اور بقیہ تین حصّے مرحوم ابو یوسف کی بیوہ اور دختر کو دیا جائے۔

اور .... چار حصے کریں ..... حصہ عبدالغنی محل کلاں کے ماموں کو اور ایک حصہ محمد رحیم کی دختر حلیمہ کو اور بقیہ ایک حصّہ باعتبار ثلث دو حصے ابو محمد کو اور ایک حصّہ حسب للذکر مثل حظ الانثیین دونو نواسوں کو تقسیم کریں۔

قریۂ اولتی کے ساڑھے چار حصے کریں۔ ڈیڑھ حصہ محمد رحیم مع اپنے فقراء کے حاصل کریں۔ ایک حصّہ شیخ شہاب الدین اور ایک حصہ محمد عیسےٰ اور ایک حصہ

ہردوکلن بہ تقسیم سابق بانٹ لیں

نصف قریہ پاتوندی جو میرے (حضرت بابا فتح محمدؒ کے) نامزد ہے جب تک میں زندہ ہوں میرے اور محل خورد و ان کے فرزندوں کے لئے رہیگا۔

اس کے بعد نصف گاؤں یا جو باقی رہے تمام یا کچھ محل خورد اور اُن کے فرزندوں کے حق میں قائم رہیگا۔

فقیر نے کول کھیڑہ اور بورگام میں باغ لگائے ہیں۔ ان باغوں سے جو کچھ حاصل ہو اُس کے تین حصے کریں۔ ایک حصہ سادات کرام، اقربا جو صلۂ رحم کے مستحق ہوں اور فقراء کو حسب استحقاق پہنچائیں۔ ایک حصہ تمام فرزندان مذکورہ تقسیم کے اعتبار سے حاصل کریں اور ایک حصہ پاتوندی کے ہمراہ فقیر کو تا حیات پہنچاتے رہیں۔

بعدازاں (میرے فوت ہونے کے بعد) (آپ کے نامزد حصۂ رقم کے) تین حصے کریں ایک حصہ محل خورد کو معہ ان کے فرزندوں کے دیں اور بقیہ دو حصوں کو چار عرس کے موقعہ پر صرف کریں (چار عرس کی تفصیل یہ ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ سلطان العارفین۔ حضرت غوث اعظم حضرت صاحب۔

چار سال تک اس وصیت پر عمل ہوتا رہا سنہ ۱۰۶۸ھ میں محل خورد اور شیخ شہاب الدین واپس تشریف لائے اسوقت حضرت بابا فتح محمد نے ان کے ہمراہ ایک اور تاکیدنامہ خود نوشت ارسال فرمایا۔ اس میں تینوں

فرزندوں کو اپنی سابقہ تحریر پر عمل کرنے کی تاکید کے ساتھ یہ ہدایت بھی فرمائی کہ جو کچھ ہم نے جس کے لئے مقرر کر دیا ہے اس پر راضی و خوشنود رہیں اور اگر سب پسند کریں تو ایک ایثار یہ بھی کریں کہ خمس پہلے ہی نکال لیں۔ اس میں سے نصف ہر دو کلن ؟ کو اور نصف دیگر اہل استحقاق اقرباداء اکو دیں۔ اور اگر بدقسمتی سے تمام حصہ دار راضی نہ ہوں تب بھی ہر دو کلن کو ثمن ضرور ادا کیا جائے کہ وہ قطعی طور پر آٹھویں حصہ کے مستحق محروم نہ رہیں۔

اور تینوں فرزند اپنی سوتیلی ماں محل بزرگ امۃ الغنی کے ساتھ مہربانی اور حسن سلوک روا رکھیں جیسا فقیر اپنی مادر عارضی کی خدمت بجالاتا رہا۔ یہ حسن سلوک مجھے نیز خدا اور رسول کو خوشنود راضی کرنے کا موجب ہوگا۔

اس تاکید پر فرزندان سعید نے نہایت خوش دلی سے عمل کیا۔ محمد رحیم نے لکھ دیا کہ:۔

"فقیر محمد رحیم بموجب ورود حکم عالی موافق وصیت در جمیع امور بلا جبر و اکراہ برضا و رغبت قبول کردم"

شیخ شہاب الدین اور شیخ محمد عیسٰے نے بھی لکھ دیا کہ:۔

"فقیر شیخ شہاب الدین و محمد عیسٰے نیز بموجب وصیت آنچہ حکم است قبول دارد"

آگے لکھا ہے۔

ہم تمام ورثا نے متفق ہو کر اپنے حصے مقرر کئے۔ ہر ایک فرزند کا حصہ مقرر ہوا ایک سو ساٹھ روپے۔ نیز ہم سب نے متفق ہو کر تجویز کیا

کہ حضرت والدہ صاحبہ (محل بزرگ) کو اختیار ہوگا کہ وہ دیہات کی آمدنی سے خوش ہوکر اپنے اور اپنی لڑکیوں کے حصوں کی رقم خود لے لیا کریں۔ اور موضع پاتوندی سے پچاس روپیہ خواہ فصل اچھی ہو یا خراب بلا عذر ہر سال ادا کریں گے۔

اس کے بعد شیخ محمد علیلے کو مخاطب کیا گیا اُنھوں نے اپنے حصّے میں بورگام کو بلا شرکت غیرے رضا و رغبت سے قبول کر لیا اور بقیہ نصف کول کھیڑہ اور داولتی کے روپیہ کا محمد رحیم اور شیخ شہاب الدین کو اختیار دیا کہ آپ جو چاہیں کریں۔ انھوں نے (غالباً شیخ شہاب الدین نے) محمد رحیم کو اختیار دیا کہ آپ جو چاہیں عمل فرمائیں۔ آخر بہت ردوبدل کے بعد طے ہوا ہر ایک نے اپنا حصّہ قبول کیا۔

میاں محمد رحیم نصف روپیہ داولتی۔

میاں شیخ شہاب الدین نے کول کھیڑہ اور اپنا حصّہ لے کر قبول کیا کہ ستر روپیہ سالانہ اپنی ذات سے خواہ فصل اچھی ہو یا خراب پیش کرینگے۔

یہ ستر روپے اور پچاس روپیہ پاتوندی کے جملہ ایک سو بیس روپیہ ہوئے ان میں سے اسّی روپیہ ہر دو کلنان ؟ کے لئے مقرر ہوئے اور تیس روپیہ اقربا و اہلِ استحقاق کے لئے۔

ہر دو باغات کی آمدنی حضرت کی مجوزہ تقسیم کے مطابق رہیگی۔

ہم ورثاء نے یہ بھی معاہدہ کیا کہ اگر سال خراب واقع ہو یا زراعت میں خرابی کے باعث فصل نہ آئے تو یہ صاحب موضع کی قسمت، دیگر ورثاء پر

اس کا اثر نہ ڈالا جائے۔

خدانخواستہ کوئی موضع سرکاری طور پر ضبط ہو جائے تو صاحب موضع کو حتی الامکان واگذاشت کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ اسپر بھی ناکامی ہو تو دیگر ورثاء کو لازم ہے کہ اپنے حصّوں میں سے اس کے حق کے مطابق ملکیت الگ کر کے اسکو دے دیں۔

ہم تمام ورثاء نے رضا و رغبت سے اس تحریر سے اتفاق کیا ہے جوار جیساکہ حضرت کا حکم ہے مواضع پر اسطرح مقرر کی۔ کول کھیڑہ چہار ماپ۔ پاتونڈی چار ماپ۔ بورگام دو ماپ۔ اولتی دو ماپ۔ ان حصّوں پر سب راضی ہیں۔ یہ تحریر ۱۲۶۸ھ میں عمل میں آئی۔

آگے لکھا ہے

بعد از دو سال (سہو کتابت ہے دوازدہ ہونا چاہیئے تب ۱۲۸۰ھ صحیح آتا ہے۔) حضرت والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ مجھے دیہات سے حصہ ۱/۸ ثمن (ہشتم) دیا جائے، اور ان کی لڑکیوں امتہ الرحمن اور فاطمہ بی بی نے کہا کہ ہمیں دیہات سے کچھ نہیں ملا ہے جس وقت تم نے یہ حصے کئے ہم نابالغ تھیں اب ان دیہات کی آمدنی بھی زیادہ ہے۔ لازم ہے کہ ہم از سر نو حصے مقرر کریں۔ اور ہمارے حصّہ میں جو زمینات آئیں ان میں آچھوں بی بی (محل خود) کو شریک نہ رکھیں۔

بڑی رد و بدل کے بعد طے ہوا کہ آچھوں بی بی اور ان کی لڑکی کو

موضع پاتوندی سے شروع سال میں چالیس روپیہ ہر سال پہنچایا
جائیگا اور باقی بیس روپیہ میاں شیخ شہاب الدین اپنے موضع کول کھیڑہ سے ادا
کریں خواہ فصل اچھی ہو یا خراب۔ یہ مذکورہ ساٹھ روپے دو جگہوں سے ان کو پہنچ
جائیں گے۔ اس کے بعد امۃ الغنی اور ان کی لڑکیوں کو آچھوں بی بی اور ان کے
فرزندوں و برادران سے کوئی نزاع یا دعوےٰ نہیں رہیگا جو اس معاہدے کی
خلاف ورزی کریگا۔ خدا رسول اور اولیاء اللہ کے نزدیک مردود و نامقبول
ہوگا۔ اگر دلیل کے طور پر کوئی کاغذ بھی پیش کرے وہ ناقابل اعتبار اور ردّ سمجھا جائیگا
خواہ اس میں شرعی دلائل ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم سب نے دیکھ اور سمجھ کر مذکورہ
تمام شرائط کو قبول کیا ہے تحریر فی التاریخ ۱۱ رجب المرجب سنہ ۱۰۵۰ھ

اور آگے تحریر ہے ———

بتاریخ ۱۹ رشوال سنہ ۱۰۵۰ھ مسمیٰ محمد حسین ولد شیخ اولیا ابن شیخ جمال محمد نے
بحیثیت وکیل مطلق منجانب مسماۃ بی بی امۃ الغنی بنت شیخ اولیا مذکور زوجۂ
غفران پناہ میاں شیخ فتح محمد و مسماۃ امۃ الرحمٰن و مسماۃ فاطمہ دختران بی بی امۃ الغنی
مذکورہ بذریعہ وکالت نامہ اور شیخ ابو محمد ولد شیخ محمد طاہر و محمد عبد اللہ ولد
شیخ عبد الرحمٰن کی گواہی سے بلدہ برہانپور کی عدالت عالیہ میں پیش ہو کر اقرار
(دعوےٰ) کیا کہ اس سے قبل حضرت غفران پناہ (بابا فتح محمد) کے دیہات
مدمعاش جس طرح مشخص اور مقرر تھے۔ اب میری مؤکلات چاہتی ہیں کہ ہمیں
تمام دیہات سے ثمن ملے اور بی بی امۃ الرحمٰن اور بی بی فاطمہ کہتی ہیں کہ
جب یہ حصے مشخص اور مقرر کئے گئے ہم نابالغ تھیں اب ان دیہات میں

آمدنی زیادہ ہوتی ہے لازم ہے کہ از سرِنو حصے مقرر ہوں۔ اور اچھوں بی بی کو
اور ان کی دختر کو ہمارے مواضع سے کچھ نہ دیا جائے۔

بہت سے رد و بدل کے بعد مصالحانہ طور پر یہ طے کیا گیا کہ آچھوں بی بی
اور ان کی دختر کو چالیس روپیہ سالانہ موضع یاتوندی کی آمدنی سے دیا جائیگا
اس کے علاوہ ان ہر دو کو اور کوئی کچھ بھی دے میری مؤکلات کو کوئی عذر نہ
ہوگا کیونکہ یہ چالیس روپے خمس مستحقوں کا حق ہے اس میں کسی کو دخل نہیں۔
اور میری موکلات چار ماہ جو بھی اقربا کو حصۂ رسد پہنچانے کے لئے پیش کرینگی
اس کے بعد میری موکلات کو اور نیز ان کے فرزندوں و دختروں کو بھائیوں اور
ان کے فرزندوں سے کسی بھی چیز کا مطالبہ۔ حق یا دعوے نہ رہیگا۔ میری
مؤکلات وجمیع ورثاء اپنے دعاوی سے دست بردار ہو کر تحریر ہذا کو
قبول کرتی ہیں۔ دیگر یہ کہ وہ مکان جو مسماۃ امۃ الغنی کو بعوضِ مہر ملا ہوا
ہے۔ اس مکان کو اگر وہ اپنے داماد کو فروخت کردیں یا ہبہ یا وراثتاً
ان کو پہنچے تو وہ دروازہ جو مسجد میں کھلتا ہے بجز ادائے نماز یا طلبِ علم
اس سے آمد و رفت نہ کریں اس لئے کہ مرحوم (بابا فتح محمد) نے اسطرف
برائے درس و نماز دروازہ قائم کیا تھا۔ قدیم نہ تھا۔ اور اگر یہ مکان کسی
غیر شخص کو فروخت کیا جائے تو اندر سے دروازہ کو بستہ کردیا جائے
کیونکہ بقیہ زمین فی سبیل اللہ خانقاہ سے متعلق ہے۔

جو کوئی اس اقرار سے منحرف ہوگا اللہ، رسول اور اولیاء کے نزدیک
مردود و نامقبول ہوگا۔ ہم سب اس تحریر پر اعتبار کرتے ہیں۔ اس کے

علاوہ اگر کوئی شخص دوسری تحریر پیش کرے تو وہ منسوخ اور رد سمجھی جائیگی۔ خواہ حجت شرعی ہو ۔

یہ کاغذ قریباً تین فٹ لمبا اور ایک فٹ چوڑا ہے۔ اس میں روداد تو مفصل تحریر ہے۔ مگر کوئی مہر یا کسی کے دستخط نہیں ہیں اس کا سبب غالباً یہ ہوگا کہ یہ وقتاً فوقتاً جملہ کارروائیوں اور انجام کار عدالتِ شرعی کی توثیق کے بعد اور متفقہ سمجھوتہ کی نقل ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ جملہ ورثاء اور اہل تعلق نے یادداشت و یادگار کے طور پر اسکی ایک ایک نقل بیک وقت حاصل کی ہوگی اور صرف ایک اصل عدالت عالیہ (قاضی کی عدالت) کے دفتر میں ہوگی جس پر ورثا اور شاہدین اور وکیل کے دستخط ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

نفس مضمون سے قطع نظر اس تحریر سے ثابت ہے کہ حضرت بابا فتح محمد نے ۱۰۶۷ھ میں ہجرت فرمائی اور ۱۰۶۸ھ جو عام طور سے مشہور ہے ہجرت نہیں کی بلکہ رفقائے سفر کی واپسی کی تاریخ ہے ۔

آپ کے وصال کا ۱۰۸۲ھ مشہور ہے یہ بھی اس تحریر سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ آپ کا سنہ رحلت ۱۰۸۰ھ ثابت ہوتا ہے۔ یہ چیز ورثا کے دعوؤں سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ کی وفات کے بعد وہ رقم اور جاگیر جو آپ کے نامزد تھی شرعی تقسیم کے مطابق ورثاء کو اس کا استحقاق پیدا ہوسکتا ہے۔ یہ دعوے بھی ۱۰۸۰ھ میں رونما ہوئے۔ نیز کارروائی کے بیانات میں آپ صریحاً مرحوم و غفران پناہ کے الفاظ سے یاد کئے گئے ہیں

یہ ایسا ثبوت ہے جس میں ظن و اشتباہ کو دخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ کا وصال ۱۰۸۰ھ میں بمقام مدینۂ منورہ ہوا اور آپ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ ہجرت کے بعد آپ حجاز پاک و حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۶ برس تک زندہ رہے۔ ظاہر ہے کہ وہاں علمی مشاغل کے سوا آپ کو اور کام ہی کیا تھا۔ واللہ اعلم اس طولانی عرصہ میں آپ نے کتنے دینی رسائل یا کوئی مستقل کتاب تصنیف کی ہوگی جس کا کوئی علم نہ ہو سکا۔

آپ کی حسب ذیل تصانیف شمار میں آتی ہیں جو برہانپور میں ہی مرتب ہوئیں اور ان میں سے کسی ایک کتاب یا رسالہ کا ذکر یا حوالہ دوسری کتاب میں مذکور ہے۔

(۱) فتوح الاوراد۔ اس کتاب سے کچھ اقتباسات تذکرۂ ہذا میں پیش کئے گئے ہیں اس کا سنہ تالیف ۱۰۵۷ھ ہے۔

(۲) فسنتخ المذاہب الاربعہ عربی۔

(۳) مفتاح الصلوٰۃ یہ کتاب ۱۰۶۱ھ اپنے ہمشیرزادہ شیخ احمد بن سلیمان کی تعلیم کے لئے لکھی تھی۔

(۴) رسالہ جہۃ الکعبۃ (سایۂ اصلی برہانپور)

(۵) رسالہ مستحب وقت عشاء وظہر۔

(۶) مثنوی تنزل الحق جل و علا بعقیدۂ صوفیا۔

حضرت شیخ طٰہٰ قدس اللہ سرہٗ العزیز

آپ مسیح الاولیاء حضرت شیخ عیسےٰ جند اللہ کے تیسرے فرزند ہیں آپ کے واضح اور تفصیلی حالات تو کجا مجمل بھی کہیں سے ہم نہ پہنچ سکے جس کا بڑا قلق تھا۔ اور قیاسی تاویل کو میں روا نہیں رکھتا اس لئے یہ تذکرہ آپ کے ذکر سے خالی رہا جاتا تھا حسنِ اتفاق کہئیے یا غیب سے آپ کی روح نے مدد فرمائی ایک ایسی نادر چیز بے ساختہ سامنے آگئی جس نے بوجہ احسن اس خاص کمی کی تلافی کردی چنانچہ یہ عرض کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ حضرت کے اس تبرک نے تذکرہ کی شان کو دوبالا کر دیا۔

یہ تبرک یا نادر و اہم چیز حضرت شیخ طٰہٰ کی اہم تحریر ہے جس کا عکس نذر نواز ناظرین کرام ہے ۔ وہو ہذا:۔

بحضور فقیر طٰہٰ بن شیخ عیسےٰ عصمت پناہ بی بی چھمو بموجب وصیت پسر خود غفران پناہ میاں شیخ محمد صاحب سجادگی نبیرۂ خود را کہ از شکم سیدہ منکوحہ شیخ مذکور متولد است باتفاق شریعت پناہ قاضی محمد شریف و میران سید شیر محمد و اعزہ عظام بہ مسمی شیخ فضل اللہ مقرر کردند و پیراہن ..... غفران پناہ میاں شیخ محمد بجد و بہ پدر رسیدہ بود بایں سجادہ پوشانیدند و ایں نیز مقرر است کہ ہر کہ صاحب سجادہ است تولیت پورہ و عرس کردن باو تعلق دارد ۔

یہ مختصر تحریر ایک محضر پر ثبت ہے جو حضرت محمد بن فضل اللہ نائب رسول اللہ کے اخلاف میں تصدیق سجادہ نشینی کے متعلق ۱۰۶۹ھ کی ایک تقریب کے سلسلہ میں جاری ہوا تھا۔ تاریخ اجراء درج نہیں، لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۰۷۰ھ زمانۂ اجراء ہونا چاہیئے۔ محضر کے نفس مضمون کا یہاں کوئی تعلق نہیں بجز اس کے کہ وہ کتنی وقیع دستاویز ہے جس کو حضرت نائب رسول اللہ کے پوتے نے جاری کیا ہے اور جس پر ۳۶ عمائدین مشائخ۔ اور شہر کے متعدد سجادہ نشینوں، مقتدر علماء اور قاضی شہر کی تصدیقی تحریریں و مُہریں ثبت ہیں منجملہ ان کے پانچویں نمبر پر حضرت شیخ طٰہٰ کی مذکورۂ بالا تحریر ہے۔

اگرچہ یہ تحریر فی نفسہ ایک وقوعہ کی تصدیق ہے جو آپ کے علم میں تھا، لیکن کیا اسی مختصر تحریر میں خود صاحب تحریر کی ذات گرامی صفات کی چند جھلکیاں نمودار نہیں ہیں؟

ہیں اور ضرور ہیں جن پر مجملاً اسطرح روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔

(۱) آپ کا شمار مشائخ میں تھا کیونکہ نام سے پہلے آپ نے لفظ فقیر لکھا اور یہ طرز تکلم صرف مشائخ کے لئے مخصوص ہے

(۲) آپ ۱۰۶۹ھ کے بعد تک حیات تھے۔

(۳) آپ کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ ایک مابہ النزاع مسئلہ کے فیصلہ میں آپ بھی منجملہ دیگر مشائخ، سجادوں، ممتاز و متدین عمائدین کے حکم قرار دیئے گئے۔

(۴) تحریر میں حسن کتابت اور عبارت کی جامعیت سے ظاہر ہے کہ آپ

خوش قلم اور تعلیم یافتہ تھے

(۵) آپ کی بزرگ زادگی اور حکم ہونے کی صلاحیت کا ثبوت کہ آپ آداب
وضوابط سجادگی سے کماحقہ واقف تھے۔ تحریر کے آخری فقرہ میں موجود ہے۔
"این نیز مقرر است" پر غور فرمائیے یہ جملہ کسی عامی شخصیت کا نہیں ہو سکتا
مذکورہ تحریر اور اس کے سرسری مطالعہ سے جو نتائج میں نے اخذ کیے
ناظرین کے پیشِ نظر ہیں الحمدللہ والمنة کہ مسیح الاولیاء قدس سرہٗ کا یہ نامور فرزند
جو معاصر تذکرہ نگاروں کی بے اعتنائی سے صدیوں تک گمنام رہا آج ایک
مصدقہ حقیقت کے ساتھ اپنے اسلاف کی عظمتوں کی شان لیے ہوئے اسی
صف میں جلوہ گر ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین ابن بابا فتح محمد محدث رح

آپ مسیح الاولیا قدس سرہ کے پوتے ہیں۔ بڑے حسین وجمیل وجیہہ و شکیل تھے، علم وفضل کے لحاظ سے بھی آپ علمائے عصر میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ آپ کا نام خود ایک لطیفۂ غیبی اور عارفانہ رموز وکنایات کا دلچسپ مظہر ہے جب آپ کی ولادت باسعادت عمل میں آئی سنہ ۱۰۳۰ھ کا اختتام یا سنہ ۱۰۳۱ھ کا آغاز تھا۔ خادمہ ننھا بچہ میں لپیٹ کر مسیح الاولیاء کے پاس لائی کہ حضرت پوتا مبارک ہو اس کا نام تجویز فرما دیجئے۔ آپ نے نظر شفقت سے دیکھا اور حکم دیا شیخ برہان کے پاس لے جا۔ اس بچہ کا نام وہی رکھیں گے حضرت راز الٰہی رحمۃ اللہ علیہ مسیح الاولیاء کے ممتاز ترین خلیفہ تھے۔ جب خادمہ وہاں پہنچی تو موصوف پان کھا رہے تھے۔ پیغام سنا اور بچہ کو قریب طلب کر کے محبت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور تھوڑا سا چبایا ہوا پان بچہ کے منھ میں دیکر کہا لیجاؤ۔ خادمہ نے نام رکھنے کی فرمائش کو دوہرایا تو آپ نے جواب دیا کہ جاؤ نام رکھ دیا ہے۔ خادمہ مسیح الاولیاء کے سامنے واپس لیگئی ماہ پیکر ننھے کا منہ پان کی سرخی سے شہاب ثاقب نظر آرہا تھا۔ آپ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا خوب! میرے برہان نے اس کا نام شہاب الدین رکھا ہے۔ یہ ہے عارفانہ رموز وکنایات کا لطیفۂ غیبی جس سے آپ

شہاب الدین موسوم ہوئے[۵۱]۔

آپ کی ولادت کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسیح الاولیاء کا وصال ہوگیا لیکن گھر میں علمی ماحول موجود تھا آپکی تعلیم و تربیت نہایت معقول طریقہ پر ہوئی کم سنی ہی میں قرآن مجید حفظ کیا حفظ قرآن مجید اس خاندان کا وہ مخصوص وصف ہے جو اسلاف میں کئی پشت اوپر سے متواتر آپ تک پہنچا اور آپ کے بعد اخلاف میں نسلاً بعد نسلٍ آج تک علی التواتر افراد خاندان اس فیضان ایزدی سے مستفیض و مستفید ہوتے چلے آئے حتیٰ کہ احفاد میں بھی یہ نعمت عظمیٰ عام رہی ہے۔ جس کی تفصیل ام بنام مسیح الاولیاء کے ذکر میں پیش کر چکا ہوں۔

آپ علم قرات سے بہرہ ور تھے سن شعور کو پہنچے تو حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی نے آپکو اپنی خانقاہ کے متصل تعمیر کردہ مسجد میں امامت پر مامور فرما دیا[۵۲]۔

آپ نے فقہ۔ حدیث و تفسیر کی تعلیم اپنے فقیہہ محدث، مفسر والد بزرگوار سے حاصل کی اور ان کے مدینہ منورہ کو ہجرت کر جانے کے بعد حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی سے تکمیل و سند حاصل کی نیز تصوف میں بھی انھیں کے زیر نگرانی قدم بڑھایا اور ریاضت و مجاہدات انجام دے کر خاندانی مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے۔

---

[۵۱] یہ روایت حضرت سید یامین الدین صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت راز الٰہی قدس سرہٗ نے بیان فرمائی اور درج تذکرہ کرنے کی اجازت دی۔

[۵۲] مولوی بشیر محمد خان ایڈوکیٹ برہانپوری نے آپ سے قبل اس مسجد کے تمام اماموں کی فہرست دی ہے جو حسب ذیل ہے (۱) تعمیر ہوتے ہی بانی مسجد حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہٗ (۲) حضرت شیخ عبدالرحیم خوشنویس (۳) سید عبداللطیف جو حضرت کے داماد بھی تھے (۴) حافظ احمد نبیرہ شیخ ماہ (۵) حافظ محمد یوسف کشمیری (۶) شیخ شہاب الدین ابن شیخ محمد محدث۔ معارف نمبر ۵ جلد ۶۷ ص ۳۸۹

اپنے اسلاف کی طرح آپ بھی صاحب تصنیف ہیں، رسالہ تحفۃ الاوراد آپ کی متبولِ
عام تالیف ہے یہ رسالہ آپ نے اپنے فرزندوں شیخ بہاء الدین اور شیخ علاء الدین
کی تعلیم کے لئے مدون کیا تھا جسمیں مسائل نماز اور احکام شرعیہ کا نہایت
سریع الفہم مدلل و مفصل بیان ہے۔ نیز بزرگوں کے معمولہ اوراد و وظائف بھی
بالاختصار نقل کئے ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی و دنیاوی ظاہری و باطنی نعمتوں سے پوری فیاضی
کے ساتھ مالامال کیا تھا۔ روحانیت میں صاحبِ کشف تھے۔ آپ سے اکثر خرق
عادات و کرامات ظہور میں آئی ہیں، معاصر صوفیائے کرام و مشائخ عصر آپ کا
بے حد اکرام فرماتے تھے۔ سلاطین وقت اور مقامی حکام بھی آپ کے ساتھ بکمال
نیازمندی پیش آتے رہے۔ فتوحات اور نذرانوں کی اس قدر کثرت
ہوتی کہ باوجود شاہانہ داد و دہش کے آپ کو خاصا تمول حاصل تھا۔ کثیر الاولاد
تھے پھر بھی بعدِ وصال اپنے کثیر التعداد پس ماندگان کو خوشحال و فارغ البال چھوڑا۔
آپ کے وصال کی تاریخ کا علم نہ ہو سکا۔ آپ کا مزار سنتِ اسلاف کے
مطابق آپ کی خانقاہ کے حجرۂ عبادت میں بنایا گیا جو آپ کے مسکونہ محل
کے عین مقابل چند قدم کے فاصلہ پر ہے جہاں جلد ہی نہایت شاندار گنبد
تعمیر کرایا گیا جو ہنوز اچھی حالت میں ہے اور زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔
آپ کے مزار سے بھی ہنوز چشمۂ فیضانِ الٰہی جاری ہے۔ اہلِ ارادت عقیدت
و نیاز کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔
آپ کی متروکہ املاک میں جاگیریں۔ باغ۔ مکانات، تکیئے قطعاتِ زمین

اور نقد وجنس سب ہی کچھ تھا۔ آپ کے نبائرین سے ایک صاحب نے جنھیں آپ کے ترکہ سے تقسیم در تقسیم کے بعد دسواں حصہ ملا تھا اپنی ایک عزیزہ کو ایک وثیقہ کے ذریعہ جو غیر منقولہ جائیداد تفویض کی ہے اسکی تفصیل اصل وثیقہ سے پیش کرتا ہوں یہ وثیقہ سید ریاض الدین مغفور رحمۃ اللہ علیہ کے ذخیرۂ اسناد میں موجود ومحفوظ ہے موصوف نے راقم الحروف کو منجملہ دیگر بیش بہا یادداشتوں کے اس وثیقہ کی نقل عطا فرمائی تھی جو حسب ذیل ہے:۔

سپردگی نامہ

باعث تحریر وموجب تسطیر این چند سطور صداقت منشور اینکہ منکہ مسمی شیخ غلام محی الدین عرف میاں بھائی ولد شیخ معین الدین عرف شاہ جنگلی ابن شیخ بہاءالدین ابن حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نوشتہ میدہم واقرار میکنم کہ من متعر مذکور مدت مدید تولیت وعرس مبارک حضرت[1] شیخ انجام دادم در ینولا منصب مذکور و متعلقات آن بہ مسمّاۃ فضل النسا بنت خوب صاحب ولد رحیم اللہ خطیب جامع مسجد تفویض کردم ومختار ساختم تفصیل جائیداد مفوضہ برائے انتظام عرس۔ جاگیرات چہار موضع معلوم ۔ وحصہ درگاہ

---

[1] یہاں حضرت سے مراد حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ ہے۔ اس دور کے آداب تحریر میں اس بات کا خاص التزام یہ تھا کہ واجب التعظیم نام کو تحریر کے ضمن میں نہیں لکھتے تھے بلکہ سب سے اوپر تحریر ہوتا تھا چنانچہ اس اصل وثیقہ میں بھی پیشانی پر شیخ شہاب الدین تحریر ہے ۔

کہ معمول است - ویک حویلی مسکونہ واقع سندھی پورہ و دیگر دو قطعہ
زمین معہ حوض واقع پرگنہ زین پور (زینا باد) بر کنارہ رود تپتی
متصل مقبرہ رومی تا دیوار آہو خانہ کہ تکیہ ساختہ و زرخرید حضرت
شیخ مغفرت مآب است و دیگر قطعہ زمین شہاب الدین پورہ
در آن منجملہ دو حصہ کردہ ازان یک حصہ زمین منمقر بذکورا ست
کہ مشہور بہ باڑۂ سانول است و قطعہ زمین دیگر متصل درگاہ حضر
شاہ ابراہیم کلہوراری - و دیگر دو قطعہ زمین افتادہ واقع محلہ مذکور
نزد خانقاہ مزبور - دیگر قطعہ زمین واقع محلہ خراطی بازار کہ مشہور بہ
خانجہانی است..........

تحریر فی التاریخ چہارم جمادی الثانی ۱۲۲۸ھ

اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ تاپتی ندی کے دوسرے کنارے پر شیخ
شہاب الدین کی بہت زیادہ زمین تھی جو زین آباد سے متوازی دور تک پھیلی
ہوئی تھی اور کافی حصہ پر آبادی بھی تھی جس کا نام شہاب الدین پورہ تھا -
سانول باڑہ اب بھی موجود ہے اور اسی نام سے زین آباد کے پٹیل کے تصرف
میں ہے زمانۂ قدیم کی نہایت عریض اور بلند مٹی کی دیواروں سے محدود ہے
اور آج بھی سانول باڑہ ہی کہلاتا ہے۔

اسی تحریر سے رومی خان کے مقبرہ کا صحیح مقام بھی واضح ہوتا ہے جو
تاریخ کی ایک اہم چیز ہے اور اس سے چند دیگر تاریخی مشاہیر کے
مزارات کی نشاندہی وابستہ ہے - جو عام طور سے اہلِ جستجو کے لیے ایک مصدقہ انکشاف ہے

آپ کو فیاضِ ازل کی بارگاہ سے دینی و دنیوی سعادتوں کا وافر حصہ عطا ہوا تھا، عزت، وجاہت، دولت اور روحانی عظمت کے ساتھ ساتھ نیک اور نامور اولاد سے بھی خدا نے نوازا ہوا تھا۔ چار فرزند سعید و رشید عالم و فاضل و مقبول انام تھے اور ہر ایک علوم عقلی و نقلی سے بہرہ ور تھا۔ مقاماتِ سلوک طے کرانے کے بعد آپ نے وقتاً فوقتاً چاروں کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا۔ بڑے فرزند عبداللہ قدس سرہٗ کو حضرت مسیح الاولیا کے روضۂ مبارک کی تولیت و سجادگی عطا کی۔ آپ کے وصال کے بعد اس شاخ میں ایک اور مسند خلافت و سجادگی قائم ہوئی۔ یہ آپ کے روضہ کی تولیت و سجادگی تھی جس پر حضرت محمد عبداللہ سجادہ مسیح الاولیا نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت شیخ بہاء الدین کو سجادہ نشین کیا۔ یہ سجادگی ایک عرصہ تک علی التواتر ان کی اولاد میں قائم و جاری رہی اور یہ سجادے سجادگان شیخ شہاب الدین یا شیخ بہاء الدین کہلائے۔ اوپر جو سپردگی نامہ پیش کرآیا ہوں وہ اسی درگاہ سے متعلق ہے اور واضح طور پر تحریر ہے کہ یہ املاک حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ کے عرس کے مصارف کے لئے سپرد کی جاتی ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا عرس ۱۲۸۰ھ تک کس قدر عظیم بالشان اہتمام سے کیا جاتا تھا جس کے لئے اس سستے اور برکت والے زمانہ میں صدہا روپیہ مخصوص تھا۔

حضرت شیخ رحیم قدس سرہٗ

آپ حضرت بابا فتح محمد محدث رح کے فرزند ہیں والد کی تعلیم و تربیت سے پروان چڑھے جملہ علوم عقلی و نقلی میں استعداد کامل بہم پہنچائی۔ تصوف کے اسرار و رموز ریاضت و مجاہدات سے حاصل فرمائے۔ درویش دوست اور تقویٰ شعاری مسلک تھا۔ حضرت نے خانقاہ نشینوں کی تعلیم و تربیت پر مامور فرمایا ہوا تھا۔ طالبانِ حق کو ان کی استعداد کے موافق روحانی ترقی کی منزلیں طے کراتے تھے۔

حضرت نے جب وطنِ مالوف سے حجازِ مقدس کے سفر کا عزم کیا اور مدینۂ طیبہ میں مستقل طور پر بقیہ عمر بسر کرنے کے قصد سے روانہ ہوئے تو از روئے وصیت شرعی طور پر اپنا ترکہ ورثا میں تقسیم فرمایا اس میں آپ کے حصہ کے ساتھ مصارف خانقاہ کیلئے مناسب حال رقم کی املاک کا اضافہ ملحوظ رکھا تھا جس پر آپ نے کمالِ دیانت اور سعادتمندی سے عمل کیا اور تاحیات یہ ذمہ داری آپ کو تفویض رہی۔

خاندانی علم و فضل کا سلسلہ آپکی اولاد میں بھی عرصۂ دراز تک جاری رہا حفظ قرآن مجید اور علم قرأت جو مسیح الاولیا کے خاندان کا خاص جوہر ہے اس سے آپ کے سعید اخلاف خاطر خواہ بہرہ ور رہے چنانچہ آپ کے پوتے جو آپ کے ہمنام تھے علوم قرآنی پر عبور کے باعث جامع مسجد برہانپور کے خطیب مقرر کیے گئے تھے۔

حضرت شیخ محمد عیسٰے قدس سرہٗ

آپ حضرت بابا فتح محمد محدث قدس سرہٗ کے چھوٹے فرزند ہیں۔ علوم متعارفہ اپنے والد سے تحصیل کئے۔ تصوف میں بھی خاص دسترس تھا۔ سادگی پسند اور تقوٰے شعار تھے۔ حضرت بابا فتح محمد کی ہجرت کے وقت عنفوان شباب کا عالم تھا۔ محتاط اور قناعت کے جوہر سے آراستہ تھے۔ حضرت نے اپنی اولاد اور دیگر ورثا کو جو ترکہ تقسیم فرمایا تھا آپ کے حصہ کے علاوہ شیخ شہاب الدین کا الاضیات معافی کا حصہ بھی امانتاً آپ ہی کے سپرد کیا گیا تھا کیونکہ شیخ شہاب الدین والد کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے۔ جب وہ چار سال بعد ۱۲۶۸ھ میں واپس آئے تو آپ نے علی الحساب تمام رقم بلا طلب پیش کر دی۔ حضرت بابا فتح محمد نے مدینہ طیبہ سے شیخ شہاب الدین کے ہاتھ ایک اور تاکید نامہ بھیجا تھا کہ تمام فرزند اپنی مادر عارضی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔

اس فرمان کی تعمیل میں آپ نے کمالِ سیرچشمی سے شیخ شہاب الدین کو اختیار دیدیا کہ آپ کو مجاز ہے میرے حصہ میں سے جو چاہیں اس نیک مقصد کے لئے لے لیں۔

آپ کو نظم و نسق اور حسنِ انتظام کا بھی خاص ملکہ تھا۔ شیخ شہاب الدین کی عدم موجودگی میں بقیہ اہلِ خاندان کی آسائشوں اور نگہداشت کی خدمات آپ خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

حضرت شیخ محمد عبد اللہ قدس سرہ

آپ حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہ کے بڑے فرزند ہیں۔ عالم و فاضل زاہد و عابد متقی تھے۔ والد کی وفات کے بعد حضرت مسیح الاولیا قدس سرہ کی درگاہ کی سجادہ نشینی پر فائز ہوئے۔ صاحب حال بزرگ تھے۔ قناعت پسندی اور توکل پر تکیہ تھا۔ اپنے علم و فضل اور روحانی برکات سے بے شمار اہل نیاز کو فیض پہنچایا۔ چودہ خانوادہ کی خلافت حاصل تھی۔ بے شمار مریدین اور متعدد نامور خلفا تھے۔ آپ کی تعلیمات کی خصوصیت یہ تھی کہ طالب کو مکروہات دنیوی سے اجتناب پر عامل کر کے خدا طلبی کی طرف متوجہ فرماتے کسب کمال کی ترغیب دیتے اور قوت بازو سے مسنون طریقہ پر حلال روزی کمانے کی تاکید فرماتے۔ آپ کے زیر تعلیم و تربیت درویش بھی مناسب حال پیشہ سے اپنی معاش حاصل کرتے تھے اور آپ کے فقرا بجائے کسی پر بار ہونے کے اپنے متعلقین کے لئے سہارا ہوتے تھے۔ فرخ سیر بادشاہ آپکا عقیدتمند تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی وہ خانقاہ کے مصارف کے لئے کچھ مواضع جاگیر مدد معاش پیش کرنا چاہتا تھا۔ آپنے قبول نہ کئے اور اسی سنہ میں وصال فرمایا۔ فرخ سیر نے آپ کی بیوہ دختر مسماۃ امۃ الجلیل کو موضع کارکھیڑہ کی سند بھجوادی۔ یہ سند تو آج بھی سجادہ حال حکیم لاڈلے صاحب کے پاس

موجود ہے۔ جاگیر کی رقم بھی پچاس سال پہلے تک ان کے بزرگوں
نے حاصل کی بعد میں حکومتوں کی تبدیلیوں کے باعث اِدھر کی اُدھر
ہو گئی، مثلاً بارہ سال قبل تک مقدمہ بازی ہوتی رہی جو بے نتیجہ
رہی ۔

حضرت شیخ بہاء الدین قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ کے دوسرے فرزند ہیں۔ اعلیٰ علوم حدیث، فقہ، کے عالم باعمل اور علوم عرفان وتصوف کے اسرار ورموز سے فیضیاب تھے، اپنے والد کی مؤثر تعلیم اور فیضانِ خدمت وصحبت سے دینی ودنیاوی اعزاز وکامرانی حاصل کی تھی۔ والد محترم اور بڑے بھائی شیخ محمد عبداللہ سجادہ سے بیعت وخلافت سے سرفراز تھے۔

حضرت شیخ شہاب الدین کے وصال کے بعد ان کے خلفاء ومریدین نے ان کا عرس نہایت شان واہتمام سے کرنا شروع کیا تو برادر بزرگ شیخ محمد عبداللہ نے شہر کے ممتاز سجادگان وعمائدین کی مجلس منعقد کرکے شیخ شہاب الدین کی درگاہ سے متعلق ایک مسند سجادگی قائم کرکے شیخ بہاء الدین کو سجادہ نشین کیا اور اس درگاہ کا اہتمام تمام وکمال ان کے سپرد کردیا۔ چنانچہ شیخ شہاب الدینؒ کی درگاہ کی سجادہ نشینی شیخ بہاء الدین کے بعد ان کی اولاد میں متواتر اور متوارث رہی۔ اور عرس کے اہتمام میں روزافزوں اضافہ ہی ہوتا رہا ۱۲۲۵ھ کے ایک سپردگی نامہ کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اسی خاندان کے ایک سجادہ نے اپنی ایک عزیزہ کو شیخ مذکور کے عرس کے انتظامات سپرد کرتے ہوئے صدہا روپیہ آمدنی کی املاک بھی تفویض کی ہیں۔ یہ سپردگی نامہ (اقتباس) حضرت شیخ شہاب الدین کے ذکر میں نقل کیا گیا ہے۔

شاہ غلام یٰسین عین اللہ وارث رسول اللہ

ابن شیخ شہاب الدین ابن بابا فتح محمد رح

آپ کے حالات میں ولادت و وفات وغیرہ کا کوئی علم نہ ہو سکا بجز اسکے کہ آپ بابا فتح محمد کے پوتے ہیں اور اپنے عالی گوہر اسلاف کی طرح جوہر علمی سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ آپ کی ایک تصنیف کا قلمی نسخہ راقم الحروف کے پاس ہے۔ جس کا نام "شرح آیاتِ سلیمانیہ" ہے۔ یہ نسخہ خود آپ کے قلم کا مکتوبہ ہے بلکہ قلم برداشتہ تحریر سے پایا جاتا ہے کہ یہ مکتوبہ مسودہ کی اولین کاپی ہے کیونکہ اسی نسخہ میں حسن خط کے نمونہ بھی موجود ہیں جو آپ کے قلم سے ثبت ہوئے۔

کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں جتنی آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر آیا ہے آپ نے سب کو فراہم کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سوانح زندگی مربوط کر دی ہے۔ آیات کی شرح سادہ فارسی زبان میں لکھی ہے۔

آغاز کتاب میں آپ نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:۔

شاہ غلام یٰسین عین اللہ وارث رسول اللہ الصدیقی
الجعفری القادری النقشبندی العیسوی الفتحی
الشہابی البرہانپوری۔

خاتمہ پر ترقیمہ کی عبارت یہ ہے :۔

مالک مجازی و مملوک حقیقی فقیر یٰسین عین اللہ وارث
رسول اللہ شطاری البرہانپوری

کتاب میں سنہ تالیف و کتابت کی تاریخ درج نہیں ہے تاہم یہ بات ظاہر ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں کیونکہ موصوف نے تحفۃ الاوراد کی وجہ تالیف میں صرف دو فرزندوں شیخ بہاء الدین اور شیخ علاء الدین کے نام لکھے ہیں کہ ان کی تعلیم کی غرض سے یہ کتاب تالیف ہوئی چنانچہ اس زمانہ میں آپ پیدا بھی ہو چکے ہوں گے تو تعلیم کے قابل عمر نہ ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت محمد انور خان قطب الدولہ قدس سرہٗ

آپ حضرت مسیح الاولیا قدس سرہٗ کے سجادہ سوم حضرت شیخ محمد عبد اللہ قدس سرہٗ کے فرزند ہیں۔ علوم متعارفہ سے آراستہ اور مشائخانہ اوصاف عالی سے پیراستہ تھے۔ لیکن جوشِ جوانی اور طبیعت کی اولوالعزمی کے باعث سپاہگری سے خاص شغف اور رغبت رکھتے تھے فرخ سیر کے عہد میں شائستہ منصب اور خانی کے خطاب سے افتخار پایا۔

مآثر الامرا میں درج ہے کہ آپ کو شاہ نور اللہ درویش بہت عزیز رکھتے تھے۔ انھوں نے سادات بادشاہ گر سے سفارش کروادی۔ تب فرخ سیر نے آپ کو منصب پر مامور کیا۔ اصل عبارت یہ ہے۔

ابتدائً منظور نظر شاہ نور اللہ درویش کہ قطب الملک
و حسین علی خان را با دے اخلاص و اتحاد متحقق بود۔ بہ سفارش
درویش مذکور سادات مذکور دستگیری نمودہ در عہد محمد فرخ سیر
بادشاہ بمنصب شائستہ و خطاب خانی سر بلند گردید۔

یہ روایت صداقت سے بعید معلوم ہوتی ہے۔ سادات بارہہ و نیز بادشاہ فرخ سیر کو خود اس خاندان والاشان سے ذاتی طور پر گہری عقیدت حاصل تھی۔ اسی فرخ سیر بادشاہ نے تخت شاہی پر جلوس فرما ہونے کے چند ماہ بعد ہی محمد انور خان کی ہمشیرہ محترمہ

مرحوم کے وابستگان کے لئے موضع کارکھیڑہ کی گرانقدر جاگیر مدد معاش عطا کی تھی۔ شاہی سند کی نقل یہ ہے :-

مُہر

فرخ سیر ۔۔۔
امیر تیمور تک مسلسل
نام

طغرا

فرمان

عن ظلی ہے
محمد فرخ سیر
معین الدین ابو المظفر
عالمگیر ثانی
بادشاہ

درینوقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان

صادر شد کہ موضع کارکھیڑہ متعلق پرگنہ زین پور صوبہ خاندیس

در سبب تجمیع چہل وہشت ہزار دام کہ پانصدر وپیہ کسری حاصل

آنست از پنج سدس خریف خریف ئیلا ئیل در وجہ مدد معاش

مسماۃ امۃ الجلیل بنت محمد عبداللہ نبیرۂ قدوۃ الواصلین حضرت

شیخ عیسےٰ قدس سرہٗ بلاقید اسامی وقسمت حسب الضمن مقرر باشد

باید کہ حکام وعمال ومتصدیان مہمات وجاگیرداران وکروڑیان

حال واستقبال موضع مذکور را بہ تصرف وابستہ ہائے مسماۃ مذکور

بازگزارند واز جمیع عوارض ووجوہ معاف ومرفوع القلم شمارند

ودرین باب ہرسال سند مجدد نہ طلبند۔

سوم محرم الحرام سال دوم از جلوس والا نوشتہ شد

یہ سند سجادہ حال حکیم لاڈلے صاحب کے پاس ہنوز موجود ہے۔
آپکے بزرگوں نے اس کے حاصل سے تمتع بھی حاصل کیا ہے۔ لیکن بعد میں

مرہٹہ دور آیا تو یہ جاگیر بھی ضبط ہوگئی۔ انگریزوں کے زمانہ سلطنت میں بھی منجملہ دیگر جاگیرات کے کارکھیڑہ کی واگذاری کی بھی جد و جہد کیگئی۔ سالہا سال قانونی سہاروں پر کوشش کیگئی، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ یہاں سند کے متعلق صرف اتنا ہی ذکر کافی ہے۔ مقصود تو یہ ثابت کرنا ہے کہ بادشاہ کو بلاکسی کی تحریک وسفارش کے اس خاندان کے جملہ افراد کی خدمت و امداد کا ذاتی طور پر خیال تھا۔ حتیٰ کہ سجّادہ مغفور کی دختر مرحومہ کے فرزندوں اور متعلقین کا بھی۔

ہو سکتا ہے کہ بااینہمہ سادات برادران نے بھی سفارش کردی ہو اور سلطان نے قطب الدولہ کا خطاب انھیں قطب الملک کی دلجوئی کے لئے عطا فرمایا ہو۔ بہر حال وہ فرخ سیر کے عہد میں منصب پہ مامور ہوئے اور کچھ ایسے مبارک وموزوں وقت میں آپ منصب پہ فائز ہوئے تھے کہ بادشاہتیں درہم وبرہم ہوئیں وزارتیں تبدیل ہوئیں ملک میں بغاوتیں اور انقلاب رونما ہوئے۔ لیکن آپ کے منصب امارت پر زوال نہیں آیا۔ ۱۱۳۱ھ میں فرخ سیر کے قتل اور محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد جب نظام الملک نے دکن پر یورش کی۔ انور خان صوبہ دار برہان پور اور دکن کے بخشی تھے اور سادات کا بھتیجا عالم علی خان اورنگ آباد میں نائب ناظم تھا۔ عالم علی خان نے نظام الملک کے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ انور خان کو جوان دنوں اورنگ آباد میں تھے برہانپور و قلعہ آسیر کی حفاظت کے لیے روانہ کیا۔

انور خان بڑے ذہین تھے۔ برہان پور آکر انھوں نے ہوا کا رخ دیکھکر
اندازہ کیا کہ نظام الملک کے سدِ راہ ہونے میں کامیابی کی کم امید اور پامال
ہوجانے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ نیز سادات کے مظالم کے پیش نظران کا زوال
بھی قریب ہی نظر آتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے نظام الملک کی آمد پر
بجائے صفِ جنگ آراستہ کرنے کے اظہار مودت و محبت کیا اور استقبال
کرکے شہر و قلعہ حوالہ کر دیا۔ نظام الملک پہلے ہی قدم کی اس عظیم و نمایاں
کامیابی سے بہت مسرور و متأثر ہوا۔ خود تو اسی رفتار سے عالم علی خان کے
مقابلے کے لئے آگے بڑھ گیا اور برہانپور و قلعہ آسیر کے انتظام کے لئے
قطب الدولہ کو اپنی جانب سے مامور کر گیا۔

معرکۂ کارزار میں عالم علی خان نے جم کر مقابلہ کیا مگر کچھ پیش نہ گئی
اور میدانِ جنگ میں مقتول ہوا۔ یہ فیصلہ کن جنگ تھی۔ تمام صوبجات دکن
پر نظام الملک کا تسلط ہو گیا۔ سادات برادران اس خبر سے بے چین ہو گئے
اور پوری طاقت کے ساتھ بادشاہ کو بھی ہمراہ لے کر نظام الملک کے استیصال
کے لئے دارالخلافہ سے نکل کر دکن روانہ ہوئے۔ لیکن راستہ ہی میں ایک
بھائی قتل کر دیا گیا اور دوسرا بادشاہ سے مقابلہ کرتے ہوئے اسیر و دستگیر
ہوا۔ محمد شاہ نے سادات کے پنجۂ ستم سے نجات پاتے ہی نظام الملک کو
وزیر الممالک کا منصب اور صوبجات دکن کی حکمرانی کا فرمان بھیج دیا۔
نظام دکن نے مطمئن ہو کر دکن کا نظم و نسق اپنی مرضی کے مطابق قائم کیا
اور انور خان اپنے عہدے و منصب پر بحال رہے۔

ایک اور نازک موقعہ پر آپ نے نہایت فراست و دانائی سے خود کو ملزم یا معتوب ہونے سے محفوظ رکھا۔ جب کہ نظام الملک نادر شاہ کی آمد کے سلسلہ میں بادشاہ کی طلبی پر دار الخلافہ کو گئے اور اپنی نیابت میں اپنے فرزند ناصر جنگ کو قائم مقام کر گئے۔ ناصر جنگ نے میدان صاف پاکر ہاتھ پاؤں نکالے اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس موقعہ پر جو امیران کے مخالف رہے وہ ناصر جنگ کے معتوب ہوکر معزول یا آوارۂ ادبار ہوئے اور جنھوں نے موافقت کی وہ نظام الملک کے کامیاب ہونے پر معطل و معزول ہوئے۔ باپ بیٹوں کے اختلاف کے زمانہ میں آپ کے سپرد سابقہ منصب ہی رہا۔ آپ خاموشی سے اپنے مقامی مشاغل میں مصروف رہے اختلاف بھی ظاہر نہیں کیا کہ ناصر جنگ مشتبہ ہوتا اور ایسی کوئی نمودار حرکت بھی نہ کی جس سے آپ کی موافقت ثابت ہوکر نظام الملک کی ناراضی کا باعث بنتی۔ البتہ نظام جب دہلی سے واپس آئے تو آپ نے پھر سد راہ نہ ہوتے ہوئے استقبال کر کے وفاداری کا ثبوت دیا۔ مآثر الامراء نے آپ کی ان مصلحت کوشیوں کو زمانہ سازی بتایا ہے۔ آپ باوجود دنیادی وجاہت و مشغلۂ امارت کے بھی عبادت گزاری اور وظیفہ خوانی کے عادی تھے۔ بلند اخلاق تھے۔ سنہ ۱۱۷۱ھ میں انتقال ہوا۔ لاولد تھے۔ مآثر الامراء کی عبارت کے چند جملے ملاحظہ ہوں :۔

> مطابق سنہ یکہزار و یک صد و ہفتاد و یک بعالم آخرت شتافت۔ خلیق بود و بعبادت یومیہ مؤظف، اما در زمانہ سازی

یکتائی داشت ازو اولاد نہ بود۔

مآثر الامرا بحوالہ تاریخ برہانپور ص ۲۱۲

برہانپور میں انتقال ہوا اور خاندانی قبرستان کے احاطہ میں بمقام سندھی پورہ دفن ہوئے۔

دَورِ دوم (۲)

دیگر مشائخ و صلحائے سندھ

قدس‌ہم اللہ اسرارہم

ؒ

حضرت مولانا شیخ طیب ابن مخدوم ہاونی
(قدس سرہٗ)

آپ کے ذکر میں مولانا غوثی لکھتے ہیں کہ :-

مخدوم ہارون ایک بزرگ تھے، سندھ کی تمام زمین ان کے وجود سے روشن تھی اور ٹھٹھہ کے تمام اطراف ان کی اولاد اور شاگردوں سے منور ہیں یہ شیخ طیب انھیں مخدوم کے فرزندوں میں سے ہیں -
گلزار ابرار صفحہ ۳۴۷

آپ کی وطن سے ہجرت کا زمانہ اور خاص اسباب کی صراحت نہ کرتے ہوئے صرف اس قدر نشان دہی کی ہے کہ :-

تقدیر کے کرشمہ سے ناچار ہوکر آپ اپنے وطن سے دل برداشتہ ہوئے اور ایلچ پور برار کیطرف سفر اختیار کیا - گلزار ابرار صفحہ ۳۴۷

یہ وہ زمانہ تھا جب شیخ طاہر محدث ایلچ پور میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے مشاغل میں مصروف تھے اور دونوں میں پہلے ہی نہایت مخلصانہ دوستی تھی - اس ملاقات سے دونوں بہت مسرور ہوئے اور پھر اس یکجائی میں ہی پوری عمر بسر کردی - شیخ طاہر بھی ایسے خلوص اور برادرانہ محبت سے پیش آتے کہ ناواقف لوگ دونوں کو حقیقی بھائی خیال کرتے تھے - اتفاق سے

شیخ طاہر کے بڑے بھائی کا نام بھی شیخ طیب تھا لیکن ان کا انتقال ۹۵۰ھ میں وطن مالوف ہی میں ہو چکا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگ ان کو حقیقی بھائی سمجھنے لگے تھے۔

شیخ طیب اپنے نامور عالم و فاضل والد کی خدمت میں اعلیٰ علوم سے فارغ التحصیل ہونے کے باوجود حضرت مُلّا یونس مفتی سندھی کی شاگردی سے بھی شرف یاب تھے۔ نہ صرف آپ حافظ قاری اور عالم بے بدل ہونے کے اعتبار سے خود فیض یافتہ تھے بلکہ اپنے سرچشمۂ علوم سے طالبانِ فضل و کمال کو سیراب کرنے کی فیض رسانی سے بھی دریغ نہ فرماتے۔ چنانچہ حضرت مسیح الاولیا فقہ اور کلام میں آپ کے شاگرد ہیں۔ نیز آپ عارفانہ علوم تصوف اور حدیث کے سلسلہ میں شارح اور حاشیہ نگار بھی ہیں۔ آپکی تالیف سے رسالۂ غوثیہ کی مفید شرح اور مشکوٰۃ پر عمدہ عمدہ حاشیے یادگار ہیں۔

فاروقی بادشاہ نے حضرت شیخ طاہر کے علاوہ آپ سے بھی برہانپور تشریف لانے کے لئے اصرار کیا تو آپ بھی برہان پور آگئے۔ اور فیض رسانیِ خلق کے مشاغل پر دس سال سے زائد عرصہ تک یہاں بھی کاربند رہے۔ غوثی کا بیان ہے کہ دسویں صدی کے دسویں حصہ میں (یعنی ۹۹۱ھ کے بعد کسی سنہ میں) انتقال فرمایا اور شیخ ابراہیم ابن عمر سندھی کے حظیرے میں دفن ہوئے۔

حضرت شیخ ابراہیم کلہورا قدس سرہٗ

سندھ سے ہجرت کر کے برہان پور میں وطن اختیار کرنیوالوں میں آپ کو نسبتاً قدامت حاصل ہے۔ تفصیلات تو موجود نہیں البتہ دسویں صدی ہجری کے آغاز سے آپ کا برہان پور میں موجود ہونا پایا جاتا ہے۔ آپ حصور تھے چنانچہ تجرد میں عمر بسر کی۔ آپ کے پیرانِ طریقت اور اساتذہ کے متعلق بھی کوئی صراحت نظر سے نہیں گذری، لیکن آپ علم وفضل کے جوہر سے آراستہ پابند شریعت اور تقویٰ شعار تھے۔ روحانی دنیا میں بھی آپ کو کمالِ عرفان حاصل تھا۔ دنیاداروں کی صحبت سے گریز فرماتے برہان پور میں شمالی جانب اُتاولی ندی کے متصل خانقاہ تھی، دستِ غیب کی لازوال آسمانی دولت سے سرفراز تھے اور درویشی میں سلطانی جود وسخا کا فیض آپ کے قلندرانہ دربار سے جاری رہا کرتا تھا۔ روزانہ پانچ سو روپیہ رائج الوقت خزانۂ غیب سے پہنچ جاتے اور آپ انھیں ہر روز فقرا اور اہلِ استحقاق پر تقسیم فرما دیتے۔

ایک مرتبہ والیِ ملک مبارک شاہ فاروقی متوفی ۹۴۲ھ آپ کی خدمت میں زرِکثیر برائے نذر لایا اور بہت اصرار کیا کہ آپ قبول فرمالیں مگر آپ نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ جب ہماری لاحقہ ضروریات کا انتظام

اللہ تعالیٰ کے خزانہ سے ہوجاتا ہے تو ہم اسے بیکار کیوں رکھ چھوڑیں ــ

برائے نہادن چہ سنگ و چہ زر۔

آپ شاہ منصور مجذوب فاروقی برہانپوری کے معاصر تھے جو فاروقی بادشاہ کے وزیر ملک جلال کے فرزند تھے اور حضرت شاہ بھکاری قدس سرہٗ کے ممتاز خلیفہ تھے اور ہمنامی کے لحاظ سے اپنے مرشد سے منصور کے مقام کی تمنا کی تھی، چنانچہ مجذوب ہوگئے تھے۔ دونوں بزرگوں میں ابتداً باہم ربط تھا۔ اتفاقاً شیخ ابراہیم کلھوڑا کی خانقاہ میں ایک سیاح وارد ہوا اور دریافت کیا کہ اس شہر میں شاہ منصور کہاں رہتے ہیں میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا اُن سے کیا کام ہے اور تم اُنھیں کیسے جانتے ہو۔ سیاح نے کہا میں کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں مقیم رہا ہوں ہر جمعہ کو مسجد نبوی میں ایک لنگی بستہ شخص کو شریک نماز دیکھا۔ مگر بعد نماز بہت جستجو کرنے پر بھی ان سے ملاقات نہ ہوسکی مجھے حد سے زیادہ مشتاق دیکھ کر ایک اہلِ نظر بزرگ نے بتایا کہ وہ برہانپور میں رہتے ہیں اور باطنی قوت سے نماز جمعہ کے لئے یہاں آتے ہیں یہ معلوم کرکے مجھے اور اشتیاق ہوا اور میں نے ان کی ملاقات کے شوق میں یہاں تک سفر کی زحمتیں برداشت کی ہیں۔ وہ مل جائیں تو ان کی باطنی قوت کا اندازہ کروں۔

آپ نے کہا وہ مجذوب ہیں اُن کی راز جوئی مناسب نہیں، بہتر ہے کہ تم ان کے پاس نہ جاؤ مگر وہ اجل رسیدہ کہاں مانتا تھا، نخوت سے کہا مجذوب ہیں تو ہوا کریں میں تو ہوش میں ہوں۔ جب وہ شخص چلا گیا تو شیخ ابراہیم نے

مریدین سے فرمایا کہ ایک شخص کی تجہیز و تکفین کا سامان تیار رکھو۔
زیادہ دیر نہ گذری تھا کہ سیاح مذکور تڑپتا اور کراہتا ہوا واپس آیا جو شخص اس کے ہمراہ پہنچانے آیا تھا اس نے بتایا کہ سیاح نے شاہ منصور کے ساتھ بے تکلف گفتگو میں افشائے راز کی جسارت کرتے ہوئے کہا کہ آپ تو منصور ثانی ہیں۔ شاہ منصور جلال میں آگئے اور غصے سے کہا۔ اُس منصور نے سر کٹوایا تھا اور یہ منصور سر کاٹتا ہے۔ اتنا سنتے ہی یہ شخص تڑپنے لگا اور میں بہ دشواری سہارا دے کر یہاں تک لایا ہوں۔ شیخ سیاح سے مخاطب ہوئے لیکن اسکو غیر حالت میں دیکھ کر فرمایا۔ اے نادان اپنی فضیلت کے غرور میں ولایت۔ جان اور ایمان بھی گنوا آیا۔ اسی وقت اپنے مرید شیخ دھیان سندھی کو شاہ منصور کے پاس سفارش کے لیے بھیجا۔ وہ جواب لایا کہ اسکی زندگی تو ختم ہوچکی ہے البتہ آپ کی سفارش سے ایمان سلامت رہیگا۔ سیاح اسی روز فوت ہوگیا اور آپ نے اپنی خانقاہ کے قرب میں اسکو دفن کرا دیا۔

آپ کی خانقاہ شہر سے باہر کافی فاصلہ پر تھی۔ لیکن آپ اکثر صلحاء کی ملاقات کے لئے برہانپور میں آتے رہتے تھے۔ عام راستے پر محلہ خرادیان میں شاہ منصور کا مکان تھا۔ جب ان کا جذب انتہا کو پہنچ گیا اور وہ عالم مدہوشی میں لباس اور ستر پوشی سے بے نیاز ہوکر مادر زاد برہنہ رہنے لگے تو آپ نے پاس شرع کے لحاظ سے وہ راستہ ترک کر دیا۔ کیونکہ شاہ منصور عموماً اپنے دروازے پر بیٹھے رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ چند مریدین کے ہمراہ ایک تنگ

گذر رہے تھے کہ مقابل سمت سے شاہ منصور آنکلے۔ کترا کر نکلجانے کا موقعہ نہ تھا۔ آمنا سامنا ہوگیا۔ شاہ منصور نے اشارے سے دریافت کیا کہاں چلے؟ آپ نے اپنی خانقاہ کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی خانقاہ کی طرف جارہا ہوں۔ شاہ منصور نے زمین پر ہتھیلی رکھ کر زور سے جنبش دی۔ آپ نے ہاتھ بلند کر کے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس مختصر اور خاموش مکالمے کے بعد دونوں بزرگ اپنی اپنی راہ چلے گئے۔ شہر سے باہر شیخ ابراہیم کی راہ میں آب جاری کا ایک نالہ واقع تھا جس میں ہمیشہ زانو سے نیچا ہی پانی رہتا تھا۔ لیکن اس دن جب آپ نے نالہ کو عبور کرنا چاہا تو پانی کی تھاہ نہ تھی۔ آپکا گھوڑا غرق ہونے لگا۔ اس خلاف توقع ناگہانی واقعہ سے تعجب اور پریشانی ہوئی اپنے مرشد کی طرف روحانی توجہ کی اور درگاہ الٰہی میں تضرع و دعا کی برکت سے آب نالہ حسب معمول پایاب پایا گیا اور آپ باطمینان عبور کر گئے۔ ہمراہی جنہوں نے یہ کیفیت مشاہدہ کی تھی گھبرا کر وجہ دریافت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ شاہ منصور نے زمین پر ہاتھ رکھ کر یہی کہا تھا کہ میں تجھے غرق کر دوں گا اور میں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر جواب دیا تھا کہ اللہ نے چاہا تو نکل جاؤں گا۔

یہ روایت ملفوظات جلالی سے ماخوذ ہے۔ راقم الحروف کے مطالعہ میں جو مخطوطہ رہا ہے وہ ناقص الآخر تھا۔ شاہ منصور کا ذکر ختم نہیں ہوا۔ آئندہ اوراق میں کس قدر روایات ہونگی خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ یا وہ جن کی نظر سے یہ مکمل کتاب گذری ہے۔

علامہ غوثی نے آپکی نظرِ کیمیا اثر کے متعلق یہ روایت اپنی کتاب میں لکھی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ اپنی مفلسی کی شکایت بیان کرکے کہنے لگے کہ گذشتہ زمانہ میں بعض بزرگوں کی یہ شان تھی کہ پتھر پر نگاہ ڈالتے تو وہ سونا بن جاتا تھا۔ آپ نے تبسم فرماکر سامنے پڑے ہوئے ایک پتھر پر نظر ڈالی، اُسی وقت وہ پتھر سونے کا رنگ اختیار کرنے لگا۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا اے پتھر میں نے یوں ہی تیری طرف دیکھ لیا ہے یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ تو سونا بن جائے۔ وہ پتھر اسی وقت اپنی اصلی حالت میں آگیا۔

شیخ ابراہیم اپنے زمانہ کے بڑے فیض رسان بزرگ تھے۔ آپ کے فیضانِ صحبت اور تقریر کی تاثیر سے بہت لوگ رغبت و خلوص سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ خدا نے آپ کو عمرِ طویل عطا فرمائی تھی۔ بے شمار خدارسیدہ بزرگوں سے کسبِ فیض اور ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا ۹۵۶ھ میں آپ نے وصال فرمایا جب کہ آپ کی عمر ۹۵ سال کی تھی۔ اور اپنی خانقاہ میں دفن ہوئے۔ یہ مقام برہانپور سے آسیر جانیوالی سڑک سے داہنی طرف آنا ولی ندی کے قریب واقع ہے۔ فضلِ الٰہی (۹۵۶) کے اعداد آپ کے سنہ وصال کے برابر ہیں۔ مزار کھلے میدان میں ایک مرتفع چبوترے پر ہے۔

ایک دلچسپ لطیفہ

برہانپور کے عوام لفظ کلھورا کے تلفظ کی صحت اور اصلیت سے

بیخبری کے باعث آپ کو ابراہیم شاہ کروڑے (یعنی کروڑپتی) کہتے ہیں اور تاویل میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آپ کروڑپتی درویش تھے جب ہی تو پچاس ساٹھ برس تک پانچسو روپے روز محتاجوں کو تقسیم کرتے رہے اور کبھی اس معمول میں فرق نہ آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے دستِ غیب کی شہرت سے کسی خوش فہم آدمی نے مذکورہ عرفِ عام کو مربوط کر کے اپنے ذہن کی رسائی کا مظاہرہ کیا ہے۔

حضرت شیخ وہبان سندھی رح

آپ حضرت شیخ ابراہیم کلہوڑا کے مرید ہیں۔ آپ کی ذات میں وحدت حقیقی اور غیرتِ ایزدی کی تجلیات کا ظہور بدرجۂ اتم تھا۔ ایک مرتبہ سرِراہ کسی پیکرِ جمال نامحرم خاتون کی جانب نظر اٹھ گئی۔ ضمیر کی طرف سے ملامت اور قلب روشن کی جانب سے خطاب ہوا کہ ابھی آنکھ غیر کے حسن پہ نگاہ کرنے کی طرف مائل ہے! اسی وقت دونوں آنکھوں کی بصارت زائل ہو گئی۔

اسی عالم میں آپ دل کو سوز و محنت اور جان کو شوق و غیرت سے مالا مال کئے گلتے پھرا کرتے تھے۔ فطری بات ہے کہ راہ چلتے ہوئے ہاتھ آگے پیچھے حرکت کیا کرتے ہیں آپ کا ہاتھ نسبتاً زیادہ ہلتا تھا۔ فرمایا اے ہاتھ تو ہم سے پیشتر کہاں جانا چاہتا ہے؟ اسی وقت ہاتھ مفلوج ہو گیا جنبش جاتی رہی۔

آپکا انتقال برہانپور میں ہوا اور یہیں مدفون ہوئے۔

قاضی عبدالسلام سندھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مخدوم شیخ عباس سندھی کے ارشد تلامذہ میں ہونہار اور ممتاز طالب علم تھے۔ وطن میں جب تک رہے مخدوم کی خدمت میں تحصیل علوم میں مصروف رہے علوم دینیہ میں اس قدر فضل و کمال حاصل کیا کہ آپ جب بعہدِ عادل شاہ فاروقی برہانپور تشریف لائے تو دین پناہ بادشاہ نے آپ کو قاضی القضاۃ کی مسند پر بہ اعزاز و اکرام متمکن کیا۔ اس پایہ کا فاضل اجل ہونے کے باوجود آپ نے حکیم عثمان بوبکانی رحمۃ اللہ علیہ کے دلنشین درس کا شہرہ سنا تو بصد ادب و نیازمندی زانوے ادب تہ کر کے ان کی شاگردی کا افتخار حاصل کیا۔ اپنے شفیق اساتذہ کا بہت احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ اولین استاد حضرت مخدوم کا ذکر بڑی محبت سے کیا کرتے۔ ان کی نسبت فرماتے تھے کہ دین، دیانت، دانش و بینش طبیعت میں نرمی اور اختلاط میں گرمی یہ اوصاف یقیناً مخدوم کی سرشت میں داخل تھے۔

ہمیں افسوس ہے کہ قاضی صاحب برہانپور میں اپنے زمانہ کی اس قدر نمودار شخصیت ہونے کے باوجود ان کے مزید حالات پر دسترس نہ ہو سکی۔ وہ تو احسان ہے ملا غوثی رحمۃ اللہ علیہ کا کہ انھوں نے بضمن دیگر بزرگوں کے چند جملے قاضی صاحب کے متعلق بھی لکھ دیئے جن کے سہارے سے یہ مجمل تعارف پیش کیا جا سکا۔

حضرت شیخ ابراہیم ابن عمر سندھی رحمۃ اللہ علیہ

ہمایوں کی یورش سے جب سندھ میں ابتری کا دور دورہ ہوا تو آپ ترکِ وطن کرکے سیر کناں برہانپور تشریف لے آئے۔ بقید تاریخ آپ کے درودِ مسعود کا صحیح زمانہ معین کرنے کے لئے کوئی مصدقہ شہادت موجود نہیں، البتہ بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ۹۷۲ھ سے قبل مبارک شاہ فاروقی کے عہد میں برہانپور آچکے تھے۔

افسوس ہے کہ آپ کے حالات "گلزار ابرار" کے سوا اور کسی تذکرے میں مذکور نہیں اور اگر کہیں ہوں تو نیاز مند راقم اس کے مطالعہ سے بہرہ ور نہ ہوسکا۔ چنانچہ اس صوفیِ صافی ضمیر اور پاک باز مرتاض بزرگ کا یہ مختصر تعارف علامہ غوثی حسن کے بیانات کی روشنی میں شریکِ تذکرہ کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔ نیز سعادتِ ابدی بھی۔

حضرت شیخ ابراہیم دنیا اور علائقِ دنیا سے قطعاً بے نیاز تھے۔ گمنامی پسندی اور گوشہ گیری آپ کا شعار تھا۔ حتیٰ کہ آبادی سے بھی آپکو گریز رہا ہے۔ عزلت گزینی کے پیش نظر برہانپور میں بھی آپنے آبادی سے دور اور شہر کے ہنگاموں سے الگ تھلگ شمالی جانب آسیر جانیوالی سڑک سے کچھ ہٹ کر زاویہ تجویز کیا۔ اسی غیر آباد مقام کو بے سروسامانی کے سروسامان سے آباد کرکے یکسوئی کے ساتھ توکل اور زہد و ریاضت

کے اسلحہ سے نفس سرکش کو مغلوب کرنے میں مصروفِ مجاہدہ رہے اور تا زندگی اسی مسلک پر قائم رہے۔ عوام و خواص کسی طبقہ سے میل جول قائم نہ کیا قوت بسری کا انتظام عالمِ غیب سے من جانب اللہ ہوتا رہا اور اسی عالم میں اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ سنہ وفات بھی بہ یقین متعین نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ قرائن سے پایا جاتا ہے کہ آپ مبارک شاہ فاروقی متوفی ۹۷۴ھ کے عہد میں ہی وصال فرما چکے تھے کیونکہ حضرت شیخ مبارک سندھی رح جن کا وصال ۹۷۰ھ میں ہوا تھا آپ کے حظیرہ میں دفن کئے گئے ہیں جیسا کہ علامہ غوثی حسن نے شیخ مبارک کے ذکر میں لکھا ہے

> روز جمعہ ۹۷۸ھ نوسو اٹھتر ہجری کو ملکِ تقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ خوابگاہ بر ہانپور شیخ ابراھیم ابن عمر سندھی کے حظیرۂ مقدس میں۔

زندگی میں تو گوشہ نشینی کی بدولت ہجومِ خلق سے نجات رہی لیکن خاصان خدا گمنامی کے پردہ میں خود کو کب تک چھپا سکتے ہیں۔ آپ کی ریاضت۔ تقویٰ۔ توکل۔ ترک لذات۔ خلوت پسندی، روحانی کمالات کی دلیل بنکر مشہورِ انام ہوئی۔ جس زاویۂ ریاضت و عبادت میں آپ نے زندگی بسر کی تھی وہیں دفن کئے گئے۔ مزار پر بادشاہِ وقت یا اہلِ ثروت عقیدتمندوں نے مقبرہ (شاندار گنبد) تعمیر کرا دیا تھا جو علامہ غوثی حسن نے ۱۰۲۰ھ میں بچشم خود دیکھا تھا۔ اس کا ذکر انھوں نے قاضی فاضل سندھی رح کے تذکرہ میں بایں الفاظ کیا ہے:۔

شیخ ابراہیم ابن عمر سندھی کی قبر کا قُبّہ برہان پور سے قطب شمالی کی طرف ہے۔ آپ کے باعقیدت دوستوں میں سے تھے۔

فی زمانناً مزارِ مبارک پر قُبّہ موجود نہیں کھلی چھت کی بارہ دری البتہ بنی ہوئی اور اب تو وہ بھی مائل بہ شکستگی ہے۔ آپ کے مزار کو بھی یہ رجوعِ خلق حاصل رہا ہے کہ اہل اللہ تک آپ کے ہمسایہ میں دفن ہونا افضل و مستحسن سمجھتے تھے چنانچہ متعدد مشاہیر مشائخ آپ کے مزار کے قرب و جوار میں آسودۂ خاک ہوئے اور تدریجاً تھوڑے ہی عرصہ میں اس نواح کا یہ خاص حصّہ ایک وسیع قبرستان بن گیا یہی نہیں بلکہ حضرت شیخ عبدالرحیم کپڑونجی جو حضرت شیخ ابراہیم مُرغ لاہوتی کے خلیفہ تھے گجرات سے برہان پور تشریف لائے تو بادشاہِ وقت عادل شاہ ابن مبارک شاہ فاروقی نے اتاولی ندی کے کنارے سیر حاصل مقام پر آپ کے قیام کا انتظام کر دیا ایک وسیع پختہ سرائے اور شاندار مسجد خانقاہ وغیرہ تعمیر کرا دی۔ اکثر مشائخ و علماء بھی وہیں آبسے اور ان کے کثیر التعداد تلامذہ و ارادتمندوں نے بھی حسبِ استطاعت مکانات بنوا لئے جب اس نو آبادی کے ڈانڈے برہانپور کی آبادی سے جا ملے اور یہاں درس و تدریس و عظ و پند کا آوازہ بلند ہوا تو شیخ عبدالرحیم موصوف نے اس آبادی کا نام۔ اسی علم دوست فقر انواز بادشاہ عادل شاہ فاروقی کی نسبت سے عادلپورہ مقرر فرمایا جو آج تک عادلپورہ کے نام سے متعارف اور تذکروں میں مذکور ہے۔ اور اسی آبادی (عادلپورہ) میں شیخ ابراہیم ابن عمر سندھی کا مقبرہ مع متعلقہ مزارستان مدغم ہو گیا یعنی آبادی اور انسانوں سے زندگی میں گریز کرنے والے تارکِ دنیا مرتاضِ عبادت گذار کو مرنے کے بعد مُردوں اور زندوں نے چاروں طرف سے بڑھ کر اپنے جھرمٹ میں لے لیا۔

حضرت مولانا شیخ مبارک سندھی رح

آپ مسیح الاولیا کے ہم وطن اور شیخ طاہر محدث کے مخلص دوست ہیں سندھ کا موضع پات جب مسیح الاولیا کے آباو کرام نے آباد کیا تھا اس آبادکاری میں شیخ مبارک کے آبائے کرام بھی متحد و شریک تھے اور شاید ترک وطن کے موقعہ پر بھی ان خاندانوں کے اخلاف کا اتحاد عمل بر روئے کار رہا۔

شیخ مبارک کی ولادت پات میں ہوئی وہیں نشو ونما پائی۔ سندھ میں ہی حضرت مخدوم عباس ابن شیخ جلالی سندھی کی شاگردی سے استادی کی سند حاصل کر چکے تھے جبکہ آپ وطن سے نکلے۔ کیونکہ احمد آباد گجرات میں ہم آپکو مسجد ناصر الملک کے مدرسہ میں مسندِ معلمی پر دیکھتے ہیں۔ قریبًا یہ وہی زمانہ ہے جب شیخ طاہر محدث ایلچپور برار میں مقیم ہوکر مدرسی کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ شیخ مبارک نے چند سال احمد آباد میں بسر کئے۔ بعد میں دل برداشتہ ہوکر ایلچپور چلے آئے ہم وطن مخلص دوست کا قرب تو حاصل ہوا ہی۔ ان کی تحریک سے والیِ برار نے مزید ایک مدرسہ جاری کرکے شیخ مبارک کو بھی مدرسی پر مامور کر دیا اور آپ فراغتِ خاطر کے ساتھ فرضِ منصبی انجام دینے لگے۔

کچھ عرصہ بعد ملک برار کا ملکی نظام درہم برہم ہوگیا۔ شیخ طاہر محدث اور شیخ مبارک یکے بعد دیگرے برہانپور آ گئے کیونکہ محدث صاحب

علم وفضل اور اثر انگیز درس کی شہرت سن کر محمد شاہ فاروقی بہت عرصہ سے سے بہ اصرار انھیں طلب کر رہا تھا۔ برہان پور میں آتے ہی محدث صاحب شاہی مدرسہ میں معلمی پر مامور کر دئیے گئے اور شیخ مبارک کو بادشاہ نے قصبہ چوپڑہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا۔ شیخ قضاۃ کے عہدے پر چلے تو گئے لیکن برہان پور کی روحانی دلچسپیاں، علمی صحبتیں، اور خصوصیت سے شیخ لاڈ جیو سندھی کی نغمہ پردازی۔ سندھی لہجے میں کافی کے زمزمے آپ کو چوپڑہ میں تڑپاتے رہے آخر کار وہ اپنے منصب سے مستعفی ہو کر برہانپور چلے آئے۔ بادشاہ نے آپ کے لئے بھی ایک مزید مدرسہ قائم کیا اور معلمی قبول کرنے کی تمنا کی لیکن آپ نے قبول نہ کیا اور اپنے آزاد منشی کے لحاظ سے پابند ہونے پر راضی نہ ہوئے۔ یہ ۹۸۲-۹۸۳ھ کا زمانہ تھا جلد ہی حکیم عثمان بوبکانی کی برہانپور میں تشریف آوری ہوئی تو بادشاہ نے انھیں اسی تازہ اجراء مدرسہ میں درس پر مامور کیا۔

شیخ مبارک برہانپور آکر روحانی صحبتوں میں دلچسپیاں لیتے رہے اور حضرت شیخ لشکر محمد عارف سے بیعت ہو کر ان سے شرح قیصری کا مقدمہ اول سے آخر تک درساً تکمیل کو پہنچایا۔ اس اثناء میں وقتاً فوقتاً مسیح الاولیا بھی شیخ مبارک سے بعض کتابوں کا درس لیتے رہے۔

۹۸۸ھ میں جمعہ کے روز دنیائے فانی کو رخصت کر کے ملک جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ عادلپورہ برہان پور میں حضرت

شیخ ابراھیم ابن عمر کے مزار کے نواح میں سپرد خاک ہوئے۔
اذکار ابرار میں آپ کے وصال کا سنہ ۹۷۸ھ نو سو اٹھتر لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں مترجم کا سہو یا کتابت کی غلطی ہے۔ بین دلیل یہ ہے کہ شیخ طاہر محدث سنہ ۹۷۴ھ تک برہانپور ہی میں نہیں آئے تھے۔ وہ پہلی مرتبہ سنہ ۹۸۱ھ میں برہان پور آئے۔ شیخ مبارک کی آمد کا بھی یہی زمانہ ہے۔ وہ سنہ ۹۸۱ھ کے آخر یا سنہ ۹۸۲ھ کے اوائل میں چوپڑہ کی قضاۃ پر مامور ہوئے اور اسی سنہ میں واپس آ گئے۔ اسکے بعد بھی پانچ چھ سال تک زندہ رہے لہذا انکا سالِ وصال سنہ ۹۷۸ھ نہیں ہو سکتا سنہ ۹۸۸ھ مذکورہ بالا شواہد کے اعتبار سے درست نظر آتا ہے۔ العلم عند اللہ

حضرت مولانا شیخ موسیٰ بوبکانی رح

آپ حکیم عثمان بوبکانی کے ہموطن اور ہمدرس ہیں - قاضی محمود موربی قدس سرہ کے درس میں حکیم عثمان اور آپ نے علم نحو میں عربی کتابیں پڑھیں ہیں عادلپورہ برہان پور میں مدرس تھے -

برہانپور میں دو عادلپورے ہیں جو عادل شاہ فاروقی نے بیک وقت آباد کئے تھے اور ہر جگہ ایک ایک وسیع سرائے اور ایک ایک وسیع اور شاندار مسجد تعمیر کروائی - مسجدوں اور سراؤں کی وسعت اور طرزِ تعمیر بالکل یکساں ہے بادشاہ نے تو رفاہِ عام اور وقف باللہ کی نیت سے یہ عمارات اور چند مشائخ کے لئے جو اس نواح میں مسافرانہ فروکش تھے خانقاہیں تعمیر کرادیں لیکن ہر مقام کے مقتدر ساکنین نے اپنی آبادی کا نام عادلپورہ مقرر کرلیا جو اسی نام سے متعارف و مشہور رہا - ایک عادلپورہ تاپتی ندی کے دوسرے کنارے پر متصل زین آباد واقع ہے - یہاں کی جدید جامع مسجد کی خطابت حضرت شیخ ماکھو سے متعلق تھی - اس کو عادلپورہ زین آباد کہا جاتا ہے -

دوسرا عادلپورہ وہ ہے جو برہان پور کے شمال میں متصل اتاولی ندی کے واقع ہے - اسی عادلپورہ میں بہت سے سندھی مشائخ بزرگوں کے مزارات ہیں اور حضرت شیخ موسیٰ بوبکانی اسی عادلپورہ میں مدرس تھے -

شیخ کی تاریخِ وفات اور مزار کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملی البتہ جس عہد میں یہ عادلپورہ میں مدرس پائے جاتے ہیں وہ عادل شاہ فاروقی کا عہد ہے اور عادلپورہ مذکور کی آبادی و عرفیت کی دیگر شواہد سے ۹۹۰ھ کے قریب نشان دہی ملتی ہے۔ چنانچہ یہ بے کم وکاست صحیح ہے کہ وہ ۹۹۰ھ یا اسکے بعد عادلپورہ میں مدرسی کی خدمت پر مامور ہوئے اگر ان کی وفات بھی چاہے جب ہوئی ہو برہان پور میں ہوئی ہے جیساکہ بعید از قیاس نہیں تو آپ کو مدفن کی زمین بھی عادلپورہ میں حضرت ابراہیم ابن عمر سندھیؒ کے قرب میں کہیں ملی ہوگی۔ جہاں اکثر سندھی مشائخ آسودہ خاک ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت شیخ ابراہیم قاری شطاری سندھی رحمۃ اللہ علیہ

آپکا آبائی وطن سندھ ہے۔ شیخ لشکر محمد عارف باللہ کے برگزیدہ خلیفہ ہیں، صاحب کیفیت بزرگ تھے، ظاہری و باطنی فضل و کمال سے آراستہ تھے، چند اقسام کے استادانہ خطوط لکھنے میں زبردست مشق بہم پہنچائی تھی، تجوید پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا، دل گداز آواز سے قرآن مجید پڑھتے تھے تو سننے والوں کو عجیب لذت و کیفیت حاصل ہوتی تھی۔ اہل طلب کو قرأت میں جبرئیلی لہجہ سکھاتے تھے۔ حضرت مسیح الاولیا اور آپکے پیر شیخ لشکر علم قرأت میں آپ کے شاگرد تھے۔

احمد آباد گجرات میں غوث الاولیار کی آمد اور فضائل و کمالات کا شہرہ سنکر حضرت شیخ لشکر نے ان کی خدمت میں بیعت ہونے کا فیصلہ کیا تو اپنے تمام مریدوں کو جمع کرکے فرمایا کہ احمد آباد میں ایسے عالی منزلت بزرگ وارد ہوئے ہیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہونا چاہتا ہوں، تم لوگ آزاد ہو چاہے ان سے بیعت کرلو یا کہیں اور چلے جاؤ۔ مریدوں نے عرض کی کہ ہم نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا ہے آپ کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے، آپ اپنی ذات کے لئے جو مناسب جانیں کریں ہم لوگ ہر حال میں آپ کے خادم ہیں اور آپ ہی کو اپنا دستگیر

سمجھتے رہیں گے۔ غرضکہ حضرت شیخ شکر غوث الاولیا کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے شرفیاب ہوئے۔ شیخ ابراہیم آپ کے ساتھ تھے۔ غوث الاولیا نے آپ کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے شیخ کا اپنی ذات سے حسن اعتقاد، ان کے کمالات اور حسن خدمات کا ذکر کیا۔ غوث الاولیا کو قرأت سے بڑا شغف تھا سن کر بہت خوش ہوئے اور تاکید کی کہ ہماری نمازوں میں قاری صاحب امامت کیا کریں اور جب تک شیخ الاولیا احمدآباد میں رہے آپ ہی کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے اور آپ کی خوش لہجہ قرأت سے متأثر ہو کر مرغ لاہوتی کا خطاب دیا تھا۔

خانقاہ غوثیہ میں پہنچنے پر شیخ ابراہیم نے اندازہ کیا کہ متوکل پیر اور دادا پیر عسرت سے دوچار ہیں چاہا کہ کتابت کے ذریعہ کمائی کر کے نذر کیا کریں۔ لیکن اس خیال سے کہ اس پیشہ میں آرام اور عزت ہے فقر اور مسکینی کا تقاضا تو یہ ہے کہ مشقت و تحقیر گوارا کی جائے۔ چنانچہ آپ نے جنگل سے لکڑیوں کا بوجھ سر پر لانا شروع کیا اور سالہا سال تک نفس کشی کی اس ریاضت سے خانقاہ کے مصارف کی خدمت کی۔

برہانپور کے بادشاہ میران محمد شاہ فاروقی نے مولانا حافظ صدر سندھی کو بھیجکر استدعا کی کہ میرے پردہ نشینان حرم اصول قراءت سے تعلیم قرآن کے خواہش مند ہیں۔ آپ چونکہ ضعیف العمر اور مہمہ صفات موصوف ہیں یہ ذمہ داری قبول فرمائیں۔ آپنے حافظ صاحب کو لطائف الحیل سے ٹال دیا۔ پیرانہ سالی میں آرام و اعزاز پر دل نہاد

نہ ہو کر آپ نے پیرا ور دادا پیر کی خدمت اور محنت شاقہ جاری رکھی۔

آپ تا زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف، متواضع و متوکل، وضع پر قائم رہے۔ لباس میں بھی صرف ستر پوشی کی حد تک اہتمام رکھا۔ یہاں تک کہ سلے اور بے سلے کی بھی تخصیص نہ تھی۔ روحانیت میں آپ کا یہ پایہ تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے کہا تھا کھانا کھاتے وقت روزی رساں رب کا نام یاد رکھنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا ابراہیم کے نزدیک صوفی وہ ہے جو رازقِ حقیقی کے مشاہدے کے بغیر کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔

آپ کے بہت مرید تھے جن میں ممتاز خلیفہ شیخ عبدالرحیم کپرونجی ہیں جنھیں آپ سے سلسلۂ شطاریہ میں خلافت حاصل تھی۔ آپ کی وفات ۹۹۱ھ میں ہوئی مادۂ تاریخ صاحب فیض (۹۹۱) ہے۔ شیخ ابراہیم ابن عمرؒ کے مقبرے کے متصل ھادلپورہ برہان پور مزار پر انوار زیارت گاہ و فیض بخش خلائق ہے۔

حضرت سید ابراہیم بھکری قدس سرہ

آپ کی زادبوم بھکر ملک سندھ ہے۔ کتابی علوم کے اعلیٰ مدارج حضرت مولانا یونس لاکھا کی خدمت میں طے کئے جو اپنے زمانہ کے جید عالم اور بافیض مدرس تھے۔ اور بقول علامہ غوثی مولانا کا درس تاثیر و بصیرت کے اعتبار سے حضرت قاضی عیسےٰ اور شیخ وجیہ الدین علوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس کے مماثل تھا چنانچہ آپ کے تلامذہ متعدد مشاہیر علماء و صلحا گذرے ہیں منجملہ ان کے سید ابراہیم بھکری۔ شیخ نظام الدین ابن کبیر۔ ملا شیخ طیب سندھی۔ شیخ اسحق آسیری ممتاز مقام رکھتے تھے۔

حصولِ تعلیم کے بعد سید ابراہیم کی طبیعت میں خدا طلبی کا غلبہ پیدا ہوا اور آپ نے سیاحت اختیار کی۔ مختلف مقامات پر متعدد اہل اللہ سے فیضانِ صحبت حاصل کیا۔ لیکن بیعت کے لئے کہیں دل رجوع نہ ہوا سیر کناں برہانپور آ پہنچے۔ یہ اولیا خیز شہر اس زمانہ میں مرکز اہل اللہ بنا ہوا تھا۔ جملہ خانوادوں کے طریقہ سے فیض رسانی خلائق کی بے لوث خدمات انجام دینے میں مصروفِ عمل تھے۔ سید صاحب نے اکثر بزرگوں کی مجلسوں میں حاضری دی اور بالآخر اپنی منزل کو پالیا۔ یعنی حضرت شیخ جلال ہتو قدس سرہ کے مرید ہوئے جو حضرت شیخ شرف الدین شہباز

رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلیفہ تھے اور بادشاہ وقت میران مبارک شاہ فاروقی ان کا بڑا عقیدتمند تھا۔

غوثی لکھتے ہیں کہ سید ابراہیم بھکری کو اپنے پیر سے بڑی محبت تھی اور حسن اتفاق سے بادشاہ کو سید صاحب کی جانب خصوصی التفات و ارادت پیدا ہوگئی۔ ان وجوہ سے آپ نے برہانپور میں قیام کا ارادہ کر لیا اور پیر کی رہ گذر میں مکان اور خانقاہ بنوا کر متاہل ہوئے۔ اطمینان و یکسوئی کے ساتھ پیر کی تعلیمات و خدمات سے فیض یاب ہونے کے ساتھ ساتھ ہمعصر بزرگوں کی مجلسوں میں بھی نیازمندانہ شرکت کو سعادتِ ابدی جانتے تھے۔ اس منکسرانہ خلوص اور پیر کی نظر توجہ نے آپ کو عرفان و وجدان کی اعلیٰ منزلت پر پہنچا دیا تھا چنانچہ آپ اپنے زمانہ کے بلند پایہ صاحبِ مقام شیخ تسلیم کئے جاتے تھے۔ جسطرح آپ ابتداءً معاصر بزرگوں کی خدمت میں خلوص و نیازمندی سے حاضر ہوتے تھے۔ اُسی طرح جب خدا نے آپ کو بزرگی عطا فرمائی تو دیگر اہلِ فضیلت بھی آپ کے ہاں اُسی اخلاص و احترام سے آیا کرتے تھے۔ خصوصاً مسیح الاولیا قدس سرہ۔

علامہ غوثی کی روایت ہے۔

مسیح الاولیا نے فرمایا ایک دن میں سید صاحب کی ملازمت میں بیٹھا تھا، اُنھوں نے فرمایا کہ میں نے شیخ لشکر عارف باللہ سے یہ ترانہ سُنا ہے جب کہ وہ عالمِ محویت میں گانے لگتے تھے۔

اطاعتک العاصی فی عصیانک
وذکرک الناسی فی نسیانک

اگرچہ اس کو سنتے ہوئے عرصہ گذر چکا ہے لیکن میرے دل میں ابھی تک وہ کیف وذوق فوارہ کی طرح موجزن ہے -

اور ایک مرتبہ مسیح الاولیا سید صاحب سے ملنے کو جانے لگے تو ان کے پیر کے فرزند شیخ بایزید رح بھی ساتھ ہولئے - ابھی راہ میں ہی تھے کہ شیخ بایزید کے گھر سے کوئی شخص دوڑا ہوا آیا اور کوئی فکرمندانہ خبر سنا کر انھیں بہت جلد گھر پہنچنے کی ترغیب دی انھوں نے جواب دیا کہ ایسے بزرگ کی ملاقات کے ارادہ سے روانہ ہو چکا ہوں تو چاہے جو ہو ملاقات کر کے ہی گھر جاؤں گا - اور مسیح الاولیا کے ساتھ جاکر سید صاحب سے شرفِ نیاز حاصل کیا -

اس روایت کے دونوں پہلو اہلِ نظر کے لئے اثر انگیز درسِ بصیرت ہیں - یہ کہ شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ باوجود نوعمری وزمانۂ طالب علمی کے اتنے سعید اور ایسے راسخ العزم تھے کہ گھر سے اندوہناک اطلاع ملنے پر بھی اپنے ارادہ پر قائم رہے اور یہ بھی کہ سید ابراہیم بھکری قدس سرہٗ کس قدر باعظمت بزرگ تھے اور ان کی ذات میں کس درجہ کشش تھی کہ ان کی طرف جانے والے کو موانع بھی روک نہ سکتے تھے -

سید صاحب نے برہان پور میں کئی برس طالبانِ حق کو فیض پہنچایا - آپ کے بے شمار مرید اور متعدد خلفا تھے - خدا نے اولادِ نرینہ کی دولت

سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ تین سعادت مند فرزند تھے۔ علامہ غوثی نے انھیں دیکھا تھا وہ لکھتے ہیں کہ ہر سہ برادران اپنے اسلاف کی روش سے متصف ہیں۔ لیکن سید ابراہیم نے اپنے معاصر ارباب فضل مشائخ کے طریقے کے مطابق ایسے لائق اور ہونہار فرزندوں کی موجودگی کے باوجود اپنی جانشینی کے لئے شیخ نظام کو نامزد فرمایا جو اصطلاحاتِ تصوف اور علومِ متداولہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اور کتابت کا پیشہ اختیار کیا ہوا تھا۔ پیر کی جانشینی کے بعد کتابت کی تمام آمدنی ان کے عرس میں صرف کیا کرتے تھے۔ شیخ نظام کے علاوہ شاہ امان اللہ امانی برہانپوری اور مولانا عبدالرزاق بانسوی بھی آپ کے ممتاز ترین خلفا تھے سید ابراہیم بھکری کا وصال ۹۹۸ھ میں واقع ہوا اپنی خانقاہ میں دفن کئے گئے۔ مادۂ تاریخ ذوالکرام ۹۹۸ ہے۔ مبارک شاہ کے دوسرے فرزند میران راجے علی خان عادل شاہ فاروقی نے مزار پر شاندار گنبد تعمیر کرادیا جو متصل اتاولی ندی دولت میدان کے راستہ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت شیخ لاڈجیو سندھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ آغاز شباب میں اپنے وطن مالوف سندھ سے ہجرت کرکے برہانپور میں متوطن ہو چکے تھے۔ خدا نے حُسن صورت اور حسن سیرت کے ساتھ خوش گلوئی کی نعمت سے مالامال فرمایا تھا۔ متاہل زندگی گزارتے تھے۔ نغمہ سنجی آپ کا فطری جوہر تھا۔ سندھی موسیقی میں کامل مہارت حاصل تھی۔ خصوصاً کافی جو سندھ کا مقبول عام راگ ہے اس درد و سوز کے ساتھ گاتے تھے کہ سامعین جھوم اُٹھتے اور خود بھی مست ہو جاتے تھے۔ کافی کی اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ مولانا شیخ مبارک سندھی جو اپنے علم وفضل اور تقوے کے اعتبار سے والیٔ برار کی استدعا پر ایلچپور کی مسندِ قضاۃ کو زینت بخش چکے تھے شیخ لاڈجیو کی نغمہ پردازی اور بعض مخلص احباب کے جذبۂ محبت کی کشش کے باعث عزّت وعظمت کے اس بلند منصب کو کو ترک کرکے برہانپور چلے آئے تھے۔

مجاز سے حقیقت کی طرف گام زن ہونا آپ کا مسلک تھا۔ عارف پاک نظر اور پاکباز تھے۔ حسنِ ظاہر کو بھی ہمیشہ رغبت کی نگاہ سے دیکھا۔ محلہ سندھی پورہ میں حضرت مسیح الاولیاء کی ہمسائگی کا شرف حاصل تھا۔ قناعت وتوکل کو دوست رکھتے تھے۔ علامہ غوثی لکھتے ہیں کہ:-

آپ کا حجرہ حضرت مسیح الاولیا رح کی جامع مسجد کی شمالی دیوار سے ملا ہوا تھا۔ میرا گذر اس طرف وقتاً فوقتاً ہوتا تھا، میں نے آپ کے مکان میں اسباب خانہ داری کی کوئی چیز مطلقاً نہیں پائی۔

کم و بیش ستر سال کی عمر پائی، ایک ہزار سات ہجری میں وفات پائی اور حضرت شیخ ابراہیم ابن عمر سندھی کے مقبرہ کی ہمسائیگی میں دفن ہوئے۔

حکیم عثمان بوبکانی قدس سرہ

آپ شیخ عیسےٰ ابن شیخ ابراہیم صدیقی سندھی کے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت بقول ملا غوثی رح مضافات سندھ کے ایک مقام بوبکان میں ہوئی تھی آپکو حصولِ علم اور خداطلبی کا ذوق اوائلِ شباب میں کشاں کشاں مرکزِ علوم احمدآباد گجرات میں لے آیا جو ان دنوں مختلف علوم وفنون کے علما وفضلا کا مستقر بنا ہوا تھا۔

جب آپ طلب علوم کے ذوق میں عازم سفر ہوئے۔ متداول درسیات کے فارغ التحصیل اور عربی وفارسی ادب سے بہرہ ور ہوچکے تھے۔ احمد آباد میں سرآمد علما وصوفیا حضرت مولانا وجیہہ الدین علوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں علوم تصوف کا درس لیتے رہے اور وقت پاتے ہی شریعت مآب صوفی صافی ضمیر قاضی محمود موربی کی خدمت میں تفسیر وحدیث وفقہ کی تعلیم میں حصہ گیر ہوئے۔ ان فاضل اساتذہ کی تربیت وتوجہ سے علوم دینیہ میں تکمیل کی سندات حاصل کیں منطق ومعانی وفضیلت کا امتیاز پایا۔ اور باایںہمہ فضائل وتبحر۔ فاضل اجل حضرت شیخ حسین بغدادی رح سے شرف تلمذ حاصل کرکے ریاضی اور حکمت کی تکمیل کی۔

حصولِ علم میں یہ کامرانیاں حکیم کے ذوق طلب کے علاوہ سندھ کے

ایک باخدا بزرگ مخدوم نوح ہالہ کندی کی دعا کا فیض واثر بھی ہیں۔ اس روایت کے راوی بقول صاحب گلزار ابرار خود حکیم عثمانؒ ہیں وہ لکھتے ہیں

حکیم عثمان بو بکانی سے روایت ہے کہ میں ایک روز مخدوم کی خدمت میں گیا اور چاہا کہ علمی کمالات حاصل ہونے کے واسطے دعا کیلئے التماس کروں۔ ہنوز ضمیر کی مخفی بات عبارت میں نہ آئی تھی کہ آپ نے فرمایا واتقوا اللہ یعلمکم اس وقت سے میرا اتقا و علم روز افزوں ہے۔

ازکار ابرار صـ ۳۹۴

جملہ علوم میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ آپ کے علمی فضائل و کمالات کا شہرہ نزدیک و دور پھیل گیا اور جب ۱۰۰۳ھ میں برہان پور تشریف لائے تو بادشاہ وقت محمد شاہ ابن مبارک شاہ فاروقی نے عزت و احترام کے ساتھ رکھا اور درس و فتوے نویسی کے اعلیٰ منصب پر آپ کو مامور فرمایا نیز آپ کے شایان شان نقد نذرانے کے علاوہ زرخیز اراضی کا ایک موضع جو برہانپور سے چند میل کے فاصلے پر ہے آپ کے نامزد کر دیا۔

اس وقت سے بقیہ عمر تک کامل ستائیس سال آپ نے درس و فتوے نویسی و تصنیف و تالیف کے ذریعے فیض رسانی کے دریا بہائے۔ ان فیوضات سے سیراب ہونے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے اور اس فہرست میں زبردست علماء عالی پایہ محدثین و مفسرین۔ یگانۂ آفاق

مشائخ واہلِ تصانیف کی اکثریت ہے

جب برہانپور میں آپکا درس شروع ہوا ہے اُسوقت مسیح الاولیا شیخ عیسےٰ جندا اللہ قدس سرہٗ برہانپور میں موجود نہ تھے وہ اپنے فاضل اجل چچا شیخ طاہر محدثؒ کے درس سے فارغ التحصیل ہوکر مزید حصول علم وکمال کی تلاش میں روانہ ہو چکے تھے اور مختلف علما ومشائخ سے فیض یاب ہوتے ہوئے بمقام آگرہ حضرت شیخ جلال الدین ملتانی رح کی خانقاہ میں مقیم تھے کہ آپ کو عم اکرم کا خط پہنچا۔ فرحیؔ نے مسیح الاولیا رح کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے :-

> چوں ملا عثمان حکیم سندھی الصدیقی درشہر معمورہ برہانپور تشریف آوردند حضرت عموی بزرگوار بعقیر مکتوبے فرستادند کہ اینجا ملائے متبحر چنانکہ شما میخواستید تشریف آوردہ اند باید کہ بدیدن این مکتوب مراجعت نمایند۔ پس بہ برہانپور آمدہ بخدمت حضرت والدہ وحضرت عمی استادی مشرف شدم ودر درسِ ملا عثمان حکیم قرآۃ وسماع علوم عقلیہ ونقلیہ مینمودم - (کشف ص ۵)

مسیح الاولیا کے تبحر میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ شیخ طاہر محدث جیسے بافیض معلم کے درس کے فارغ التحصیل تھے۔ پھر مکتوب کے یہ الفاظ کہ " جیسا تم چاہتے ویسا معلم" حکیم کے علمی پایہ کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

گلزار ابرار کا مصنف مُلّا غوثی کبھی کبھی برہانپور آنیوالا بڑے فخر کے ساتھ لکھتا ہے کہ :-

راقم گلزار ہیئت اور حکمت کی چند کتابیں آپ سے پڑھنے کا شرف رکھتا ہے۔

قاضی عبدالسّلام سندھی عادل شاہ فاروقی سنہ ۹۸۴ تا سنہ ۱۰۰۵ھ کے عہد میں بُرہانپور کی مسند قضاۃ پر متمکن تھے اور بجائے خود اس علمی منزلت سے فائز تھے کہ انھوں نے مختصر وقایہ پر مبسوط شرح لکھی ہے حکیم عثمان کے شاگرد تھے۔

شیخ صالح سندھی جو شائستہ اطوار اور جوہر علم و عمل سے آراستہ تھے آپ کے سعید و رشید شاگرد تھے۔ اور آپ نے انھیں فرزندی میں لے کر دامادی کا شرف بھی بخشا ہوا تھا۔

قاضی نصیرالدین ابن سراج محمد بنبانی برہانپور کے ممتاز عالم اور سربرآوردہ فرد تھے حکیم عثمان کی شاگردی پر اظہار فخر و مباہات کیا کرتے تھے۔

شیخ سُکھ جی حضرت شیخ یوسف بنگالی کے داماد بھی حکیم کے شاگرد تھے جو اپنے خسر کی درس گاہ سے فارغ التحصیل ہو کر داخل درس ہوئے تھے۔ حضرت شیخ یوسف بنگالی کا مدرسہ برہانپور میں اعلیٰ علوم کی تعلیم میں ممتاز و معروف تھا۔

یہ چند نام آپ کے ممتاز شاگردوں کے ہیں ۲۷ برس میں

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس سرچشمۂ علوم و فنون سے کتنی فیض رساں نہریں جاری ہوئیں اور کہاں کہاں اہلِ ذوق کی آبیاری کرتی رہیں۔ ملا غوثی حسن نے آپ کی تصنیفات کے متعلق صرف اس قدر لکھا ہے:

آپ کی تصنیفات بہت سی ہیں منجملہ ان کے تفسیر قاضی بیضاوی کا حاشیہ اور بخاری کی شرح یہ دو کتابیں نہایت مشکل نما اور دشوار کشا ہیں۔

اذکار الابرار صفحہ ۴۴۶

آپنے برہان پور میں تین فاروقی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور ہر بادشاہ نے آپکی منزلت ایک دوسرے سے زیادہ ہی کی۔ محمد شاہ فاروقی آپ کے تقرر سے ایک سال بعد فوت ہوگیا۔ اسکے بعد راجہ علیخاں عادل شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی منصب و وظیفہ کو اضافہ کے ساتھ برقرار رکھا اس کے انتقال کے بعد ۱۰۰۵ھ میں بہادر خان بادشاہ ہوا۔ اس نے بھی اگرچہ ناگفتہ بہ حالات میں تخت نشین ہوا آپ کے اکرام میں کوتاہی نہ کی۔ ۱۰۰۸ھ میں آپ اپنی جاگیری موضع پر تشریف لے گئے تھے کہ اکبر نے تسخیر خاندیس کے عزم سے خود اقدام کیا۔ برہانپور اور قلعہ آسیر کے اطراف افواج قاہرہ پھیلا دیں۔ آپ اس تازہ شورش کی وجہ سے برہانپور واپس نہ آسکے اپنے موضع پر ہی مقیم رہے۔ چونکہ ملکی نظام معطل تھا۔ اس نواح کے رہزنی پیشہ کولیوں نے مسلح ہوکر اس موضع پر تاخت کی اور مال و متاع لوٹ کر آپکو بھی معہ سترہ رفقاء کے بیدردی سے شہید کر ڈالا۔

غوثی لکھتے ہیں :-

خون بھری ہوئی جانمازیں ان کا کفن ہوئیں۔

ادھر اکبری سطوت نے بہادر خاں کو اس قدر بے بس کر دیا کہ اس نے خود آبائی فاروقی سلطنت اکبر کے حوالہ کر کے خانہ برانداز دشمن کی پناہ میں جانا منظور کر لیا اور بادشاہ سے مغل حکومت کا منصب دار بن گیا۔ نہ جاگیر دینے والا رہا نہ جاگیردار اور نہ جاگیر۔ رہے نام اللہ کا۔

آخر میں آپکی تقویٰ شعاری و عبادت گذاری کی چند شہادتیں پیش کرتا ہوں کہ بغیر ان کے یہ ذکر تشنہ رہجائیگا۔ ملا غوثی لکھتے ہیں :- شیخ شکر عارف فرمایا کرتے تھے کہ حکیم کے مثل سکون و آرام کے ساتھ عبادت گذار مجھکو بس حکیم ہی نظر آئے۔ حضرت شیخ طاہر محدث ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ جیسی شکستگی خاطر عاجزی اور گمنامی۔ نامی حکیم کی ہے میں نے عالموں میں کسی میں نہیں دیکھی۔ چالیس سال کے اندر کسی گھر کا لقمہ نہیں کھایا۔ کمال پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کی ۔

حضرت شیخ اسحاق قلندر سندھی رح

آپ مسیح الاولیا کے ہموطن ہیں، سندھ سے آپکی ہجرت کا زمانہ اور وجہ وہی ہے جو حضرت شیخ طاہر محدث کے ذکر میں مذکور ہوئی۔ محدث صاحب تو گجرات ہوتے ہوئے ایلچپور برار میں جا ٹھہرے اور وہاں سے برہان پور آکر متوطن ہو گئے۔ لیکن قلندر صاحب چونکہ آزاد مشرب تھے کہیں دل بہشاد نہ ہوئے اور بلا تعین منزل جادہ پیمائی کرتے رہے اور کم و بیش دس برس تک سیاحی کر کے ۹۵۸ھ میں برار میں پہنچکر شیخ طاہر محدث کی مصاحبت اختیار کی اور کسی عالم میں پھر ان سے جدائی پسند نہ کی۔ وہ برہان پور تشریف لائے تو آپ بھی ہمراہ تھے۔ صاحب گلزار آپ کی سیاحت اور مراجعت کے متعلق لکھتے ہیں۔

جہاں پیمائی کرتے کرتے آپ کے پاؤں گھس گئے تھے۔ ہر ایک ویرانہ اور آباد گوشے میں پہنچ کر ہر ایک ملک کی خصوصیات سے آگاہ ہوئے۔ لیکن ہجری سنہ نوسو اٹھاون کے آغاز میں سیاحت ترک کر کے قدوۃ المحققین شیخ طاہر یوسف سندھی کی مصاحبت اختیار کر لی تھی۔ ہجری سنہ ایک ہزار تین ان روحانی مصاحب (شیخ طاہر یوسف) کا سالِ رحلت ہے اس سال تک آپ نے شیخ کی ملازمت سے کبھی جدائی پسند

نہ کی ۔ (ترجمہ گلزار ابرار صفحہ ۴۲۵)

شیخ طاہر محدث کا سال وصال سنہ ۱۰۰۴ھ ہے ترجمہ میں سنہ ۱۰۰۳ھ چھپا ہے یہ مترجم یا کاتب کا سہو نظر ہے۔ قلندر صاحب اور محدث صاحب کی یکجائی اور بافیض صحبت سے صاحب گلزار سنہ ۱۰۰۲ھ میں بمقام برہان پور مستفید ہوا ہے جو اسی ضمن میں بہ صراحت لکھ دیا ہے۔ شیخ اسحاق قلندر کی رحلت سنہ ۱۰۱۰ھ میں ہوئی اور وہ حضرت محدث صاحب کے مزار کے قریب دفن کئے گئے اور پچاس سال کے طولانی عرصہ تک ہمدم و ہمراز یکجا زندگی بسر کرنے والے محب و حبیب قیامت تک کے لئے ایک دوسرے سے متصل آسودۂ خاک ہو گئے ۔

مولانا شیخ صالح سندھی رح

آپ شیخ عثمان بوبکانی قدس سرہ کے شاگرد رشید اور داماد ہیں۔ علم وفضل اور تقوٰے وعمل میں بے نظیر تھے۔ اخلاق واطوار کی شائستگی سے متاثر ہوکر فاضل اجل استاد نے اس ہونہار شاگرد کو فرزندی میں لے کر افتخار بخشا۔ شرف دامادی کے بعد بھی آپ تعلیم کی طرف متوجہ رہے اور جملہ علوم عقلی ونقلی عقائد وتصوف وغیرہ میں دستگاہ کامل حاصل کی۔

استاد کی رحلت یا شہادت ۱۰۰۰ھ کے بعد آپ حضرت مسیح الاولیا کی درویشانہ مجلسوں میں بڑی دلچسپی سے شریک ہوا کرتے تھے۔ علامہ غوثی نے ایک مجلس کا ذکر اسطرح درج گلزار کیا ہے:۔

> مسیح الاولیاء سے روایت ہے۔ شعبان کا مہینہ ۱۰۱۳ھ تھا کہ خدیونشاتین خداوند دولت دارین خانخانان سپہ سالار اکبر بادشاہ۔ دانش ورسنجیدہ اطوار پسندیدہ اخلاق شیخ ابوالخیر مبارک۔ رکن فضیلت وعرفان مولانا صالح سندھی اور صدر آرائے شریعت وعدالت قاضی عبدالعزیز جیلے قادری اجلنی۔ یہ چاروں اصحاب اس درویش کے مکان میں راز کی باتیں کررہے تھے۔ ترجمہ گلزار ابرار صفحہ ۳۶۱

اس سے آپ کی باعظمت شخصیت اور عارفانہ ذوق کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کسی مجلسوں میں بیٹھتے تھے اور ان بافیض مجالس کے عالی منزلت ارکان بھی آپ کو کس وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ حضرت مسیح الاولیا جیسے گنجینۂ عالم و عارف نے " رکن فضیلت و عرفان " کے الفاظ کے ساتھ آپ کو مخاطب فرمایا۔

اس سے زیادہ آپ کے حالات معلوم نہ ہوئے۔ واللہ اعلم کب اور کہاں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت شیخ بابو سندھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ لشکر محمد عارف قدس سرہ کے مرید اور حضرت مسیح الاولیا کے پیر بھائی تھے۔ صاحب علم و عمل اور زہد و تقوے میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ محلہ سندھی پورہ میں حضرت مسیح الاولیا کی خانقاہ سے تھوڑی دور پر شمالی مغربی سمت کچی اور پست دیواروں کے ایک حجرہ میں آپ کی سکونت تھی وہی حجرہ آپ کی خانقاہ یا عبادت و جہاد نفس کی جولانگاہ تھا۔ آپ کی طبیعت میں بے انتہا سادگی اور قناعت تھی۔ نہایت مختصر سامان بلکہ بے سروسامانی کے ساتھ عمر بسر کردی۔ یا یوں سمجھئے کہ آپ کی ہستی ہی اس حجرہ کی متاع گرانبہا تھی جب آپ نہ ہوتے تو وہاں کچھ بھی نہ ہوتا۔

محبت الٰہی میں فنا و بقا کی منزلیں تیز رفتاری کے ساتھ طے کرکے منزل مقصود سے فائز المرام ہو چکے تھے۔ عالم تحیر آپ پر اکثر و بیشتر طاری رہتا ایسے عالم میں اسباب راحت اور مکان کی نگہداشت کا ہوش کہاں۔ برہانپور کی شدید بارش سے حجرہ کی کچی دیواریں رفتہ رفتہ دونوں طرف سے گر گئیں۔ یہ سنہ ۱۰۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ صاحب گلزار ابرار علامہ غوثی حسن ان دنوں برہانپور ہی میں تھے اور آپ سے ملتے بھی رہتے تھے خیال ہوا کہ وہ ملیں تو ان سے مشورہ کرکے حجرہ کی دیواروں کی مرمت کا انتظام کیا جائے لیکن قبل اس کے کہ علامہ غوثی سے ملاقات ہو آپ نے سوچا کہ درویشانہ طور پر استخارہ تو کر دیکھیں۔ حضرت عطار رح کی مثنوی منطق الطیر

ہاتھ میں تھی، بطور تفاول کتاب کھولی تو یہ اشعار برآمد ہوئے۔

گلخن ست این جملۂ دنیائے دوں ــــ قصرِ تو چند است واں گلخن کنوں

قصرِ تو گر خلد جنت آمدہ است ــــ با اجل زندانِ محنت آمدہ است

گر نبودے مرگ را بر خلق دست ــــ لائق افتادے درین منزل نشست

ان اشعار کے مضمون کو آپنے غیبی ہدایت و تاکید خیال کرکے مرمت کا ارادہ ترک کردیا۔ اہل تعلق نیاز مندوں نے ہر چند اصرار و التماس کی آوازیں بلند کیں لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور اس کے بعد بارہ برس تک اسی کھنڈر نما حجرہ میں یا مہان تمام عبادت و ریاضت میں زندگی گزاری اور بعد وصال اسی حجرہ میں دفن ہوئے علامہ غوثی نے آپکا سال وصال ۱۰۱۵ھ لکھا ہے اور اس مناسبت حال شعر پر آپکا تذکرہ ختم کیا ہے۔

درایں خانہ بے لوح است غوثی از خرد بنود

بے پایں ہتا عش رخنہ دیوار برستن

کچھ عرصہ بعد آپ کے مزار کے اردگرد کئی بزرگ اور مشاہیر صلحا دفن ہوئے چنانچہ ایک بلند پختہ چبوترے پر بیسیوں مزار ترتیب سے بنے ہوئے موجود ہیں انھیں میں سندھی پورہ کے ایک مقبول عام قاری حافظ گھاسی میاں اور ان کے چند مریدوں اور متعلقین کے مزار بھی ہیں۔ اب یہ محلہ خاکی شاہ کا تکیہ کہلاتا ہے کسی نے کتنا عبرت انگیز شعر کہا ہے۔

مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے۔

ملا محب علی سمرقندی السندی البرہانپوری

ایک فرد واحد کی تین ایسی وطنی نسبتیں جن ممالک میں باہم بُعدالمشرقین ہے۔ محل نظر اور قصہ طلب چیز ہے اور باعث حیرت بھی۔ اس کے متعلق مجملاً یوں عرض کیا جاسکتا ہے کہ ملا صاحب کے آبا و اجداد کا وطن سمرقند تھا۔ اس نسبت سے سمرقندی اور آپ سندھ میں پیدا ہوئے اس لئے سندھی۔ سن شعور اور عمر گرامی کا بہت بڑا حصہ برہانپور میں بسر ہوا اور وہیں انتقال فرماکر برہان پور کی خاک میں ابدی آرامگاہ اختیار کی اس لیے برہانپوری۔
ان اجمال کی تفصیل مستند حوالہ جات کے ساتھ آیندہ سطور میں ملاحظہ سے گذریں گی اور دراصل ان اجمال کی تفصیلات ہی عبارت ہے ملا محب علیؒ کی سوانح حیات سے۔

ملا صاحب تاریخ کے روشن عہد کے مجمع فضائل بزرگ ہیں۔ ممکن ہے کسی صاحب ذوق اہلِ قلم نے آپ کے حالاتِ زندگی پر کوئی مبسوط کتاب لکھی ہو جس کے مطالعہ کا شرف میں حاصل نہ کرسکا۔ البتہ ان کی زندگی میں تالیف ہونے والی تین وسیع تاریخی کتابوں میں آپ کے بہت کچھ حالات ملتے ہیں جو یہ ہیں:۔ ماثر رحیمی ۱۰۲۵ھ۔ بادشاہ نامہ ۱۰۴۷ھ۔ عمل صالح ۱۰۶۵ھ اور میں زیادہ تر انھیں کتابوں کے مطالعے کا حاصل ہدیۂ ناظرین کرونگا۔

نیز ایک اور چیز میرے بزرگانِ سلف کی یادگار قلمی بیاض سے کچھ یادداشتیں ایسی پیش کروں گا جو ان ضخیم کتب میں موجود نہیں ہیں -

وما توفیقی الا باللہ -

ملا محبِ علی کے آبا و اجداد کے سمرقندی ہونے پر سب تذکرہ نگار متفق ہیں - البتہ ان کے والد کا نام بادشاہ نامہ میں محمد صدرالدین لکھا ہے - اور مآثر رحیمی میں حیدر علی - یہ اختلاف ایسا نہیں کہ نظر انداز کر دیا جائے - ایسی صورت میں ہر دو راویوں کے ماخذ کی تلاش ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ بادشاہ نامہ کا مصنف ملا عبدالحمید ملا محبت علی سے اس قدر قریب نہیں پایا جاتا جتنا کہ صاحب مآثر رحیمی! مؤخرالذکر نے اپنی تالیف ایسے زمانہ میں مرتب کی ہے جب کہ وہ ملا محبت علی کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہونے کی قربت رکھتا تھا - اس نے یہ کتاب از اول تا آخر ملا محبت علی کی موجودگی میں لکھی ہے - اس سے اپنے محترم رفیق کی ولدیت میں مغالطہ کی توقع نہیں کی جا سکتی - چنانچہ اس کا بیان بمقابلہ بادشاہ نامہ کے زیادہ ذمہ دارانہ اور صحیح ماننا پڑے گا - اور یہ کہ محبت علی کے باپ کا نام حیدر علی تھا -

ملا محبت علی کی ولادت ۹۸۲ھ میں واقع ہوئی مادہ تاریخ ولادت فضلِ یزداں[1] ہے - کمسنی میں والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے - سندھ
۹۸۲

---

[1] مادہ تاریخ ولادت فضلِ یزداں (۹۸۲) ملا محب علی کی تاریخ وفات کے ضمن میں منظوم ہے - یہ قطعہ بہ سلسلہ مضمون اپنے مقام پر درج ہوگا - ایک شعر میں تاریخ ولادت بھی ہے اور تاریخ وفات بھی جو مذکورہ متن قلمی بیاض میں درج ہے -

اس زمانہ میں علوم و فنون کا گہوارہ تھا اور ننہال کے لوگ صاحبانِ علم و فضل تھے۔ باوجود یتیمی کے ملا صاحب کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام ہو سکا اور وہ سنِ شعور کو پہنچنے تک مرجع فضل و کمال و منبع علوم و فنون ہو چکے تھے۔ عربی فارسی ادب پر کافی عبور حاصل کر چکے تھے۔ بایں ہمہ علم و فضل طبیعت کو تصوف سے فطری لگاؤ تھا۔ شاعری کا ذوق بھی طالب علمی کے زمانہ سے تھا۔ فارغ التحصیل ہونے تک کلام میں پختگی آ چکی تھی صوفیانہ مذاق کے پیش نظر عارفانہ کلام لکھتے تھے۔

آپکی عمر ۱۷-۱۸ سال کی ہوگی کہ سندھ کی ترخانی سلطنت معرضِ زوال میں آگئی۔ عبدالرحیم خان خاناں نے دارالسلطنت ٹھٹھہ کو کو مسخر کرلیا۔ والیِ سندھ مرزا جانی اکبر کی تمام فاتحانہ شرائط مان لینے پر مجبور ہوگیا اور ایک منصب دار کی حیثیت سے خود مختار فرمانروا کے بجائے زمرۂ اُمرا میں منسلک ہوگیا۔ خانخاناں نے ٹھٹھہ میں جشنِ فتح[1] منعقد کیا۔ شعرا نے تہنیت نامے پیش کئے۔ خانخاناں کے ساتھ منجملہ دیگر شعرا کے شکیبی بھی تھا۔ شکیبی نے ملا محب علی کے فضل و کمال کا شہرہ سنکر اُن سے ملاقات کی اور

---

[1] اس جشن میں شکیبی نے جو قصیدہ پڑھا اُس میں یہ شعر بھی تھا۔ ہمائے کہ بر چرخ کردے خرام + گرفتی و آزاد کردی ز دام ۔ خانخاناں نے قصیدہ سنکر شاعر کو ایک ہزار روپیہ صلہ عطا کیا۔ مفتوح شاہ سندھ مرزا جانی نے بھی ایک ہزار روپیہ عنایت کیا۔ اس پر خانخاناں نے پوچھا تم کس چیز کا انعام دے رہے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ شاعر نے مجھے ہما سے مثال دی ہے اگر یہ شغال لکھدیتا تو میں اس کا کیا کر سکتا تھا۔ اس سے شاہ سندھ کی سخن فہمی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک دو صحبتوں میں اس قدر متاثر ہوا کہ انھیں بہ اصرار خان خاناں کے پاس لے گیا اور نہایت اثر انگیز الفاظ میں ان کا تعارف کرایا۔ ملا عبدالباقی نہاوندی نے شکیبی کے ذکر میں اس تقریب کے موقعہ پر یہ الفاظ لکھے ہیں۔

ایشان را در یافتہ واطلاع بر فضل وکمال وسلامت نفس و
فقر ومسکنت ایں بہ سن خورد ومعنی بزرگ پیدا کرد

(ماثر رحیمی جلد سوم صفحہ ۴۹)

یہ واقعہ ۹۹۹ھ کے اخیر و ۱۰۰۰ھ کے آغاز کا ہے جب کہ سندھ پر حملہ ہو کر تسخیر ہوا۔ خانخاناں اس تازہ فتح عظیم سے بے انتہا مسرور تھا اور ویسے بھی فطرتاً اہل کمال کا بڑا قدر شناس تھا۔ ملا صاحب کو زمرۂ مصاحبین میں شامل کر لیا اور بہ عزت واکرام سفر وحضر میں ساتھ رکھنے لگا۔ ملا صاحب کی درویشانہ آزاد فطرت کسی پابندی کو گوارا نہیں کر سکتی تھی مگر خانخاناں کی مصاحبت کے لئے غیب سے اسباب پیدا ہو گئے۔ خانخاناں کو جلد ہی تسخیر دکن وخاندیس کی مہم پر مامور کیا گیا۔ خاندیس کا دارالسلطنت برہان پور ان دنوں باب دکن اور وہاں کا قلعہ آسیر کلید دکن مانا جاتا تھا اور یہ دونوں چیزیں راجہ علی خاں عادل شاہ فاروقی کے تسلط میں تھیں۔ خانخاناں نے حسن تدبیر سے عادل شاہ فاروقی بادشاہ کو دوست بنا کر اپنا مستقر بھی برہانپور کو مقرر کیا۔ یہ اولیا خیز شہر مشاہیر مشائخ علما وصوفیا کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ملا محب علی جلد ہی اپنے صوفیانہ ذوق کے باعث

ان بزرگوں کی صحبتوں میں دلچسپی لینے لگے اور کچھ ایسے بہل گئے کہ برہانپور ہی کے ہو رہے۔ ادھر خانخاناں کے قیام کو طول ہوا فاروقی سلطنت کے درہم وبرہم ہونے کے بعد وہ کم وبیش بیس سال تک برہانپور میں رہے۔ ان کا انتہائی عروج بھی برہانپور ہی نے دیکھا اور جب بُرے دن آئے تو انتہائی زوال بھی یہیں رونما ہوا جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔ عروج واقبال کا زمانہ طولانی ہے اس لئے خانخاناں کی فیاضی۔ محیر العقول دریا دلی۔ حسن تدبیر شجاعت۔ کار خیر، پاکبازی۔ سیر چشمی کے بے حد وشمار کارنامے برہانپور ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیز ان کی زندۂ جاوید یادگاریں اب بھی برہانپور میں اس کثرت سے موجود ومشہور ہیں جیسی اور کسی شہر میں نہ اب ہیں نہ کبھی تھیں۔

اول تو یہ یکجائی ایک طولانی عرصہ تک ملا محب علی جیسے درویش منش آزاد فطرت صوفی منش کی وابستگی کا باعث رہی۔ دوسرے خانخاناں خود اس طبیعت کا امیر تھا کہ اس نے مصاحبین پر حاضر باشی کی قید اپنی طرف سے کبھی عائد نہیں کی۔ ہر شخص آزاد تھا خواہ خانہ نشین رہے یا بادشاہ وشہزادوں سے تعلق رکھے۔ ان وجوہات پر خانخاناں نے کسی سے انقطاعِ تعلق نہیں کیا جس کو جو وظیفہ، صلہ یا جاگیر مقرر کر دی وہ بہر حال اس کا حصہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ مصاحبین کی فہرست میں ایسے امیر۔ شاعر۔ علماء، سپاہی نظر آتے ہیں جو اکبری وجہانگیری بھی کہے جاتے ہیں جیسے عرفی۔ نظیری۔ حیاتی۔ دولت خان۔

خانجہاں لودی وغیرہ۔

ملا محب علی خان خاناں کی مصاحبت کے ساتھ ساتھ برہانپور کے محدث مشائخ کی درسگاہوں اور مجالس سماع میں بھی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ایک روز مسیح القلوب حضرت شیخ عیسےٰ جند اللہ سندھی قدس سرہ کی خانقاہ میں ان کے پیر کا عرس تھا۔ اکابر مشائخ شریک مجلس تھے اور سب سماع کی لذت سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ

درین اثنار نافع الخلق بے منت و بے روئے ریا ملا محب علی باشخصے سخن آغاز کردن گرفت وآن بر بعضے مردم مزاحم در شنیدن سرود می شد حضرت ایشان (مسیح القلوب) روے مبارک خود بجانب ملا محب علی تبسم کردہ فرمودند السّماع کالصلوٰۃ ملا محب علی از شنیدن این حرف بغایت منبسط شدہ ترک سخن گرفتند۔ (ملفوظ کشف الحقائق قلمی ص ۳۵)

مسیح الاولیار کے مرید اور خادم خاص نے آپ کا ملفوظ مرتب کیا ہے۔ مُلّا محبّ علی کا نام کس محبت و احترام سے لیتا ہے کہ جب تک نافع الخلق منت بے و بے ریا کے الفاظ ادا نہیں کرتا۔ آپکا نام زبان قلم پر نہیں لاتا۔ پھر حضرت مسیح القلوبؒ ایسے موقعہ پر برہم ہونے کے بجائے مسکرا کر خطاب فرماتے ہیں۔ ان امور سے ظاہر ہے کہ ملا محب علی مقتدر مشائخ میں بھی کس قدر مقبول و مکرم تھے۔ ملا صاحب حضرت شیخ محمد ابن فضل اللہ نائب رسول اللہ کے مرید تھے بھی منجملہ دیگر خانوادوں کے چشتیہ سلسلہ میں بھی خلافت سے فائز تھے لیکن

آپکو سماع سے میل نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے مریدین بھی سماع کیطرف والہانہ رغبت نہیں رکھتے تھے مگر سماع کے منکر بھی نہ تھے۔ چنانچہ مُلّا محب علی کا مجلس سماع میں موجود ہونا مگر آدابِ سماع میں بے احتیاطی اس بات کا بیّن ثبوت ہے۔

ماثر رحیمی کے مؤلف نے مُلّا صاحب کو زمرۂ شعرا میں شریک کرتے ہوئے بڑی خوش اسلوبی سے پہلو بچالیا ہے۔ یعنی اُن کے درویشانہ مسلک اور علمی تبحر کی فضیلت کا بھی شائستہ الفاظ میں ذکر کر دیا ہے اگر وہ اس احتیاط سے کام نہ لیتے تو ملّا صاحب کے ساتھ ناقابلِ تلافی زیادتی ہوتی کیونکہ درحقیقت وہ پُرگو۔ پختہ گو شاعر ہونے کے باوجود شاعر سے زیادہ عالم اور عالم سے زیادہ صوفی صفاکیش تھے۔ ملا صاحب کے ذکر سے وہ اپنی کتاب کو تشنہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اور کتاب مذکور میں صرف خانخاناں کے مداح شعرا ہی کے اذکار کی قید تھی، اس لیۓ وہ مجبور تھا کہ ملا صاحب کی ہمہ گیر و ہمہ رس شخصیت کو شعرا کی صف میں ان کی منزلت کے مطابق جگہ دے۔ ماثر رحیمی کے اعتذار و اعتراف کے الفاظ یہ ہیں۔

اگرچہ اورا بہ شعر و شاعری ستودن یوسف را بہ ریسمان خریداری نمودن است چون این خلاصہ مبنی بر ذکر احوال جمعے است کہ مدح این ممدوح عالمیان گفتہ اند۔ نسبت شاعری بہ ایشان دادن لازم آمد والا مرتبہ و حالت ایشان را در افتام

حیثیات و استعدادات بہ تخصیص فقر و مسکنت کہ انسان کامل عبارت از جمع است کہ سررشتہ بدست ور آوردہ باشد نسبت کہ راقم را ازین گستاخی باز میداشت۔

آثر رحیمی جلد سوم صفہ ۱۸

ملا محب علی نوعمری میں بلند پایہ شاعر، علوم رسمی میں کامل و فاضل صفاکیش صوفی پائے گئے ہیں اور یہ تینوں فضائل ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک صنف کے حصول کمال کے لئے متعدد ارباب فضل و کمال سے اکتساب علوم و فیوض کی نوبت آئی ہوگی یا کم از کم ہر ایک کے لئے ایک فاضل اجل کی شاگردی ضرور کی ہوگی، لیکن آپ کے اساتذہ بالخصوص کسب علوم اور فن شعر کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملتی البتہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ دسویں صدی ہجری کے آخر تک سندھ میں ایسی درسگاہیں اور ایسے متبحر معلمین موجود تھے جنہوں نے ملا صاحب کو در سن خوردگی ہمیں بزرگ بنا دیا تھا۔ پھر ایسے علمی ماحول میں کسی خدارسیدہ صوفی کی صحبت نے آپ کی عارفانہ صلاحیتوں کو فقر و توکل کے رنگ میں رنگ دیا لیکن اس رنگ کو حضرت شیخ محمد ابن فضل اللہ نائب رسول اللہ نے نکھار کر پختہ اور شوخ بنا دیا۔

حضرت محمد ابن فضل اللہ وہ بزرگ ہیں جو برہان پور میں عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شیفتگی میں شہرت رکھتے تھے اور دربار رسالت سے نائب رسول اللہ کا لقب عنایت ہوا تھا۔ محب علی تو فطرتاً صوفی منش اور فقر و توکل والے انسان تھے۔ شاہجہاں بزمانہ شہزادگی جب وہ نوجوان تھا

جب بُرہانپور آتا شیخ سے بکمال عقیدت وخلوص ملتا اور ان کی خانقاہ میں حاضر ہوکر ملتا اور ان ملاقاتوں سے وہ اتنا متأثر ہوا تھا کہ بادشاہ ہوجانے کے بعد بھی بار بار ان تأثرات کا ذکر کرتا تھا۔ مُلّا عبدالحمید لاہوری کی شہادت موجود ہے وہ بادشاہ نامہ میں لکھتے ہیں۔

مکرر بر زبانِ حقیقت بنیان خاقانی گذشتہ کہ از مرتاضانِ ہندوستان بہشت نشان دو کس را مرتقی بدرجۂ کمال یافتہ شد۔ میاں میر (لاہور) و محمد ابن فضل اللہ کہ در برہانپور رحل اقامت انداختہ بہ رہنمونی سالکان جادۂ حق طلبی اشتغال داشت۔ اعلیحضرت در ایامِ میمنت انتظام شاہزادگی بمنزل شیخ تشریف فرمودہ ایشان را دریافتہ بودند۔

(بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۳۳۱)

شاہ جہاں نے انہی خانقاہ میں مُلّا محب علی کو دیکھا۔ تپاک سے ملا اور اس جوہرِ قابل کی قدر افزائیاں کرکے ربط وضبط بڑھایا۔ آئے دن ملتا رہا اور سیر وتفریح کے مواقع پر انھیں ساتھ رکھنے لگا۔ برہانپور ہی میں شاہجہاں نے تعمیرات میں مغلیہ آرٹ کی بنیادیں رکھیں۔ کرارہ کی سیرگاہ تعمیر کرائی۔ یہ مقام برہان پور سے ۶/۷ میل کے فاصلہ پر فاروقی سلاطین کی شکارگاہ اور تفریحی مقام تھا۔ یہاں انھوں نے ایک پہاڑی ندی کے راستہ میں چند فٹ اونچی مضبوط سنگین دیوار کھینچکر مصنوعی آبشار کا پُرلطف منظر پیدا کیا تھا۔ ندی کی پوری چوڑائی میں دیوار کی ہموار سطح پر سے پانی کی

چادر گرنے کا عالم بڑا دلکش ہوتا تھا ہوتا تھا۔ اس جگہ ندی کا عرض ۱۰۰ گز تھا۔

شاہ جہاں کو یہ چیز بہت پسند آئی اور اس نے اپنے مہتمم تعمیرات کو حکم دیا کہ موجودہ بند سے اوپر کی طرف ۸۰ گز کے فاصلہ پر ایک اور بند تعمیر کیا جائے تاکہ ۱۰۰×۸۰ گز کا وسیع حوض وجود میں آجائے اور دوسری پانی کی چادر بلندی سے گرنے لگے اور حوض کے ہر دو پہلوؤں پر دو محل تعمیر کئے جائیں اور محلات سے ملحق و متعلق خوبصورت باغ کی داغ بیل ڈالی جائے ملا عبدالحمید لکھتے ہیں۔

موضع کرارہ کہ سیر جائیست دلکشا و نخچیر گاہیست مسرت افزا۔ کرارہ دہی است سہ کروہے از برہان پور و در نواحی آن رودخانہ ایست کہ از صفا چوں آئینہ جلی رونماست و از لطافت چو آب زندگانی گوارا و در مواضع عرض آن صد گز بادہی است و در بعضے کمتر و در زمنہ سابقہ برابر کرارہ برآں رود بندے بستہ بودند بعرض صد گز و ارتفاع دو گز و از روے آں آبشار می ریختیا۔ فرمانروائے جہاں در ایام نیک فرجام بادشاہزادگی ہنگامے کہ ناصیہ رایات ظفر آیات برائے تنظیم مہمات دکن و تنسیق معاملات آں فروغ بخش خطہ برہانپور بود در اثنائے شکار آں مقام بہجت انتظام دید حکم فرمودند کہ پیش بند سابق بند دیگر بفاصلہ ہشتاد گز ببندند تامیان ہر دو بند حوضے صد گز و ہشتاد گز

---

[۱] یہ محلات و آبشار ہنوز کرارہ میں موجود ہیں۔ باغ البتہ اجڑ چکے ہیں۔ آئے دن برہانپور کے خوش فکر صاحب ذوق سیر و تفریح شکار کھیلنے وہاں جاتے رہتے ہیں۔ عجیب خوش منظر مقام ہے جو دیکھنے سے تعلق

بر روے کار آید و آبشار دیگر از روے این بند بریزد و دو سوے آں دو دست عمارت مطبوع برافزاید۔ بامر بادشاہی درکمتر فرصت حوضے و آبشارے دیگر و دو منزل دلنشین برکنارۂ آں و باغچہ متصل عمارت آں روے آب اتمام یافتہ حیرت افزائے دیدن وران دشوار پسند گشت۔

بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ ۳۳۲

یہ تفریح گاہ آناً فاناً تیار ہو گئی شاہجہاں نے اس کی سیر سے لطف اندوز ہونے کے اولین موقعہ پر بھی ملا محبؔ علی کو ساتھ رکھا تھا۔ تازہ محیر العقول تعمیر پھر اسکی شاہانہ آرائش ملا محب علی بے حد محظوظ و متاثر ہوے اور اپنے تاثرات برجستہ اشعار کی صورت میں یادگار چھوڑے ہیں۔ یہ نظم معلوم نہیں کتنی طویل تھی یا یہ قصیدہ کے سلسلہ کے اشعار ہیں جو میری خاندانی قدیم بیاض میں ملا صاحب کے دیگر انتخاب کلام کے طور پر جستہ جستہ درج ہیں۔ اس بیاض میں وقتاً فوقتاً سالہا سال کے تفاوت سے کئی کاتبوں نے خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ آغاز کتابت مسلسل کسی پاکیزہ خط کاتب نے نستعلیق خط میں شروع کی تھی بعد میں شکستہ نویس نسخ نویس رواں نویس وغیرہ وغیرہ نے نظم، نثر، عربی، فارسی، عبارات جہاں مزاج چاہا تحریر فرما رکھی ہیں ایک خاص بات محل نظر اور توجہ طلب یہ ہے ملا صاحب کا کلام جہاں لکھا ہے وہاں دعائیہ الفاظ ضرور لکھے ہیں مثلاً میر محب علی سلمہٗ، ملا محب علی سلمہ اللہ، میر محب علی زید عمرہ وغیرہ۔ مذکورہ سیر گاہ سے متعلق سرخی

اور اشعار یہ ہیں۔

حبذا این منزلِ فرخندۂ شاہجہاں	درکرارہ مینمایدجلوۂ باغِ جناں
مطلع برجستۂ تعمیر سلطانِ خرم	برکنارہ حوض اکبراین دوکاخِ محترم
جفت لیکن طاق درسلکِ عمارات بدیع	ہریکے چوں کوشک فردوس مطبوع رفیع
چادرِ آبِ مصفا حیرت افزا آبشار	قلبِ این نظارہ گویا آبِ حیواں آشکار
میبرد مستانہ وار افتاں وخیزاں میرود	چوں منِ شوریدہ نالاں گریاں میرود

کردم از نظارۂ این گلشنِ دائم بہار
سیرِ فردوسِ معلیٰ در حیاتِ مستعار

مطلع برجستۂ تعمیر کی بلاغت و ندرت کچھ وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے یہ منظر دیکھا ہے۔ آبشار کے دونوں پہلوؤں پر یکساں عرض و طول اور یکساں طرزِ تعمیر کے عظیم الشان دیدہ زیب و باصرہ فریب دو محل ایک دوسرے کے مقابل ایک دوسرے کا اس قدر صحیح نمونہ کہ جس میں سرِ مو تفاوت یا تجاوز نہیں ہے۔ درحقیقت مطلع برجستہ تعمیران محلات کی منھ سے بولتی ہوئی تصویر ہے۔

اسی طرح جفت لیکن طاق، کتنا برمحل تلازمہ ہے جس کی داد نہیں دیجاسکتی۔ اور آبِ حیواں آشکار کہکر تو ملا صاحب نے اس آبشار کو حیاتِ جاوید عطا فرمادی ہے۔

چونکہ یہاں ملا صاحب کی شاعری پر تبصرہ مقصود نہیں ہے۔ میں عرض کرچکا ہوں کہ وہ شاعرِ غرا۔ برجستہ گو اور جملہ اصنافِ سخن پر

بہمہ وقت ید طولی رکھتے تھے۔ پھر بھی وہ شاعر سے زیادہ عالم اور عالم سے زیادہ صوفی تھے۔ ان کی شاعری سے لطف اندوز ہونے والوں کے لیے آثر رحیمی۔ بادشاہ نامہ۔ عملِ صالح وغیرہ کے اوراق موجود ہیں اور یہ کتابیں چھپ چکی ہیں البتہ اپنی بیاض سے چند مقامات کے اشعار نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مذکورہ کتب میں موجود نہیں ہے اور ان کے ذریعے سے ملا صاحب کی مقبول شخصیت روشنی میں آتی ہے کہ وہ اپنے معاصر صاحبِ اقتدار حکام پر کتنا اثر رکھتے تھے۔

شاہجہاں کے عہد میں عقیدت خان صوبۂ مالوہ کا با اختیار صوبہ دار تھا۔ ان دنوں پرگنہ بیر بھی مالوہ میں شامل تھا۔ پرگنہ بیر کے حاکم کا ایک بھائی عقیدت خان کے باڈی گارڈ میں ملازم تھا۔ اسکی تمنا تھی کہ وہ اپنے بھائی کے ہمراہ بیر میں تعینات کر دیا جائے۔ لیکن خان موصوف اس کو اپنے سے جدا نہ کرتا تھا اس نے ملّا صاحب سے سفارش کی درخواست کی ملا صاحب نے عقیدتخان کو ایک رباعی لکھ کر بھیجی۔ بیاض میں یہ رباعی اس عبارت کے ساتھ درج ہے:۔

این رباعی را اخوند ملّا محبّ علی بعقیدت خان نوشتہ اند برائے سفارش شخصے کہ برادرش در پرگنہ بیر بود واین ہم میخواست کہ تعینات آنجا باشد۔ دو جا بیر بمعنی برادر آوردہ اند۔

میر محبّ علی زید عمرہ

در بیر فتاد ارچہ یوسف از بیر　　لیک این ز برائے بیر میخواہد بیر

چون ہیچ ازین باز نمی آید اُو　　　لطفے بکن و بیفگنش اندر بیر

بیر ہندی میں بھائی کو کہتے ہیں بیرن کا مخفف ہے اور بیر عربی میں کنوئیں یا باولی کو بھی کہتے ہیں۔ نیز مطلوبہ مقام کا نام بھی بیر ہے[۱]۔ کتنے سادہ الفاظ میں رباعی نظم ہوگئی۔ تجنیس کی خوبی اس پر مستزاد ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ:۔

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی وجہ سے کنوئیں کی مصیبت جھیلی لیکن یہ شخص بھائی کے لئے بیر کی آرزو کرتا ہے جب یہ کسی طرح اپنے ارادے سے باز نہیں آتا تو اسے کنوئیں ہی میں ڈھکیل دیجئے یعنی بیر پہنچا دیجئے۔

مُلا صاحب خانخاناں۔ اسکے فرزندوں، بلکہ شاہجہاں اور اس کے امراء سے بھی اہلِ حاجت کی سفارشیں کرنے میں بڑے دلیر تھے۔ چونکہ آپ مستحق لوگوں ہی کی سفارشیں فرماتے تھے، اس لئے وہ ہر جگہ قبول ہوئیں اور اہلِ استحقاق حاجتمند فائز المرام ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے آزاد فطرت اور بے ریا صوفی ہونے کے باوجود مذکورہ درباروں سے روابط مراسم قائم رکھے ورنہ وہ حقیقتاً کسی کے ملازم نہ تھے نہ ہو سکتے تھے۔ ہر دربار میں انھیں بیک وقت معزز مہمان یا باوقار مصاحب کی منزلت حاصل تھی مزہ یہ ہے کہ اس عہد کے تذکرہ نگاروں میں سے ہر ایک نے انھیں اپنے ممدوح کا ملازم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

---

[۱] فی زمانہ بیر کھنڈوہ اور ہرسود کے درمیان جی آئی۔ پی ریلوے کا ایک چھوٹا سا اسٹیشن ہے۔ اس دور میں بڑا سیر حاصل مقام تھا۔ اب بیڑ لکھا جاتا ہے۔ نیز بیڑ نام کا ایک ضلع حیدرآباد دکن میں واقع ہے اور عقیدت خان یہاں بھی مامور رہ چکا ہے ممکن ہے تبادلہ کے خواہش مند نے بیڑ دکن کے تبادلے کے لئے سفارش چاہی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

مآثر رحیمی کا مصنف مُلّا صاحب کو سنہ ۱۰۰۰ھ سے سنہ ۱۰۲۵ھ بلکہ سنہ ۱۰۳۶ھ خانخاناں کی وفات تک ان کا معزز مصاحب اور ملازم لکھتا ہے۔ لیکن یہی شخص جب خانخاناں کے فرزند اکبر میرزا ایرج کے ندیمانِ خاص کی فہرست پیش کرتا ہے تو اس فہرست میں بھی ملا محب علی کا نام موجود ملتا ہے۔

اسی طرح ملا عبدالحمید اور ملا محمد صالح کنبوہ کے بیانات ہیں۔ دونوں نے ملا صاحب کو اپنے ممدوح شاہجہاں کو ہم رکاب و حاضر باش ملازم ثابت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں تینوں کتب کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

از تاریخ سنہ ۹۹۹ھ نہ صد و نود و نہ تا امروز کہ سنہ ۱۰۲۵ھ خمس و عشرین [۱] والف ہجری بودہ باشد در بندگی این خدیو ملک بے نیازی می باشد۔

مآثر رحیمی جلد سوم صفحہ ۴۹۰

بادشاہنامہ کی عبارت حضرت محمد بن فضل اللہ نائب رسول اللہ سے متعلق عبارت پہلے نقل کر چکا ہوں اگرچہ اس سلسلہ میں مُلّا عبدالحمید نے مُلّا مُحبّ علی کے بارے میں کوئی صراحت نہیں لکھی لیکن تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ جہانگیر نے بھی اکبر کے تتبع میں شاہزادوں کو قوی بازو امیروں کا داماد بنانے کی سیاست پر عمل کیا تھا چنانچہ شاہجہاں کی شادی میرزا ایرج کی دختر (خانخاناں کی پوتی) سے کر کے اسکو برہان پور بھیجا تھا۔ یہ وہی وقت تھا جب کہ شاہجہاں حضرت نائب رسول اللہ صلعم کی خانقاہ میں نیازمندانہ حاضر ہوتا تھا۔ ملا محب علی بھی کہ بخلوص ملتا تھا اسی دور میں اس نے سیر گاہ کرارہ میں آبشار، محلات، باغات تعمیر کرائے تھے۔ ناظرین

---

[۱] سنہ ۱۰۲۵ھ مآثر رحیمی کے خاتمے کا سنہ ہے۔ لیکن مؤلف بعد کے سنین کے حالات کا بھی اس میں اضافہ کرتا رہا ہے۔ چنانچہ شاہنواز خان ابن خان خانخاناں کے انتقال کا حال بھی مذکور ہے جو سنہ ۱۰۲۸ھ میں واقع ہوا تھا۔

اسی گلزار بہشت آثار کے جشنِ افتتاح میں ملا محب علی کو معزز مہمان اور مصاحب کی حیثیت سے محوِ گلگشت دیکھ چکے ہیں ان کے تاثرات کا عکس بصورتِ اشعار ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اشعار سے باغات، محلات اور آبشار کی نزہت و نفاست کی خوبیاں تو ضرور معلوم ہوتی ہیں۔ مگر شہزادہ کی مدح بالکل نہیں اگر یہ مدحیہ قصیدے کے اشعار ہوتے تو یہ ایک نمکخوار ملازم کی طرف حق نمک متصور ہوتا اور ملا صاحب کو شاہجہاں کا ملازم تسلیم کیا جا سکتا تھا۔

شاہجہاں بادشاہ ہو کر ۱۰۳۹ھ میں خانجہاں لودی کے استیصال کے سلسلہ میں برہانپور آیا تھا۔ اُسوقت البتہ ملا صاحب نے مدحیہ اشعار پیش کئے تھے۔ مذکورہ کتابوں کی ورق گردانی میں تو یہ بھی میری نگاہ سے نہیں گذرے میری بیاض میں یہ تین شعر درج ہیں جو عقیدت خان والی رباعی کے نیچے اس مختصر عنوان سے تحریر ہیں۔

ولہ بہ شاہجہان

تو باشی تا جہاں باشد پدیدار	جہاں شاہ و جہاں بخش و جہاندار
زپا افتادگاں را دست می گیر	بگو این خود جوان است داں دگر پیر
مسخر بادت ازمہ تا بماہی	ترا بادا مبارک بادشاہی

یہ محض تقریب ملاقات تھی جو قدیم تعلقات اور اپنے دیرینہ مخلص محسن کو بادشاہی کا اعزاز حاصل ہونے پر ملا صاحب نے اخلاقاً تہنیت پیش کی۔ ملازمت بمعنی نوکری کا اس سے کوئی لگاؤ نہیں۔ شاہجہاں نے بھی

حسبِ سابق انھیں اپنے پاس ٹھہرالیا اور ہر ایک سیر و تفریح کے موقعہ پر ساتھ رکھا۔ اسی واقعہ کو بڑھا کر خوشامدانہ مبالغہ کے ساتھ ملا عبدالحمید لکھتے ہیں :۔

بدرگاہِ گیتی پناہ آمدہ شرفِ ملازمت اندوخت و مدتے مستلزم رکاب فیروزی نصاب بود۔ اکنوں از پیش گاہ مرخص گشتہ در برہان پور بہ پرستش ایزدی و دعائے دوام دولت گردوں صولت کامیاب است۔

(بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ ۳۳۶)

"ملا محمد صالح عملِ صالح میں تحکم کا انداز اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

حسب الامرِ عالی بالتزام رکاب نصرت نصاب ارتکاب نمودہ ازاں وقت ہمہ جا بہ سعادت ملازمت فائز بودہ۔

(عملِ صالح جلد سوم صفحہ ۳۶۸)

"ملا محب علی کو ان مورخین نے شاہجہاں کا ملازم ثابت کرکے اپنے ولی نعمت ممدوح کی برتری اور تفوق کا مظاہرہ اور حقِ نمک ادا کیا ہے ورنہ دلائل و قرائن سے پایا جاتا ہے کہ وہ آزاد فطرت انسان تھے۔ انھوں نے کبھی ملازمت کی پابندیوں کا بکھیڑا مول نہیں لیا۔ خانخاناں کی مصاحبت انھوں نے اوائلِ عمر میں شوقِ سیر و سیاحت کے پیشِ نظر قبول کی تھی اور برہانپور آتے ہی یہ شوق حدِ ذوق تک پورا ہو چکا تھا۔ خود بھی فقر و مسکنت کو نظرتاً

عزیز رکھتے تھے۔ یہاں حضرت نائب رسول اللہ صلعم کے مرید ہوئے تو یہ رنگ اور نکھر گیا۔ البتہ خان خاناں سے تعلقات مصاحبت ضرور قائم رکھے۔ ان کے برہان پور میں موجودگی کے زمانہ میں شریک مجلس رہتے۔ تقریبات پر تہنیتیں پیش کرتے اور مستحق اہل حاجت کی سفارشوں سے خدمت خلق کا فرض انجام دیتے۔ آپکی ضروریات نہایت مختصر تھیں کہیں سے کسی تنخواہ کے تعین کی صراحت نہیں ملتی، وقتاً فوقتاً نذرانے، قصائد کے صلے آسمانی روزی تھی۔ اسی میں اپنی صوفیانہ بسر اوقات۔ پیرو مرشد کی خدمت اور محتاج و مساکین کی خبر گیری فرماتے اور دربارداری کی شان و نمود بھی قائم رکھتے۔

خانخاناں جیسے لک بخش امیر کی مصاحبت اور بقول مورخین ملازمت میں ہوتے ہوئے بھی بحالت تجرد و بے رنگی آپ کی مالی حالت کا یہ عالم تھا کہ جب دل میں ادائے فریضۂ حج کی تحریک پیدا ہوئی تو اتنا روپیہ نہ تھا کہ سفر حج کو کافی ہوتا۔ خان خاناں کو کنایتاً ان اشعار میں توجہ دلائی۔

قطعہ

سرورا بندہ را بہ دل رازیست	کہ ہم از دل بدل دروں آید
ہیچگہ بر زبان نمے آید	کہ نہ از دیدہ جوئے خون آید
راز گفتن ز دل سزد نہ زلب	کہ ازاں وحی وزین فسوں آید
کرمت عکس سائلے داند	ہر کجا سایۂ دروں آید
عدد مم چوں فزد نیست عجب	قیمتم نیز اگر فزوں آید
آرزویست ہمہ برآمدہ باد	پیش ازاں کت بدل دروں آید

مآثر رحیمی جلد سوم از صفحہ ۱۰۵

بڑھ گئے ہیں۔ اس مدحیہ قطعہ کے شانِ نزول پر روشنی نہیں ڈالی
البتہ آپ کے سفرِ حج کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ خانخانان نے ملا محب علی
کو سفرِ حجازِ مقدس پر روانہ ہوتے وقت

ما یحتاج راہِ خرچ ضروری آں سفر چنانچہ باید و شاید بہ جہت
او مستعد و مہیا ساختند۔ (مآثرِ رحیمی جلد سوم ص۴۹۲)

درحقیقت یہ اسی مدحیہ قطعہ کا صلہ تھا۔ اور غالباً یہ ملّا صاحب کی
سب سے پہلی اور یقیناً سب سے آخری حاجت طلبی تھی جو انھوں نے اپنی
ذات کے لئے بوجہ مذکور گوارا کی۔ خانخانان سے ان کی وابستگی کے مراسم
کی وجہ تو ظاہر ہے کہ وہ انھیں ان کے وطنِ مالوف سے ہمراہ لائے تھے۔
ضروری موقعہ پر حاجت طلب کرنا ملّا صاحب کا حق تھا اور خانخاناں کا
فرض تھا کہ وہ دریا دلی سے ادا کریں اور ایسا ہی ہوا بھی۔ لیکن شاہجہاں
کی ملازمت میں منسلک کرنیوالوں کے پاس کیا دلیل ہے؟ ملازمت میں
ان کا کیا عہدہ تھا؟ اور تنخواہ کیا تھی؟ کہاں کی جاگیر یا منصب عطا ہوا
تھا؟۔ اگر زمرۂ شعرا میں شامل کیا جائے تو واقعی وہ شاعر بے بدل تھے۔
لیکن ایک ملازم ہونے کی حیثیت سے ان کے قصائد پیش ہونے چاہئیں
جنھیں پیش کرنے سے دونوں ملّا قاصر ہیں۔ میں نے اپنی بیاض سے
جو تین شعر پیش کئے ہیں وہ حصولِ سلطنت کی مبارکباد کے ساتھ ساتھ
پند سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ کیا نمکخوار ملازم مدح سرائی کے سوا ناصح

مشفق بننے کی بھی جرأت کر سکتا ہے ؟ واقعات پر غائر نظر ڈالنے سے معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ یعنی ملا محب علی جیسے مرتاض اور بیگانۂ علائق دنیوی کو شاہجہاں کی خوشامد و دلجوئی کی کسی وقت بھی ضرورت نہ ہوئی۔ البتہ شاہجہاں کو ملا محب علی کو دوست بنانے اور خوشنود رکھنے کی ابتداً سخت ضرورت تھی۔ بادشاہ نامہ کی سابقہ مذکورہ عبارت سے ناظرین باخبر ہیں کہ شاہجہاں کو حضرت محمد بن فضل اللہ سے اس قدر عقیدت تھی کہ بزمانۂ شہزادگی آپکی خانقاہ میں حاضر ہو کر دست بوسی کا شرف حاصل کرتا تھا۔ خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ اپنی عقیدت کے مطابق حصولِ سلطنت کے لئے آپ کی توجہ اور دعاؤں کا آرزومند تھا اور جانتا تھا کہ وقتِ ضرورت اس اللہ والے بزرگ کے دربار میں زور و زر سے کام چلنے والا نہیں۔ ملا محب علی اس دربار کے ایک مقبول فرد تھے اس لئے کہ حضرت نائب رسول اللہ ملا صاحب کے علم و فضل اور صاف باطنی کے باعث انھیں بہت عزیز رکھتے تھے شاہجہاں نے کچھ فطری درویش دوستی اور بہت کچھ حصولِ مقصد کے لئے کارآمد ہستی خیال کر کے ملا صاحب کو دوست بنایا۔ قرب ہونے پر ان کی علمی قابلیت و بذلہ سنجی کا گرویدہ ہو گیا اور ہمیشہ اُن تعلقات کو برقرار رکھا۔ ممالک دکن کے دوروں میں بالعموم انھیں ہمرکاب رکھتا بلکہ کبھی کبھی آگرہ میں بلا بھیجتا اور یہ سب سلسلۂ ملازمت نہ تھا بلکہ محض اظہارِ خلوص اور لطف صحبت کے پیش نظر ہوتا۔ مزید یہ ہے کہ ملا صاحب کو شاہجہاں کا ملازم بیان کرنے والے یہ بھی لکھتے ہیں۔

از تکلفاتِ رسمی و تصنعاتِ عرفی بیگانہ۔ بیشتر اوقات بر انجاحِ حوائج

مسلمانان را اسلام کفر و اصلاح فجرہ مصروف دارد

(بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ ۳۴۵)

یعنی ملا محب علی تکلفاتِ رسمی اور عام دنیا سازی سے بے نیاز ہیں۔ اور زیادہ وقت مسلمانوں کی حاجت روائی تبلیغِ اسلام اور فسق و فجور کے انسداد میں مصروف رہتے ہیں اور مسلمانوں کو شاہی نوازشات سے مالا مال کرنے کی سعی فرماتے ہیں۔ جب ملا صاحب کا زیادہ وقت ان مشاغل میں گذرتا تھا تو انھیں شاہ جہاں کا ملازم ماننے کے لئے یہ یاد رکھنا پڑے گا کہ دربار میں تبلیغِ اسلام اور رفاہِ عام کا بھی شعبہ تھا۔ جسمیں مذکورۂ بالا خدمات انجام دینے کے لئے ملا صاحب ملازم تھے۔

بادشاہ نامہ کی متلون عبارتیں پیش کردی گئیں۔ اب ملا صاحب کی صوفیانہ منزلت اور عارفانہ مشاغل کے متعلق ملا محمد صالح کنبوہ کی رائے ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

آں عارف کامل در عین غلبۂ نشۂ ذوق گاہے گاہے اشتغال نائرہ شوق را بہ رشحہ فشانی لطیف اشعار آبدار فرو نشاندہ انواعِ سخن از مثنوی۔ غزل۔ قصیدہ و رباعی کہ از روی کمال مرتبہ وجد و حال ناشی شدہ انشا می نمایند۔ و اغلب اوقات شاہد معنیٔ عاشقانہ و عارفانہ کہ از شمائم آں نسائم قدس و نفحات انس تمام بہ مشام ارباب عرفان و وجدان می رسند در لباسِ نظم جلوہ می دہند۔

عمل صالح جلد سوم صفحہ ۳۶۸

اس عبارت میں ملا صاحب کا شاعرانہ کمال اور ان کی شاعری میں جملہ اصنافِ سخن کی حد تک تصوف کے عارفانہ رنگ کی اثر انگیزی کو خصوصیت سے سراہا گیا ہے حتیٰ کہ قصیدہ میں بھی مؤلف کو عرفان و وجدان کی سرمستیاں جلوہ فرما نظر آتی ہیں۔ کیا ایسا عارفِ کامل تارکِ دنیا اور گوشہ گزین ہونے کے باوجود بھی مدحتِ سرائی کا پیشہ اختیار کرنے کی ذلت گوارا کر سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ملا محب علی نہایت متوکل قناعت پسند۔ اور تقوی و تورع کے عامل تھے۔ انھیں قصیدہ گو ملازموں کی صف میں کھڑا کرنا زہد و تقویٰ اور عرفان و تصوف کی توہین ہے۔ کیا دلیری ہے کہ یہی مُلّا محمد صالح اسی صفحہ پر بیک جنبشِ قلم ملا صاحب کو شاہجہاں کے دربار میں حکماً حاضر کر دیتے ہیں۔

ملا نہاوندی نے آپ کے باطنی کمالات کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

این شیوہ از ایشان نہایت پسندیدہ و نیکو می نماید کہ از شائبۂ ریا و کذب مبرا است و تمام عمر بیک وطیرہ و روش کہ شیوہ او ست اوقاتِ شریف مسلوک می دارد کہ نہ از نہایت و مرحمت جہانیاں خوش حال و نہ از کم لطفی و بے شفقتی زمانیاں آزردہ و صاحبِ ملال می گردد۔ لطف مخلوق را معدوم انگاشتہ بندگی خالق جزو کل خدمت و صحبت فقرا و درویشاں را بر ہمہ چیز ترجیح می نہد (مآثرِ رحیمی جلد سوم صفحہ ۴۹۳)

یعنی مولف کو ملا صاحب کی یہ خصوصیت بے حد پسند ہے کہ کذب و ریا سے کوسوں دور ہیں اور ساری عمر اس وضع میں بسر کر دی کہ لوگوں کی

عنایات و اکرام پر کبھی مغرور و مسرور نہ ہوئے اور نہ بے التفاتیوں اور نامہربانیوں سے ملال گزرا۔ مخلوق کے نیک و بد تعلقات سے اُنھوں نے کبھی دلچسپی نہیں لی۔ البتہ خالقِ جزوکل کی بندگی اور فقرا کی صحبت کو ہر چیز پر فوقیت دیتے تھے اور دنیاداروں سے تعلق رکھا بھی تو اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ اس اثرورسوخ سے مستحق لوگوں۔ جمہور مسلمانوں و عام حاجتمندوں کو فائدہ پہنچانے کی مصلحت سے اور بس۔ وہ مزید اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

وبودنِ او در ہیں سلسلہ وخدمتِ اہلِ زماں جائے تعجب است۔ وتعجب ہم ندارد چہ ایں بزرگوار صورت و معنی اگرچہ ظاہر او بہ بار حکومت وسلطنت است در باطن بہ پلاسِ فقر آراستہ و پیراستہ است واگر ظاہر بیناں ازیں معنی غافل بودہ باشند وایں عالی شان را از اہلِ منصب و مہم دنیا دانند گو باش! علیم علاّم حال ہر کس را میداند۔

اب مؤلف کی رائے جو آپ کے متعلق ہے ان الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:۔

الحق مثل مولانائے مذکور دریں جزو زمان نیست و نخواہد بود واہلِ ہند را اعتماد تمام بہ فضیلت و حالت او ہست می رسد وی زیبد۔ (ماثر رحیمی جلد سوم صفحہ ۹۴)

مگر پھر بھی وہ مُلّا صاحب کو روزِ ملاقات سے آخر تک خانخاناں کا مسلسل ملازم ہی بتاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ملا عبدالباقی نہاوندی سنہ ۱۰۲۳ھ میں ہندوستان آیا اور خانخاناں کے حضور میں پیش ہوا۔ یہ اپنے وطن میں رہ کر

بھی خانخاناں کی فیاضی سے متمتع ہو چکا تھا۔ نظیری کے توسط سے ایک غزل بھیجی تھی جس میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

در عراقِ پُر نفاق ایں آرزو میبردم   از سخن سنجانِ بزمِ خانخاناں نیستم

اور خانخاناں نے اسکے صلہ میں دو ہزار روپے بھیج دیئے تھے۔ بالمشافہ ملاقات میں خان خاناں نے پھر دریا دلی سے سلوک کیا لیکن کوئی خدمت یا پابندی عائد نہیں کی۔ جب نہاوندی نے خدمتِ لائقہ بجالانے پر اصرار کیا اور ترغیب دلائی کہ اجازت ہو تو مآثر رحیمی مرتب کردیجائے۔ اجازت ملنے پر اس نے کام شروع کر دیا اور دو سال میں تین جلدوں کی ضخیم مبسوط کتاب مرتب کرکے پیش کی۔

اسی طرح خانخاناں میر محمد نعمان نقش بندی سے باعتقاد تمام ملتا تھا۔ انھیں اپنی مجلسوں میں اور تقریبات کے موقعہ پر شریک رکھتا تھا۔ ان کی خدمت میں گراں قدر نذرانے پیش کئے لیکن انھوں نے کبھی کچھ قبول نہ فرمایا۔ آخر ان سے التجا کی کہ میں عنداللہ کارِ خیر میں کچھ خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ برائے خدا مجھے مفید مشورہ دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ فاروقی سلطنت ختم ہو جانے سے جامع مسجد برہانپور کا جو بیرونی حصّہ نامکمل رہ گیا ہے اسکی تکمیل کرادو۔ خانخاناں نے آپ ہی کی نگرانی اور مشورہ سے احاطۂ جامع مسجد مشرقی اور جنوبی دروازہ اور ہر سہ جانب پختہ اور وسیع حجروں کی قطاریں و سنگ خارا کے دو وسیع حوض تعمیر کرادئیے جو آج بھی اچھی حالت میں موجود اور مستعمل ہیں۔ میر محمد نعمان رح بھی اپنے طریقہ کے ذکر و عبادت کے بعد زیادہ وقت

خان خاناں کے ساتھ گزارتے تھے۔ یہ تمام حالات اور مذکورہ تعلقات کا ذکر خود مآثر رحیمی میں موجود ہے۔ لیکن مُلّا نہاوندی نے انھیں خانخانان کا ملازم نہیں لکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہاوندی نے ملا محب علی کو خانخانان کے دربار میں درباری شان سے دخیل وموجود دیکھکر انھیں بھی ایک ملازم ہی تصور کرلیا اور جب تک اسکو دیکھنے کا اتفاق ہوا اسی عالم میں دیکھتا رہا۔ حالانکہ وہ مذکورین کی ملاقات اور باہمی ربط قائم ہونے سے ۲۳ سال بعد برہانپور آیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مُلّا محب علی نہاوندی سے عزیزدوست کی طرح ملے اور ملتے رہے۔ ملا صاحب کے حالات میں بہت سی دریافت طلب باتیں ان سے پوچھکر ماثر رحیمی میں لکھیں اور بہت سی دیگر باتیں اپنے مشاہدے اور قیاس سے درج کردیں۔ نیز کچھ خانخاناں کی مدحت سرائی میں مبالغے سے کام لے کر ممدوح کا تفوق و برتری ثابت کی۔ اس سلسلہ میں نہ صرف ملا محب علی کو بلکہ عرفی۔ نظیری۔ ملا حیاتی۔ ملک فیضی تک کو خانخاناں کے ملازم اور مداحوں میں لکھ گیا ہے۔

ہم نے ہرسہ مصنفین کے ہر قسم کے بیانات سامنے رکھ کر واقعات اور ماحول کے اعتبار تبصرہ اور نقد ونظر کا دیانت دارانہ حق ادا کرنے کی کوشش سے حتی الامکان پہلوتہی نہیں کی۔ نتیجۃً اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ ملا محب علی بلند پایہ شاعر۔ عارف کامل۔ درویش منش صوفیِ صفاکیش۔ عالمِ متبحر۔ بذلہ سنج۔ فیض رسانِ خلق۔ مبلغ اسلام۔

تارک الدنیا۔ صاحبِ وجد وحال۔ فقیر دوست۔ متوکل۔ عبادت گذار۔ خدارسیدہ بزرگ تھے۔

فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ حضرت شیخ محمد ابنِ فضل اللہ نائب رسول اللہ سے بیعت کا شرف سنہ ۱۰۰۰ھ میں بمقام برہانپور میسر آچکا تھا سنہ ۱۰۱۲ یا ۱۰۱۱ھ میں خرقۂ خلافت سے افتخار پایا جبکہ سفرِ حج کو روانہ ہو رہے تھے۔

آپ کے کتنے مرید تھے۔ مرید کرتے بھی تھے یا نہیں۔ یہ صراحت کہیں نگاہ سے نہیں گذری۔ اپنے مرشد کا نہایت ادب کرتے۔ ان کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ وقت گذارتے۔ مرشد کی وفات کے بعد مرشد زادوں کا ویسا ہی ادب واحترام کرتے ان کے قرب کو سعادتِ ابدی جانتے تھے۔ مرشدزادے بھی یگانگت کا برتاؤ کرتے اور ہر طرح خلوص واکرام سے پیش آتے تھے۔

باہر بھی ملا صاحب ہر طبقے میں مقبول تھے۔ امرا میں خانخانان عبدالرحیم خان۔ آعقیدت خان۔ آصف خان۔ شائستہ خان۔ وغیرہ سے آپ کے بڑے اچھے مراسم تھے۔ شعرا میں شکیبی۔ نظیری۔ حیاتی۔ فیضی۔ شیدا طالب۔ ملا عبد الباقی نہاوندی۔ وغیرہ سے صحبتیں رہیں اور ہر شخص آپکا مداح ومعترفِ کمال رہا۔ مشائخ میں مسیح القلوب شیخ عیسےٰ جند اللہ رح ملا حسن غوثی۔ اسماعیل فرحی۔ میر محمد نعمان نقشبندی شیخ ہاشم کشمی۔ شیخ جلال الدین صاحبِ ملفوظاتِ جلالی شیخ برہان الدین

راز الٰہی وغیرہ صلحائے وعلمائے کبار سے ربط وضبط تھا، خدا نے دینی اور دنیوی تمام سعادتوں اور فضیلتوں سے تازیست مالامال رکھا۔

۷۴ سال کی عمر میں اس دار فانی سے ملک جاودانی کی طرف کوچ فرمایا۔ اپنے خلوص اور حسنِ عقیدت کی برکت سے مرشد کے مزار کے قریب بائیں جانب گوشۂ جنوب مشرق میں دفن ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد جب حضرت نائب رسول اللہ کا مقبرہ تعمیر ہوا تو اس وسیع گنبد کے ملحقہ بیرونی حجرہ میں آپ کی قبر بھی آگئی یہ مقبرہ برہانپور میں بمقام شیخ پورہ نائب رسول اللہ کے روضہ کے نام سے مشہور اور زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملا محب علی کا انتقال ۱۰۵۵ھ میں ہوا جیسا کہ مندرجۂ ذیل قطعہ سے ظاہر ہے۔ سنہ ہجری کا پتہ تو چلتا ہے۔ لیکن ماہ و تاریخ کا علم نہیں ہوتا۔ یہ قطعہ حافظ عبد الغفور کا ہے جو حضرت نائب رسول اللہ کے خلیفہ تھے اور جب شیخ پورہ میں کاکر خان افغان نے جامع مسجد تعمیر کرادی تو یہی وہاں خطیب مقرر کئے گئے تھے۔ بیاض میں یہ تاریخ اس عنوان سے درج ہے۔

تاریخ وفات ملا محبّ علی طاب ثراہ من مغموم ومہجور حافظ عبد الغفور

افضلُ الاتقیا، محبّ علی	بود از عارفانِ جلوۂ ذات
عالم و فاضل و یگانۂ عصر	منبعِ خیر و مرجعِ حسنات
صوفی و متقی مجاہدِ نفس	کامل واکمل وستودہ صفات
فضل زاد ان ولادتِ سعدش	جامع الفضل منتہائے حیات
۹۸۴ھ	۱۰۵۵

مُلّا محبّ علی کے حالات پر اس قدر لکھ چکنے کے بعد بھی مجھے اعتراف ہے کہ میں مذکورہ کتب سے اخذ و اقتباس کر لینے کے بعد بھی وہ تمام باتیں نہیں لکھ سکا جو ان کتابوں میں مندرج ہیں۔ اسکی ایک وجہ نظریہ کا اختلاف ہے۔ مثلاً مآثرِ رحیمی کے مصنف نے اُن کے علم و فضل کے پیشِ نظر ان کے عرفان و وجدان کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ڈرتے ڈرتے انھیں شاعر لکھا ہے اور انھیں خان خاناں کا ملازم قرار دے کر صرف ایک موضوع یعنی خانخاناں کی مدح کے سلسلہ میں مُلّا صاحب کے سیکڑوں اشعار درج کئے ہیں جو مختلف اصنافِ سخن۔ قطعہ۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ ساقی نامہ وغیرہ کے ذیل میں ہیں میں عرض کرتا ہوں کہ ملا صاحب نے یقیناً وہ اشعار کہے ہیں۔

لیکن صرف مدح سرائی ان کا مقصودِ شاعری نہ تھا بلکہ انھوں نے شعر سے مختلف اہم کام لئے ہیں۔ ایک قطعہ لکھ کر سفرِ حجاز کے مصارف حاصل کئے ایک رباعی بھیجکر تبادلہ کے آرزو مند کی تمنا پوری کر دی۔ سیرِ حاصل آبشار کا حاصل سیر قطعہ لکھ کر معزز میزبان کا حقِ مہمانی ادا کر دیا۔ یہ چیزیں سلسلۂ نگارش میں ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ اُنھوں نے بالعموم شعر سے اظہارِ مافی الضمیر۔ وارداتِ قلب اور جذباتِ عشقِ الٰہی کو کنایتہً بیان کر کے دل کو ہلکا کرنے کی راہ نکال رکھی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی یہ پہلو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے ان کے ساقی نامے وغیرہ سے جستہ جستہ چند اشعار نقل کرتا ہوں ناظرین محسوس کریں گے کہ ان میں بادۂ انگور کی خمار آگینی نہیں ہے بلکہ عرفان

و وجدان کی سرمستی و مدہوشی ہے، ساقی کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔

منم[1] با تو چوں نور در آفتاب	ز تو می نیارم شدن در حجاب
بلندی و پستیِ ما سازِ تست	بم و زیر ہر نغمہ آوازِ تست
جہاں نقش آئینۂ بیش نیست	نمودے گر ش ہست جز خویش نیست
گسستہ عنانم درین دشتِ دُور	چو ہانگِ جرس کردہ ہر سو عبور
بمنزل کجا زین بیاباں رسم	کہ یابم ز سر چون بہ پایاں رسم
جنوں را دگر کار بالا گرفت	خرد را چو زنجیر در پا گرفت

بیا ساقیا کار را درست شد	دلے بود در کار غم لیست شد
بیا سوئے میخانہ ام رہ نمائے	کزیں در بہ کنجم فرو رفت پائے

مغنی بیا کشتِ این راز کن	بر دیم در معرفت باز کن
بیا ساقی آں مے کہ جان خاکِ اوست	جہاں جرعۂ جامِ نمناکِ اوست

(مآثرِ رحیمی ۳ انتخابِ ساقی نامہ)

یہ اشعار اگرچہ خانخاناں کے مدحیہ ساقی نامہ سے ماخوذ ہیں لیکن شاعر کی افتادِ طبیعت کا رنگ اس قدر گہرا ہے کہ مدح کا گمان بھی

---

[1] مآثرِ رحیمی جلد سوم میں ساقی نامہ مسلسل ۱۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے میری بیاض میں معدودے چند اشعار دو قسطوں میں درج ہیں۔

نہیں ہوتا۔ ساقی نامہ میں سو سے زیادہ اشعار ہیں۔ ان میں سے معدودے
چند مدحیہ اشعار الگ کر دیئے جائیں تو خالص تصوف ہی تصوف رہ جائیگا۔
وہ تو ساقی نامہ تھا، ایک قصیدہ کے اشعار ملاحظہ ہوں - دنیا سے
بیزاری اور جہاد نفس کی کس قدر دلنشین ترغیب ہے۔

از غمِ دہر روے دل برتاب	وز رہِ بادہ شمع خود بردار
بجہہ از دامِ خود یکے چوں دُود	بپراز دشتِ خود یکے چو شرار
دل بصورت مدہ کہ کس نہ شود	غنی از نقشِ درہم و دینار
چہ نشینی چو روزن و سایہ	چشم بر راہ پشت بر دیوار
رہ زدیوار کن زہمت و سعی	نقب از گنبدِ رواں بردار
گام بردار تا نہ گرد و شب	لیک آہستہ تا نیفتد بار

(آثر رحیمی جلد سوم صہ ۴۹۴ تا ۴۹۶) انتخاب قصیدہ

یہ کیسا قصیدہ ہے کہ اس میں مدح و ستائش سے زیادہ پیرانہ پند
اور بزرگانہ ہدایات اور پند و نصائح تحریر ہیں۔
اسی سلسلہ میں اپنی بیاض سے وہ اشعار نقل کرتا ہوں جو مذکورہ کتب
میں نہیں ہیں اور ابتدا میں نے وعدہ بھی کیا تھا۔ چند منظومات گذشتہ صفحات
میں پیش ہو چکی ہیں۔ مندرجۂ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں جو ان کی واردات
قلب، سوز و گداز۔ فقر و توکل کے مظہر ہیں۔

ولہ

چنداں گریم کہ سنگ در نالہ شود	وز آب جہاں پُر از گل و لالہ شود

بارم از اشک ابر آتش باری　　کز وے مہ و مہر در تہ ژالہ شود

ولہٗ

چنداں نالم کہ آب گردد دلِ سنگ　　چوں گردد آب خاک از وگیرد رنگ

زاں خاک یکے درخت خیزد کہ ازو　　آید ہمہ میوۂ مرادم در چنگ

شدتِ گریہ وزاری اور آہ وفغاں اور ان کے حسبِ مراد نتائج کا کتنا اچھوتا

اندازِ بیان ہے۔ اور دوسری رباعی میں فلسفیانہ تجزیہ۔ یعنی میں اس قدر آہ وفغاں کرتا ہوں کہ پتھروں کا دل پانی ہوجاتا ہے اور جب پانی موجود ہوجاتا ہے تو اس سے خاک وجود میں آجاتی ہے۔ آب وخاک کی یکجائی سے روئیدگی ناگزیر ہے چنانچہ اس سے وہ درخت پیدا ہوتا ہے جس سے میں اپنی مرادوں کا ثمر حاصل کرتا ہوں۔ کس قدر بلیغ پیرایہ میں اعترافِ حقیقت ہے کہ آہ وفغاں کے نتیجہ میں شاعر سکونِ قلب حاصل کرتا ہے یہی وہ راز ہے جو نظم کے پردہ میں بیان کرکے عاشقِ صادق نے دل ہلکا کر لیا۔ نثر میں کسی عنوان سے اس کے اظہار کی جرأت ممکن نہ تھی۔

(دیگر)　میر محبّ علی

ما از ازل چو جام فنا نوش کردہ ایم　　نامِ فنائے خویش فراموش کردہ ایم

ہر جرعہ بعالمِ دیگر نمود راہ　　ہجرت ز عالمِ خرد و ہوش کردہ ایم

تا گشتہ ایم در رہِ الفقر مستقیم　　نعمت شدیم و یار در آغوش کردہ ایم

ولہٗ

چو گل کشایم وچوں مل بہ بندم از ہر ناک ــ　در امید بباد و در شکنیب لسنگ

بہ چشمِ من چہ رسد ایں جہانِ بے مقدار ــ　بری ز عیش و غم فارغم ز نام و ز ننگ

مندرجۂ بالا دونوں قطعات مُلّا صاحب کے فطری مسلک فقر و توکل و بے نیازِ علائق ہونے کے مظہر ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں میں پھر اعادہ کرتا ہوں کہ مُلّا صاحب کے جملہ اصنافِ سخن میں عارفانہ سوز و گداز صوفیانہ رموز و اسرار کی نمایاں جھلک بڑی کثرت سے نمودار ہے جس کی مثال کسی مدحت پیشہ شاعر کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ لاریب مُلّا صاحب صوفی صفاکیش۔ عارفِ کامل۔ صاحبِ وجد و حال۔ عالمِ باعمل، خدارسیدہ بزرگ تھے۔

واللہ اعلم بالصواب

دورِ سوم

خلفائے حضرت مسیح الاولیا قدس سرہٗ العزیز

حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس اللہ سرہ العزیز

آپ مسیح الاولیاء کے شاگرد رشید اور ممتاز ترین خلیفہ ہیں۔ باکمال پیر کی خدمتوں اور فرمانبرداریوں میں آپ کو وہ شغف اور غلو حاصل تھا جس کی مثال کمتر مل سکے گی پیرو دستگیر نے بھی ہمیشہ آپ پر خصوصی عنایت و شفقت کے ساتھ توجہ رکھی اور بہت جلد مؤثر تعلیم اور روحانی تربیت سے کامل بنا دیا۔

مولوی بشیر محمد خان ایڈوکیٹ برہانپوری نے ملفوظات کے حوالے سے آپ کی ولادت کا سنہ لفظ فیض حق سے ۹۹۰ھ اور مقام ولادت موضع راجپی پرگنہ بوروڈ خاندیس لکھا ہے۔ آپکی نو عمری کا زمانہ تھا کہ آپکا خاندان برہان پور آ گیا۔ آپ نے والدین کی وفات پانے کے بعد اپنے عم بزرگوار کی زیر سرپرستی تعلیم و تربیت اور نشو و نما حاصل کی۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے ساتھ ساتھ خدا طلبی کا جذبہ موجزن تھا۔ حضرت ملک حسین بنبانی رح کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو گئے۔ ملک موصوف نے ضروری ہدایات دیگر بعض اذکار کی تلقین کی۔ اسی اثناء میں ملک حسین بغرض سیاحت برہان پور سے اطراف ملک میں چلے گئے۔ شیخ برہان الدین کا کام تشنۂ تکمیل تھا اور ذوق طلب حد برداشت سے باہر بیتاب نہ کسی اور رہنمائے حقیقت کی جستجو میں مصروف ہو گئے اور جب مضافات گجرات کے باشندے ایک

بزرگ سید محمد کی روحانی فضیلتوں کا شہرہ سنا تو آپ وہاں جانے پر عازم ہوگئے
اتفاقاً حضرت مسیح الاولیا کے ایک خلیفہ شیخ عبدالقدوس سے ملاقات
ہوئی اُنھوں نے آپکا منشاء سفر معلوم ہونے پر رائے دی کہ آپ مسیح الاولیاء
کی خدمت میں حاضر ہوں تو مناسب ہوگا۔ شیخ عبدالقدوس کے مشورہ دینے
میں ان کی ایک غرض بھی وابستہ تھی یعنی حضرت مسیح الاولیاء نے ان کو پانچ
خانوادوں کی خلافت ان کی روحانی صلاحیت کے مطابق عطا فرمائی اور
بقیہ نعمت اور تکمیل کے متعلق کنایتاً فرمایا تھا کہ یہ چیزیں بھی وقت آنے پر تمکو
اسی خانقاہ سے ملیں گی۔ لیکن ایک توسط کے ذریعہ سے۔ چنانچہ عبدالقدوس
نے چشم باطن کی بصیرت سے وہ تابانی شیخ برہان الدین کی پیشانی میں جلوہ گر پائی
تھی، اس لئے نہ صرف انھیں مشورہ دیا بلکہ اصرار کر کے آمادہ کیا اور جب
وہ آمادہ ہوگئے تو پانچوں خانوادوں کی خلافت انھیں تفویض کر کے وعدہ
کرالیا کہ جب آپ حضرت مسیح الاولیاء کی عنایات و توجہ سے درجۂ کمال کو
پہنچ جائیں گے مجھے بھی اپنے مریدوں میں شامل کر لینا۔

ایڈوکیٹ صاحب نے لکھا ہے کہ آپ جب مسیح الاولیاء کی خدمت میں
حاضر ہوئے تو عمر گرامی انیس سال کی تھی۔ یعنی (۱۰۱۲ھ) مسیح الاولیاء نے محبت سے
شرف نیاز عطا کیا اور دریافت فرمایا کہ مجھ سے بیعت ہونے سے تمہارا
کیا مقصد ہے۔ اگر جاگیر و منصب کی تمنا ہو تو ظاہر کرو حاکم شہر سے میرے
تعلقات اچھے ہیں، سفارش کئے دیتا ہوں اور طلب علم کا ذوق ہے تو
بابا فتح محمد کی رفاقت میں جو چاہو پڑھ سکتے ہو۔ آپ نے جواب دیا یہ دونوں چیزیں

نہیں چاہتا طلبِ حق کا جذبہ رکھتا ہوں چاہتا ہوں کہ چلّہ نشین ہو کر کشائش باطنی کی نیت سے اسمائے اعظم پڑھوں۔ فرمایا مبارک ہے اور ایک حجرہ آپ کے لئے مقرر کر کے چالیس اسماء پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ سید عبدالحی نے یہ روداد ان الفاظ میں لکھی ہے :-

"چون بخدمت حضرت شیخ الاولیا رسید پرسیدند کہ اگر قصدِ یومیہ و اراضی است بصدرِ شہر کہ آشناست سفارش و صدارت نمایم واگر قصدِ طلبِ علم است بہ رفاقت بابا فتح محمد ہرچہ خواہید بخوانید۔ گفتم ازیں ہردو ہیچ نمے خواہم طلبِ حق دارم میخواہم کہ اربعین بہ نشینم واسمائے عظام بہ نیت کشائشِ باطنی بخوانم فرمودند مبارک است حجرہ تعین نمودند وامر بخواندنِ چہل اسم نمودند (روائح الانفاس قلمی ص۳۱)

چونکہ یہ وظیفہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق عمل میں آیا تھا کچھ ترقی نہ ہوئی۔ حضرت نے چلّہ سے فارغ ہونے پر پوچھا کچھ فائدہ ہوا۔ آپ نے جواب دیا کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ پہلے کے مقابلہ میں دل کو زیادہ تاریک پاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا فائدہ نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ چلّہ کشی تم نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کی تھی۔ اب جاؤ اور استنجے کے کلوخ لے کر آؤ۔ آپ نے جنگل میں ڈھیلے فراہم کئے اور ایک ایک اپنے رخساروں پر گھس کر صاف کیا ٹوکری بھری اور اٹھا کر چلنے کا عزم کیا۔ فرماتے ہیں کہ ٹوکری سر پر رکھتے ہی مجھ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ ٹوکری کو اپنے سر سے ایک گز بلند معلق پایا۔ سوچا کہ اس عالم میں تنہائی کے راستے سے گذر جانا بہتر ہے

تاکہ شاہراہِ عام پر اِس چیز کا اظہار نہ ہو اور اسی طرح حضرت کے دولت کدہ پہ آپہنچے۔ مسیح الاولیا دروازے پر کھڑے تھے اپنے دونوں ہاتھوں سے ٹوکری اتاری اور بایار فتح محمد کو یہ کہہ فرمایا لیجاکر بالاخانہ پر حفاظت سے رکھو یہ انھوں نے بہترین کیفیت کے عالم میں پیش کئے ہیں۔ اسی طرح ایک سال تک آپ کا یہی شغل رہا۔ ایک روز دیگر مریدوں کو چلّہ میں بٹھانے کا ذکر آیا۔ آپ سے بھی پوچھا چلّہ میں بیٹھو گے۔ آپ نے جواب دیا حضور چلّہ نشینی سے مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں تو کلوخ لانے سے بہت خوش ہوں۔ آپ نے فرمایا بھائی حصولِ مطلب نہ کلوخ لانے سے ممکن ہے اور نہ چلّہ نشینی سے بلکہ مرید کے لئے ہر شئے کا حصول پیر کے حکم کی تعمیل پر مبنی ہے۔ آخر الامر آپ چلّہ میں بیٹھے اور فتح الباب کے ساتھ ہی فاتح ابواب تک پہنچ گئے۔ دیدۂ بصیرت نورِ معرفت سے پُرنور ہو گئے اور سینہ تجلیاتِ عرفانی سے معمور۔ بڑے اعتماد سے فرماتے تھے کہ درحقیقت مرید بمنزلہ مریض کے ہوتا ہے اور پیر طبیب حاذق۔ مریض کو طبیب کے حکم کے مطابق ہی دوا کھانی چاہیئے۔ اپنی مرضی سے اگر مختلف الخواص دوائیں استعمال کر لیگا تو ہلاک ہو جانیکا اندیشہ ہے۔

روحانی علوم اور عرفانی تعلیم کے ساتھ ساتھ مسیح الاولیا نے اپنے شاگرد رشید کو علومِ ظاہر، شعر و ادب اور عروض، ریاضی، منطق وغیرہ میں بھی طاق کر دیا تھا۔ معرفت کے سلسلہ میں آپ کا لقب رازِ الٰہی تھا اور فنِ شعر میں برہان تخلص کرتے تھے، عربی ادب پر بھی آپ کو منتہیانہ عبور حاصل تھا۔ آپکی تصانیف سے ہر چیز کا نمونہ پیش کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

مذکورۃ الصدر اربعین سے عروج وارتقاء کی حالت میں فارغ ہونے کے بعد مسیح الاولیاء نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔ لیکن آپ نے عرصہ تک کسی کو مرید نہ کیا۔ اول تو ادب مانع تھا کہ مرشد کی موجودگی میں مشیخت کا کاروبار شروع کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے حکم مکرر کا انتظار بھی تھا۔

آپ کی دو حرم تھیں، پہلی بیوی تو آپ کی ماموں زاد بہن تھیں، ان کے بطن سے اولاد بھی ہوئی لیکن زندہ نہ رہی۔ حضرت مسیح الاولیاء نے شیخ فرید کی دختر کریم النساء سے آپ کی دوسری شادی کرادی شیخ فرید ابن شیخ عبدالحکیم ابن شاہ بہاء الدین باجن رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اور اس درگاہ کے سجادہ نشین ہونے کے علاوہ مسیح الاولیاء کے تربیت یافتہ۔ مرید۔ اور خلیفہ تھے۔ حضرت نے اپنے بڑے فرزند شیخ عبدالستار کے ساتھ یکساں طور پر ان کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ وہ بھی حضرت کی خدمت و شرف حضوری کو سعادت ابدی جانتے تھے۔ اور باوجود سے کہ جد و پدر کی خانقاہ اور آبائی مکانات میں وافر گنجائشیں تھیں لیکن شیخ فرید نے مستقل طور سے حضرت کے قرب کے خیال سے آپ کی خانقاہ کے متصل زمین خرید لی تھی۔ اور جب انھیں آبائی مسند ہدایت کی طرف (مسیح الاولیاء کے وصال کے بعد) رجوع ہونا پڑا تو یہ زمین حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی کو نذر کردی۔ چنانچہ آپ کا مقبرہ مسجد۔ دیوان خانہ اور دیگر مکانات اسی سے ملحقہ زمین پر ہیں۔ شیخ فرید نے یہاں ایک مختصر مکان بنوایا تھا جو بقول مولوی بشیر محمد خاں صاحب فیض خانہ کہلاتا تھا۔

آپ کے خلافت سے مشرف ہونے کے بعد آپ کی حرم اول نے مسیح الاولیا سے بیعت ہونے کی تمنا کی۔ آپ نے حضرت سے التماس کی تو حکم ہوا کہ تم کو میں نے خرقۂ خلافت کے ساتھ ساتھ مرید کرنے کی اجازت بھی دے رکھی ہے تم خود اپنی بیوی کو مرید کیوں نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ نے حکمِ مکرر کی بشارت پاکر انھیں مرید کرلیا۔ اسطرح آپ کی اہلیہ صالحہ آپ کے مریدین میں سرِفہرست ہیں۔ اس کے بعد آپ دیگر لوگوں کو بھی مرید کرنے لگے اور آگے چل کر یہ سلسلہ اس قدر عروج پر آیا کہ علماء فضلا۔ امراء مشائخ ہر طبقہ کے لوگ اس کثرت سے آپ کے حلقۂ ارادت میں منسلک ہوگئے جن کی تعداد کا احاطہ مشکل ہے۔

مرشدِ طریقت حضرتِ مسیح الاولیا کی نگاہ میں آپ اس قدر محبوب و مکرم تھے کہ وہ اپنے نجی معاملات میں بھی آپ کو دخیل و شریک رکھتے تھے۔ حضرت بابا فتح محمد کے ہاں فرزند پیدا ہوا۔ خادمہ بچہ کو مسیح الاولیا کے پاس لائی۔ آپ نے فرمایا اسی طرح شیخ برہان کے پاس لے جاؤ وہ اس کا نام رکھدیں گے۔ خادمہ نے وہاں پہنچکر مسیح الاولیا کے ارشادِ گرامی سے آپکو باخبر کیا تو آپ نے مسکراکر بچہ کو ایک نظر دیکھا اور جو گلوری چبا رہے تھے اس میں سے ذرا چبایا پان بچہ کے منھ میں دے کر کہا لیجاؤ۔ خادمہ نے کہا کہ نام تو آپ نے رکھا ہی نہیں۔ فرمایا جاؤ نام بھی رکھ دیا ہے۔ خادمہ نے واپس لے جاکر مسیح الاولیا کو دکھایا اور کہا انھوں نے نام نہیں رکھا۔ حضرت نے بچہ کو پان سے سرخرو دیکھ کر فرمایا خوب! بچہ کا نام شہاب الدین رکھا ہے۔ شہاب الدین آپ کی اس عطا کردہ نعمت کی برکت سے اپنے وقت کے جید عالم۔ حافظ۔ قاری

اور صاحبِ تصانیف ہوئے اور آپ نے انھیں اپنی خانقاہ سے متصلہ مسجد میں امامت پر مامور فرمایا تھا۔

آپ دولتِ دنیا اور اہلِ دول سے طبعاً گریز رکھتے تھے۔ اورنگزیب کو اگرچہ سلطنت آپ کی توجہ اور دعا کی برکت سے حاصل ہوئی تھی۔ لیکن آپ کو شہزادہ سے اس قدر گریز تھا کہ برملا اسکی حاضری کو آپ نے کبھی پسند نہیں کیا اورنگزیب کو بھی شدت سے اعتقاد اور کامل یقین تھا کہ آپکی دعائیں ہی کشود کا کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ شہزادگی کی مڑک اور شخصی خودداری کو بالائے طاق رکھکر عام لوگوں کے ہجوم میں بہ تبدیلِ ہیئت حاضر مجلس ہوتا رہا لیکن آپ پہچان جاتے اور تبرک عطا کئے بغیر رخصت کر دیتے۔ سجان خاں نے مراۃ العالم میں بڑی تفصیل سے یہ روداد لکھی ہے۔ ایک مرتبہ تو آپ نے اورنگ زیب کو پہچان کر خطاب کیا کہ آپ کو یہ فقیرخانہ اتنا پسند آگیا ہے کہ آپ یہاں آنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ اس لئے میں اپنے لئے دوسرا مقام تجویز کئے لیتا ہوں۔

آخر ایک مرتبہ اورنگ زیب نے ایک موقعہ حاصل کر کے دارا شکوہ کی خلاف شرع حرکات کی ترویج اور اپنا اسلامی اصولوں پر حکومت کرنے کا عزم ظاہر کر کے دعا کرنے کی درخواست کی حضرت نے فرمایا ہم فقیروں کی دعا سے کیا ہوتا ہے تم بادشاہ ہو دعا کرو ہم آمین کہدیں گے۔ ہمراہیوں نے شہزادہ کے کان میں مژدہ سنایا۔ بادشاہی مبارک ہو۔

اہلِ دول سے گریز کی ایک اور روایت۔ امیر الامرا شائستہ خان کے متعلق بصراحت مطالعہ میں آئی ہے وہ اسطرح ہے کہ امیر الامرا شاہجہاں کے عہد میں

برہان پور مستقر میں صوبہ جات محروسۂ دکن کی نظامت پر مامور ہو کر آئے اور اپنی فقیر دوست فطرت کے مطابق یہاں کے صوفیائے کرام سے راہ و رسم پیدا کی آپکی خدمت میں بھی باریاب تو ہوتے تھے۔ لیکن بیعت کی تمنا قبول نہ ہوتی تھی۔ سید عبدالحی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شائستہ خان آ گئے۔ نماز عصر کا وقت تھا جماعت تیار تھی حضرت نے جماعت کے ساتھ نماز عصر ادا کی جماعت میں شائستہ خان بھی شریک تھے۔ آپنے بعد ادائے نماز جلد ہی امیرالامرا کو رخصت کر دیا اور اپنے مرید نصیر خان سے کہا کہ خان جی آپ بیٹھیں میں نماز عصر کا اعادہ کروں کیونکہ اس امیر کی شرکت جماعت کے باعث نماز ایسی ادا ہوئی ہے گویا نہیں ہوئی ہے چنانچہ آپ نے حجرہ میں جا کر مکرر نماز عصر پڑھی راوی کی اصل عبارت یہ ہے :-

روزے شائستہ خان بملازمت رسید وقت نماز عصر عنقریب بود فرض بجماعت ادا نمودند و شائستہ خان را وداع فرمودند۔ و بعد رخصت او بیان نصیر خاں فرمودند کہ خان جی نمازے کہ بقربت شائستہ خان ادا نمودہ شد گویا کہ نکردہ آمد شما بہ نشینید کہ من اعادت کنم۔ بحجرۂ خاص رفتند و نماز اعادت نمودہ باز تشریف آوردند۔ روائح الانفاس قلمی صفحہ ۸۶

یہ ۱۰۶۱ھ کا زمانہ تھا۔ شائستہ خان نے خانقاہ کی تعمیر اور فقراء کے مصارف کے لئے معتد بہ رقم پیش کرنی چاہی وہ بھی قبول نہیں کی گئی۔ آخر امیرالامراء نے حضرت سید شیر محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ اور

متصلہ مسجد تعمیر کرادی۔ جس پر یہ کتبہ نصب ہے اور مسجد آج بھی اچھی حالت میں ہے۔ محلۂ چندر کلاں کے مسلمان اسی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔

ناظر شائستہ خاں پُر اعتماد و اعتبار　　چشمۂ مہر و مروت آب حیواں آشکار

خواجہ ادراک از برائے بندگیہا و سجود　　در ہزار و شصت سال احداث ایں مسجد نمود

(فرید سعد صدیقی)

مولوی بشیر محمد خان صاحب نے شائستہ خان کے مرید ہونے کا جو واقعہ لکھا ہے وہ اس ذکر سے ۱۳ برس بعد کا وقوعہ ہے۔ شائستہ خان کو پونہ میں سیوا جی سے جو چشم زخم پہنچا وہ رمضان المبارک ۱۰۷۳ھ کا سانحہ ہے۔ بادشاہ عالمگیر نے شائستہ خان کو صوبجات دکن سے تبدیل کر کے بنگال کی نظامت پر بھیج دیا۔ وہ بنگال جاتے ہوئے برہان پور آئے اور حضرت سے بیعت ہونے کے لئے باصرار و التجا خود کو پیش کیا۔ اس قدر طولانی امیدواری کے علاوہ جوان بیٹے کے تازہ داغ خوردہ امیر الامرا کے اصرار و التجا کو حضرت رد نہ کر سکے اور انھیں مرید کر لیا۔

آپ کی قناعت پسندی کا یہ عالم تھا کہ جب اپنے خسر کے عطا کردہ مکان میں منتقل ہوئے تو اکثر فرمایا کرتے کہ اس وسیع مکان کی سکونت سے دل میں تنگی سی محسوس ہوتی ہے۔ حالانکہ فیض خانہ آپ کے سابقہ تنگ مکان سے برائے نام ہی وسعت رکھتا تھا۔

مولوی بشیر محمد خان صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب آپ نے مکان کی کھپریل بنوائی تو بعض احباب نے کہا کہ کھپریل کے نیچے چھت بنانی چاہیے

کہ گرد وغبار سے حفاظت ہو جائے۔ آپ نے پوچھا کتنی بلند ہونی چاہیئے نصیرالدین معمار نے عرض کی اتنی بلند ہونی چاہیئے کہ اگر چارپائی پر کھڑے ہو کر دستار باندھیں تو ہاتھ کی گردش میں مزاحم نہ ہو۔ آپ نے فرمایا نہیں صرف اتنی اونچی ہونی چاہیئے کہ چارپائی پر بیٹھ کر دستار باندھ سکیں۔ پھر فرمایا کہ چونا اینٹ سے نہ بنائی جائے۔

نواب میر عسکری عاقل خان بھی ایک صاحبِ منصب امیر تھا۔ دہلی اور لاہور جیسے مرکزی مقامات کی حکومت پر فائز رہ چکا تھا۔ صاحبِ سیف ہونے کے ساتھ ساتھ برجستہ نگار اہلِ قلم بھی تھا۔ حاضرِ خدمت ہو کر مرید ہوا۔ اور امارت ترک کر کے سادگی سے زندگی بسر کرنے لگا اور آپ کی نسبت سے بجائے عسکری کے رازی تخلص اختیار کیا۔ آپ کے ملفوظات مرتب کر کے ثمرات الحیات کے نام سے موسوم کیے، نیز فقرا اور درویشوں میں بے تکلف اٹھنا بیٹھنا شروع کیا۔

ایک مرتبہ عاقل خان موصوف نے حاضرِ خدمت ہو کر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں تفریحاً حضرت شاہ بھکاری قدس سرہ کے روضہ پر جا نکلا وہاں چند آزاد کیش قلندر بھنگ گھونٹ رہے تھے۔ تیار ہو جانے پر انھوں نے دور شروع کر دیا اور ایک پیالہ بھر کر مجھے بھی دیا۔ مجھے نزلہ کی شکایت ہے میں نے شائستگی سے معذرت کی اور پینے سے باز رہا۔ آپ نے فرمایا کہ انکی دلجوئی کے لئے کم از کم پیالہ لبوں تک پہنچا لیتے تو بہتر ہوتا۔ اور یہ اصلاحِ نفس اور رعونت دور کرنے کا سبب ہوتا کہ نفس مکار جس صورت میں

راہ پاتا ہے و غا دیتا ہے۔ اس روایت کی اصل عبارت یہ ہے۔

اے عزیز روزے از مریدانِ آنحضرت عسکری نام بخدمت باز نمود کہ
مرا اتفاق تفرج بسوئے روضۂ حضرت شاہ بھکاری قدس سرہ
افتاد۔ آنجا درویشان قلندر کیشان آزاد و شاں بودند و بنگ
می سائیدند چون نوبت بدور کاسہ رسید بمن جا نمودند بہ سبب
غلبۂ صفرا عذرے نمودم و بحسنِ مقال معذرتے کردم و نخوردم۔
فرمودند کہ اولی بودے کہ لب بکاسہ رسانیدید و مراعات شاں
میکردید و این نیز رفع رعونت صلاح نفس بود کہ نفس مکّار
در ہر صورت کہ می یابد دغا میدہد۔ (روائح الانفاس ص ۳۲۵)

حُبِ دنیا سے گریز کے سلسلے میں آپ کی یہ روایت قابلِ غور ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز شاہ ابراہیم بھکریؒ اور شیخ محمد ابن فضل اللہ رحؒ کسی مجلس میں یکجا تھے۔ شیخ محمد نے دریافت کیا کہ زمانۂ سابق میں طالبوں کو معمولی سی ریاضت سے ہی کشود کار میسّر آجاتا تھا لیکن فی زماننا ہر چند کہ طالب محنتِ شاقہ برداشت کرتے ہیں۔ پھر بھی منزلِ مقصود تک رسائی نہیں پاتے۔ شاہ ابراہیم نے جواب دیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہم تم گجرات میں (شیخ وجیہ الدین علوی کے درس میں) کنز پڑھتے تھے۔ مسئلہ چاہ سامنے آیا تھا کہ جب کنواں ناپاک ہو جائے تو لازم ہے کہ پہلے مرا ہوا چوہا نکالیں اس کے بعد پانی کھینچ ڈالیں تب کنواں پاک ہوگا۔ اور جب تک چاہ سے مردہ چوہے کو نہ نکالا جائے کتنا ہی پانی

ؒ آپ نائب رسول اللہ مشہور ہیں۔ آپ کا روضہ شیخ پورہ برہان پور میں ہے۔

بکمال دیں ناپاک رہیگا - اس زمانہ میں طالبوں کا دل حبِ دنیا سے آلودہ ہے۔
جب تک حبِ دنیا دل میں موجود رہیگی ریاضت کا فائدہ نظر نہ آئے گا۔
کیونکہ ترک دنیا افضل ہے تمام عبادتوں سے اور حبِ دنیا بدتر ہے تمام
گناہوں سے - اصل عبارت یہ ہے :-

فرمودند کہ روزے شاہ ابراہیم بھکری و شیخ محمد فضل اللہ قدس
سرہما در مجلسے جمع بودند - شیخ پرسید کہ در زمانہ سابق طالباں
را بہ اندک ریاضت فتح الباب روی نمود - اکنوں دریں زمانہ
ہرچند طالبان ریاضات شاقہ می کشند اما پے مقصود نمے برند
شاہ فرمود یاد لبودہ باشد آنروز کہ ما و شما در گجرات کنز میخواندیم
و مسئلہ چاہ برآمدہ بود کہ چوں چاہ پلید شود اول باید کہ جیفۂ
موش ازاں برآرند پس آب بکشند تا پاک شود - و اگر با وجود
جیفہ موش دراں ہرچند آب بسیار کشند پاک نہ گردد و دریں زمانہ
حبِ دنیا در دل طالباں جا کردہ است تا آنکہ ایں حبِ دنیا بدر
نیاید ریاضت سودے نہ دارد -

ترك الدنيا راس كل عبادة وحب الدنيا راس كل خطيئة

روائح الانفاس صفہ ۲۵

درویشی (فقر) کی حقیقت کے متعلق آپ کی تعلیم یہ تھی کہ درویشی خلوت نشینی
یا پہاڑوں اور غاروں میں بیٹھ کر ریاضت کرنے یا آسمان پر پرواز کرنے کا نام
نہیں ہے بلکہ اپنے دل کو غیر اللہ سے بے تعلق کر لینے کا نام درویشی ہے - آپ کے

الفاظ کی ترجمانی ان الفاظ میں ملتی ہے ۔

درویشی خلوت نشستن و در کوہ و غار بودن و بر آسمان بر آمدن
نیست ، درویشی دلِ خود را از ماسوائے حق منقطع ساختن است ۔

(روائح الانفاس صفحہ ۲۴۲)

آپ کا قول تھا کہ درویشی آٹھ چیزوں پر مبنی ہے اگر یہ صفات کسی شخص میں پائے جاتے ہوں تو وہ حقیقتاً درویش ہے اور کوئی درویش ہوتے ہوئے بھی ان پر کاربند نہ ہو تو فی الواقع اس کا درویشی سے کوئی تعلق نہیں اور وہ آٹھ لوازم یہ ہیں :۔

اول ہر وقت باوضو ۔ ہمیشہ روزہ ۔ کم خوراک ۔ کم سونا ۔ کم گوئی ۔ لوگوں کی صحبت سے گریز ۔ خواہشات سے اجتناب ۔ مرشد سے قلبی لگاؤ ۔ (ترجمہ روائح الانفاس صفحہ ۲۹۳)

کم گوئی کے متعلق آپ کا یہ نکتہ نہایت بلیغ ہے ۔ فرماتے ہیں کہ جس طرح تمسخر کی علت سے دل مرجاتا ہے اسی طرح بسیار گوئی بھی قلب کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے ۔ اصل الفاظ یہ ہیں :۔

فائدہ اندر سکوت آنست کہ چنانکہ ضحک موجب موتِ قلب
است ہمچنان تکلم بسیار ممات دل است ۔

دل ز بس گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارت بود دُرِّ عدن

(روائح الانفاس صفحہ ۲۵۱)

مرشد سے قلبی لگاؤ پر جو ہدایات اور تمثیلات پیش کرکے آپ نے مریدین کو

دلنشین درس دیئے ہیں وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ایک دو نمونے پیش کئے بغیر آگے بڑھ جاؤں تو یہ ذکر تشنہ رہ جائیگا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ برہان الدین غریب قدس سرہ اپنے مرشد حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ ان کا ایک مرید تھا "سعدی دکنی"، جو قصبہ سیر پور متصل برہان پور میں دفن ہے۔ برہان الدین غریب کی توجہ تو اپنے مرشد سلطان الاولیا کی جانب تھی، لیکن شیخ سعدی کی توجہ حضرت برہان الدین غریب کی جانب تھی حالانکہ یہاں مرشد کے مرشد بھی موجود تھے۔ ان کی یہ ادا سلطان الاولیاء کو بہت پسند آئی، دریافت فرمایا کہ یہ جوان سعادتمند کس کا مرید ہے۔ شیخ برہان الدین نے جواب دیا اسی بارگاہ کے خاک نشینوں میں شامل ہے۔ سلطان نے خوش ہوکر کاندھے سے چادر اتاری اور شیخ سعدی کو اشارہ کیا کہ لو۔ شیخ سعدی نے جواب دیا کہ میرے پیر دیں گے تو لے لوں گا۔ سلطان الاولیا نے وہ چادر حضرت شیخ برہان الدین غریب کو دی کہ انھیں دیدو اور انھوں نے ہی دی۔ تب شیخ سعدی نے کمال ادب سے بہ سر و چشم قبول کی۔ اصل عبارت یہ ہے

میفرمودند کہ روزے شیخ برہان الدین قدس سرہ کہ در دولت آباد
مدفون است در خدمت پیر خود شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ رسید
شیخ سعدی[۱] مرید شیخ برہان الدین مذکور کہ در سیر پور مدفون است

---

[۱] یہ روایت بجنسہ میں نے اس خیال سے درج کردی ہے کہ سعدی دکنی پر کام کرنیوالوں کو اس تازہ انکشاف اور مستند دلیل کی روشنی میں چند باتوں کا علم ہو جائے جو اب تک پردۂ خفا میں تھیں یعنی سعدی دکنی کا تعین زمانہ حیات۔ ان کا سلسلۂ بیعت اور یہیں سے بہ تاویل و تعمق دوسری راہیں بھی۔
(بقیہ صفحہ ۳۰۳ پر)

ہمراہ بود شیخ برہان الدین متوجہ شیخ خود گشت و شیخ سعدی باآنکہ
پیرِ پیر رو برو بود توجہ بہ پیر خود نمود۔ این اداے دلنشین شیخ نظام الدین
گردید۔ از شیخ برہان الدین پرسید کہ این جوان سعادت مند از مریدان
کیست۔ گفت از خاکساران ہمیں درگاہ است۔ شیخ نظام الدین
ردا از کتف برآوردہ بشیخ سعدی اشارت کرد کہ بگیر۔ شیخ سعدی
بگفت کہ اگر از پیرِ ما برسد میتوان گرفت۔ شیخ نظام الدین ردائے
مذکور بہ شیخ برہان الدین داد تا بواسطۂ او برسد۔ شیخ سعدی آداب
خدمت بجا آوردہ و بسر و چشم قبول نمود باآنکہ پیرِ پیرش بود بدو
توجہ نفرمود۔ (روائح الانفاس صد ۵۲)

سعدی دکنی کو جو لوگ صرف شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں وہ غالباً
اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ شیخ سعدی دکنی کا شمار اولیائے کاملین میں ہے
ان کا مزار برہان پور سے چھ (۶) میل دُور ایسے مقامات پر ہے جو عرصۂ دراز سے
آبادیوں سے الگ تھلگ ہے۔ لیکن آج بھی وقتِ مقررِ ان کے عرس میں نہ صرف
اطراف کے دیہات سے بلکہ برہان پور سے بھی خاص لوگ جا کر شرکت کرتے ہیں
آج سے تین سو سال پہلے کیا عالم ہوگا جب کہ بُرہان پُور کے صوفیائے کاملین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۲) نکلتی ہیں خصوصاً سعدی دکنی اور امیر خسرو کا ہمعصر ہونا اور روحانی تعلق کی بنا پر یکجائی اور اس تعلق کا خسرو کی ہندی (دکنی) زبان کی شاعری پر اثر۔ اور کیا امیر خسرو سے منسوب ہندی کلام میں سعدی کا کچھ کلام مخلوط تو نہیں۔ جیسا کہ محمود لاہوری کی خالق باری غلط فہمی بلکہ خوش فہمی سے خسرو سے منسوب چلی آرہی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اس دعوت توجہ کو قدیم اردو اور سعدی دکنی سے دلچسپی رکھنے والے نظر انداز نہ فرمائیں گے۔ (راشد برہانپوری)

اور اولیائے عصر ان کے عرس میں پا پیادہ جاکر کسب فیض کرتے تھے۔ صاحب تذکرۂ ہٰذا حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی جن کی ولایت و مشیخت اس زمانہ میں درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور آپ کی عظمت و شہرت کا آفتاب نصف النہار پر ضیا بار تھا۔ شیخ سعدی کے عرس میں پا پیادہ تشریف لے گئے تھے۔ جب راہ میں آپ کو خستگی محسوس ہوئی تو قریب کے راستے سے گذرنے کے خیال سے کسی ناشناس کے ارابہ پر بیٹھ کر کچھ راہ طے کی۔ اب قریب کے راستے میں ایک کھیت کی خاربندی سدّ راہ تھی۔ آپ نے ایک مقام سے کانٹے دور کر کے ایک تنگ راستہ بنایا اور بہ دشواری گذر سکے۔ ہمراہی کا بیان ہے کہ میں اس راستہ سے نہیں گذر سکا لہٰذا دوسرا راستہ اختیار کیا اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

روزے آنحضرت افاض اللہ علینا وعلی العالمین برکاتہم بہ تماشائے عرس شیخ سعدی سوئے سیر پور رواں شدند۔ در راہ ماندہ شدند ارابۂ آں ناں کس بے معرفت بود سوار شدند۔ راقم در رکاب بود چوں نزدیک موضع سند کھیڑہ رسیدند از عقب دیہہ خواستند کہ در وے داخل آیند راہ نہ بود و خاربندی محکم داشت بگا فتند درماں شدند، اما بنوعے شگافے زدند کہ غیر را در وے بار رائے رفتن و طاقت در آمدن نہ بود۔ راقم ضعیف نتوانست گذشت واز راہ دیگر رسید۔ (روائح الانفاس صفحہ ۵۰)

آپ مریدوں کی تلقین اور درس میں بالعموم تمثیلات سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ عمل اور ارادہ کا فرق ظاہر فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ شیخ

خوب محمد چشتی گجراتی رح کا ایک مریدان سے ہر روز پوچھا کرتا تھا کہ حضور میں ترکِ علائق کرنا چاہتا ہوں۔ آپ جواب دیتے کہ ابھی نہیں۔ ایک دن اس نے غلبۂ جوش سے اپنا سب کچھ راہِ خدا میں لٹا کر خانہ خرابی کے بعد حاضر خدمت ہوا آپنے بے اختیار انھیں گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ اے فرزند۔ ابھی تک تو تدبیر کے چکر میں تھا جب محبتِ الٰہی نے غلبہ کیا تو نے وہ بندھن خود توڑ ڈالے کیونکہ محبت میں تدبیر کا دخل نہیں ہوا کرتا تدبیر کا تعلق عقل سے ہوتا ہے مگر جب محبت کا جوش پیدا ہوتا ہے تو تدبیر و عقل پر غالب آجاتا ہے۔

علامہ اقبال نے اسی مضمون متعلق کہا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

اصل عبارت سے ناظرین بھی لطف اندوز ہولیں۔

مریدے از مریدانِ شیخ خوب محمد چشتی گجراتی ہر روز مشورت ترک دنیا از شیخ می جست، شیخ اورا منع لازیں میگفت روزے آن مرید بغلبۂ جنونِ محبت ترک دنیا کردہ وخانہ تاراج گشتہ بخدمت شیخ رسید شیخ اورا در کنار گرفت وگفت کہ اے پسر تا حال در تدبیر بودی چون محبت غالب گشت سررشتہ تدبیر گسستی کہ در عالم محبت تدبیر نہ بود تدبیر بعقل تعلق دارد و چوں جنونِ محبت غالب گشت تدبیر و عقل بسر آید۔

روائح الانفاس ص ۳۲۷

آپ کی ہدایت تھی کہ اپنے عجز و کوتاہی کو ہمیشہ سامنے رکھو اور اپنی عبادت اور مقدور پر نازاں نہ رہو کیونکہ جو اپنے عجز و کوتاہی کو پیشِ نظر رکھتا ہے خدا کی رحمتیں اُسکو قوت و قدرت عطا فرماتی ہیں اور جو اپنی قدرت پر نازاں ہوتا ہے اسکو اللہ تعالیٰ کا قہر و جلال بے دست و پا کر دیتا ہے۔ سلسلۂ بیان میں آپ نے یہ مرصع قطعہ ارشاد فرمایا جو بجنسہ درج کرتا ہوں۔

ترجمہ رواتح الانفاس صفحہ ۲۴۹

قطعہ

ایں طرفہ کہ در حریم قربش — آں پائے نہد کہ سر نہ دارد
ویں طرفہ کہ در ہوائے وصلش — آں مرغ پرد کہ پر نہ دارد

آپ کا عمل تو یہی رہا ہے کہ عبادت و نوافل میں ہمہ اوقات منہمک و مشغول رہتے تھے۔ لیکن کاروباری اور فرائض منصبی پر مامور لوگوں کو ان کے متعلقہ امور میں دلچسپی اور انہماک سے انجام دینے کی تاکید فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جن شخصیتوں کی ذات سے عام لوگوں کی رفاہ و کاروبار تعلق رکھتا ہے۔ اگر وہ لوگ ورد و نوافل میں میں مشغول ہوں گے تو ان کی یہ طاعات قبولیت کا درجہ نہ پاسکیں گی۔ بلکہ وہ حق سے قریب ہونے کے بجائے دور ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کی ایک مختصر فہرست بھی دی ہے جو بجنسہ درج ہے جس کا مفہوم نتیجتاً یہی ہے کہ خدمت خلق ورد و نوافل سے افضل ہے۔

آں کسے کہ حصول کاروبار مردم بدو تعلق دارد از بادشاہ

ووزیر ورئیس وقاضی ومفتی ومدرس ودیوان وبخشی وعہدہ دار لشکر
فقرا، ومساکین وغیر آں وادلیو دونوافل مشغول شود از حق
دور افتد و بدرجۂ قبول نرسد۔ مرواریح الانفاس صفحہ ۲۸۶

حضورِ قلب طالبانِ حق کے لئے نہایت ضروری شرط ہے اسکی تلقین کے متعلق فرماتے ہیں کہ اربابِ طریقت واصحابِ حقیقت کا قول ہے کہ اگر انسان کعبہ شریف میں داخل ہوکر بھی ربِ کعبہ میں مشغول نہیں ہے تو گویا وہ بتخانہ میں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بُت خانہ میں بیٹھ کر ربِ کعبہ کے تصور میں مستغرق ہو تو وہ گویا کعبہ میں ہے۔ چنانچہ اگر تو یمن میں ہے لیکن میرے تصور میں ہے تو گویا میرے روبرو ہے۔ لیکن اگر میرے سامنے ہوکر بھی مجھ سے بے تعلق ہے تو گویا یمن میں ہے۔

اس ملفوظ کی عبارت اور شعر یہ ہے۔

اربابِ طریقت واصحابِ حقیقت گفتہ اند کہ اگر در کعبہ بارب کعبہ مشغول نیست در حقیقت اندر کنیف است واگر در کنیف است و باربِ کعبہ مشغول است اندر کعبہ است۔

شعر

گر در یمنی تو با منی پیش منی
در پیش منی و بے منی در یمنی

روائح الانفاس صفحہ ۲۴۵

اطاعت نفس کو آپ بہت برا سمجھتے تھے اور اس سے بچنے کی تلقین اس تمثیل کے ساتھ کرتے تھے کہ اربابِ طریقت کی تاکید ہے کہ

کہ نفس کی اطاعت سے بچو نفس کی اطاعت ایسی ہے جیسی کُتّے کی اطاعت بلکہ کُتّے کی اطاعت کرنا نفس کی اطاعت کرنے سے بہتر ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اگر دو شخص ہم سفر ہوں تو لازم ہے کہ ایک امیر اور دوسرا مامور ہو۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ایک دوسرے کی اتباع کریگا تو دونوں کو خودرائی اور اتباع نفس کا موقعہ نہ ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض درویش قلندر کیش کُتا۔ بکری۔ یا اور کوئی جانور پال لیتے ہیں تاکہ انھیں نفس کی محکومی سے نجات ملے۔ (ترجمہ رواتح الانفاس صفہ ۲۴۶)

ایک مرتبہ بعد ادائے نماز جامع مسجد (برہان پور) سے باہر نکلے اور لعل باغ کی سیر کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچکر سہ گوشہ حوض تک تشریف لے گئے جو باغ مذکور کے آخری گوشے میں ہے وہاں ایک آزاد مشرب قلندر معصوم نام گوشہ نشین تھا۔ اس کے قریب سے ہو کر راوٹی میں تشریف لائے جو حوض پر بنی ہوئی ہے۔ آپ بیٹھے ہی تھے کہ قلندر مذکور کا کتا بھونکتا ہوا دوڑا اور حضرت کے قریب ہونے لگا تو آپ نے سید عبدالحی جامع ملفوظات ہذا کو حکم دیا کہ لکڑی سے اسکو بھگا دو۔ سید صاحب موصوف نے بہت کوشش کی لیکن وہ کتا بھگایا نہ جا سکا۔ حضرت نے فرمایا لکڑی پھینک دو کتا باز نہیں آئیگا۔ اور مسکرا کر فرمایا۔ اس درویش کا مشرب مالکی ہوگا کیونکہ اس مشرب کے لوگوں کے لئے کتا پالنے میں کراہت نہیں ہے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر روانہ ہو گئے۔ یہاں اصل عبارت پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

روزے بعد ادائے نماز بروں آمدند از مسجد جامع و متوجہ سیر لعل باغ شدند چوں بحوض سہ گوشہ کہ آخر باغ است تشریف قدوم میمنت لزوم بردند۔ آنجا درویشی آزاد کیشے معصوم نام منزوی بود نزدیک وے شدند و اندر راوٹی کہ براں حوض مذکور است جلوس فرمودند اتفاقاً سگے کہ ازاں آن آزاد و گدائے بے زاد بود شوخی نمود بجدے کہ قریب آنحضرت جل اسمہٗ برسید راقم ضعیف را اشارت فرمودند کہ چوب در دست گرفتہ این سگ را منع نمائی کہ نزدیک من نیاید، چوبے در دست گرفتم و آں را منع نمودم۔ لیکن چوں سگ بغایت شوخ بود از منع بعض نماند فرمودند کہ چوب را بگذار کہ ایں سگ بمنع نخواہد آمد و تبسم نمودہ فرمودند کہ طریقہ ایں درویش مالکی است و عند المالک درست است و چنداں اکراہ نیست از آنجا برخاستند و رواں شدند۔

روائح الانفاس صفحہ ۲۳۸

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا کہ شیطان کی مثال کتے کی مانند ہے کہ جب وہ آدمی کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو اس وقت تک دور نہیں ہوتا جب تک اس کا مالک اسے باز نہ رکھے اور تمثیلاً فرمایا کہ ایک روز مجھے پنج باؤلی جانے کا اتفاق ہوا جو دریائے (تاپتی) کے کنارے ہے۔ وہاں ایک کتا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں نے عصا سے روکنے کی ہر چند کوشش کی لیکن وہ دور نہ ہوا۔ شیخ حسین ہمراہ تھے۔ انھوں نے بھی کوشش کی مگر وہ کتا باز نہ آیا۔ اس اس کتے کے

مالک جوگی نے آواز دی تب وہ فوراً ہمیں چھوڑ کر اپنی جگہ جا بیٹھا۔ اس روایت کی اصل عبارت یہ ہے۔

مثل شیطان چوں سگے است کہ چوں در آدمی افتد دفع نہ شود مگر آن کہ خداوند سگ اورا باز دارد۔ چنانچہ روزے مراگذر بر پنج باؤلی افتاد کہ بر لبِ دریاست۔ سگے در من افتاد بعصا ردمیکردم دفع نمی شد شیخ حسین ہمراہ بود او نیز جہد بلیغ نمود سودمے نہ داشت آخر الامر خداوندش کہ جوگی بود سگ را آواز داد و طلب داشت فی الحال از من دور شد و بجائے خود سکوت گرفت۔

(روائح الانفاس صفحہ ۳۷۲)

فرماتے تھے کہ مومن کے حق میں اگرچہ بحکم حدیث ظن المومنین خیرا بدظنی کرنا مذموم ہے لیکن امام محمد غزالی قدس سرہٗ کا تو قول ہے کہ کافر کے حق میں گمانِ نیک ہی رکھنا چاہیئے ممکن ہے وہ ایمان لانے کی توفیق پاکر اسلام قبول کرے۔ اسی لئے کافر کی غیبت کرنا بھی برا ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ برا فعل ہے اور اس کا اطلاق مومن و کافر دونوں پر ہوتا ہے۔

بری سے بری چیز میں بھی کوئی اچھائی ہوتی ہے۔ تمام قسم کی گندگی کس قدر حقیر اور مکروہ چیز ہے۔ جب وہ کھاد کے طور پر استعمال کی جاتی ہے تو اس کے اثر سے میووں کی بالیدگی اور پختگی میں بڑی مدد ملتی ہے۔ کتا جو کہ جانوروں میں بھی بدترین جانور ہے۔ لیکن اس میں دس خصلتیں اولیاء اللہ کی ہوتی ہیں۔

اس سلسلۂ بیان میں کہ کسی کو چشمِ حقارت سے نہ دیکھو حسبِ ذیل

ہمطرح اشعار درج ہیں جو بجنسہ نقل کرتا ہوں۔

حضرت معروف کرخی قدس سرہٗ العزیز

مگس را بچشمِ حقارت مبیں　　　　کہ او ہم دریں بارگہ مہتر است

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز

رخارے بہ پرہیز کو خنجرے است　　　　زمورے حذر کن کہ او صفدرے است

حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہٗ العزیز

مرنجاں دلِ خستۂ پشہ را　　　　کہ از ہر دلے سوئے حضرت درے ست

حضرت بہلول دانا قدس سرہٗ العزیز

خرابات را نیز عزت بدار　　　　کہ او نیز در ملکِ حق کشورے ست

حضرت منصور حلاج قدس سرہٗ العزیز

بکفر و باسلام یکساں نگر　　　　کہ ہر یک ز دیوانِ او دفترے ست

حضرت جندی (مسیح الاولیا شیخ عیسےٰ جند اللہ) قدس سرہٗ العزیز

ز دہلیز تا صفۂ خانہ بیں　　　　کہ ہر خانہ را سوے حضرت درے ست

راقم ملفوظات سید عبدالحی حسینی رح نے بھی اپنا شعر لکھدیا ہے۔

حقارت مکن ذرۂ خستہ را　　　　کہ ہر ذرہ از نورِ او انورے ست

روائح الانفاس صفہ ۳۲۱

اسی طریقہ پر ملامتیہ فقرا کی نسبت بھی آپ کے خیالات ظن المؤمنین

خیرا کی تفسیر تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ لوگ جیسے بظاہر نظر آتے ہیں بہ باطن ویسے نہیں

ہوتے ۔ ایسا بھی ہوتا ہے ایک درویش علی الصبح بیدار ہوا اور اپنے حجرہ میں اول وقت نمازِ فجر ادا کی اور باہر نکل کر مسجد میں ایسے مقام پر آ بیٹھا کہ نمازی لوگ اس کو نماز میں شریک نہ دیکھ کر تارک الصلوٰۃ سمجھیں اور نفرت کریں ۔

اس سلسلہ میں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی ایک نقل بیان فرمائی کہ آپ ایک شہر میں ماہِ صوم میں وارد ہوئے ۔ آپکی عظمت وشہرت کے پیش نظر آپ کے گرد لوگوں کا ہجوم ہونے لگا ۔ یہاں تک کہ آپ تنگ آ گئے ۔ دفعتہً آپ نے دیوانوں کی سی حرکات شروع کر دیں ۔ بازار کا موقع تھا لپک کر نان بائی کی دوکان سے ایک روٹی اٹھالی اور ایک ڈوری میں پرو کر گردن میں لٹکالی اور دانتوں سے کتر کتر کر کھانے لگے ۔ جو لوگ حسنِ اعتقاد سے آپ کے گرد جمع ہو گئے تھے بد اعتقاد ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔

سلطان العارفین نے اپنے مرید سے جو ہمراہ تھا فرمایا ۔ دیکھا میں نے ایک شرعی مسئلے کی خلاف ورزی نہ کرتے ہوئے لوگوں کے ہجوم کو اپنے سے گریزاں کر دیا اور خود ان کی مزاحمت سے امین ہو گیا ۔

اس مسئلہ کی تاویل اصل عبارت میں ملاحظہ ہو ۔

سلطان العارفین با مریدے کہ با خود داشت گفت کہ بیک مسئلہ شرعی علے الملا از خود در ساختم واز مزاحمتِ خلائق امان یافتم ۔ کہ در رمضان مسافر را خوردن رواست ونان از دوکان غلام خود گرفتن نہ خطاست زیرا کہ غلام چوں مملوک بود نانش نیز مملوک باشد حاجت بہ رخصت چہ باشد واندر بازار مسافر را خوردن ممنوع

نہ باشد ونان بگلو او یختن نیز منع نیست و بدندان خوردن حرام نہ۔

روائح الانفاس صفحہ ۳۲

آپ کا قول تھا کہ مرشد کامل وہی ہے جس کی صحبت میں مرید کا دل دنیا کی طلب سے متنفر ہو جائے اور فانی لذتیں اور جلد ختم ہو جانے والی راحتیں اس کو تلخ معلوم ہوں۔ اور وہ ذکر حق سے مانوس ہو جائے اور حُبّ دنیا اور آخرت کے نقوش اُس کی لوح دل سے مٹ جائیں۔

ایک مرتبہ یہ نقل آپ نے بیان فرمائی کہ حضرت شیخ الاسلام شیخ غوث گوالیری رضی اللہ عنہ غار چنار میں ایک چشمہ پر وضو فرما رہے تھے یکایک ایک بڑا سانپ آنکلا اور شیخ کو ڈس لیا۔ آپ کو تو کوئی گزند نہ پہنچا۔ البتہ وہ سانپ اسی وقت مرگیا۔ اسی غار میں ایک جوگی بھی گوشہ نشین تھا۔ جب اس نے یہ کیفیت دیکھی دوڑا آیا اور قدمبوس ہو کر شیخ سے کہا کہ آپ "سدھ" ہو گئے ہیں یعنی کامل ہو گئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تم نے کیسے جانا۔ اس نے کہا ہم لوگوں کی ریاضت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس انسان کو ایسی حالت میسر آجائے وہ کامل ہوتا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شیخ محمد غوث رضی اللہ عنہ اندر غار چنار بر سر آبے وضو می ساختند۔ دران اثنا اژدہاے بزرگ در رسیدہ وران شیخ را بگزیدہ بمجرد گزیدن آن مار بمرد وجان داد۔ جوگی کہ دران غار بریاضت مشغول بود چون این کیفیت معائنہ کرد رواں دواں بہ پابوس حضرت شیخ مشرف شد

وگفت شما "سُدہ" شدید یعنی کامل گشتید۔ حضرت شیخ
فرمودند کہ چگونہ دانستی وبچہ نوع شناختی۔ گفت درکتب ریاضۃ
من مسطور است کہ اگر آدمی را چنیں حالت دست دہد کامل
باشد۔ روائح الانفاس صفحہ ۳۸۰

جاہل صوفیوں کے عقائد کے متعلق ملفوظات میں آپ سے حضرت
شیخ عبدالحق (غالباً شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کی ایک ملاقات اور باہم
سوال وجواب پر مبنی ایک روایت ملتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت
شیخ عبدالحق مجھ سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ تنگ مکان میں بیٹھنے کی گنجائش
نہ تھی اس لئے مکان کے قریب ہی شیخ شرفو کی مسجد تھی وہاں جا بیٹھے۔ جب
نماز کا وقت ہوا تو ہم نے آدائے نماز کا ارادہ کیا۔ شیخ عبدالحق نے فرمایا
پہلے میرے دو سوالوں کو جواب دیدیجئے۔ پھر نماز پڑھیں گے۔ میں نے کہا
دریافت کیجئے۔ انھوں نے کہا ۱ بعض جاہل صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ
تمام دریا مچھلی ہوگیا اور اس کے سوا اس میں کچھ باقی نہ رہا۔ دوم یہ کہ آپ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبت کس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ میں نے
کہا، پہلے میں نماز پڑھ لوں پھر جواب دونگا۔ چنانچہ میں نے نماز ادا کر کے پہلے
سوال کے جواب میں حضرت مولانا جامی رح کی رباعی کا ایک شعر پڑھا۔

ترجمہ یہ ہے :۔

(اے اللہ) جہاں تیری کبریائی کا کمال جلوہ افگن ہے (وہاں)
تمام دنیا تیرے بحرِ جود وکرم کا ایک قطرہ ہوتا ہے۔ دوسرے سوال کے

جواب میں میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین مراتب معین ہیں۔ ایک مرتبہ حدیث لِی مع اللہ وقت الخ دوسرا مرتبہ دعوت و رسالت کا ہے جس کے مطابق آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔ تیسرا مرتبہ بشریت کا جس پر آیۂ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ناطق ہے۔ آپ کا سوال ان میں سے کون سے مرتبے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ سن کر وہ کھڑے ہو گئے اور احترام کے ساتھ میرے ہاتھوں کو بوسہ دے کر فرمایا مجھے شبہ تھا جو دور ہو گیا۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

می فرمودند کہ شیخ عبدالحق روزے بزیارت من آمد۔ سبب آنکہ درخانہ جائے نشستن تنگ بود۔ در مسجد شیخ شرفو کہ قریب خانہ بود اجلاس نمودیم چوں وقت نماز شد قصد ادائے صلوٰۃ کردیم شیخ مذکور گفت کہ اول از شما دو چیزمی پرسم بعد جواب آن ادائے صلوٰۃ نمائیم۔ گفتم بگوئید۔ گفت اول آنست کہ اعتقاد بعضے از صوفیان جہال آنست کہ دریا تمامی ماہی شد و بقیہ از و ہیچ نماند۔ دوم آن کہ شمارا بر رسول صلی اللہ علیہ وسلم چہ نوع اعتقاد است۔ گفتم اول نماز خود ادا نمائیم بعدہ جواب دہیم۔ بعد فراغ صلوٰۃ در جواب سوال یکم بیتے از رباعی مولوی جامیؒ برخواندیم کہ گفت۔ بیت

آنجا کہ کمال کبریائی تو بود عالم نمے از بحر عطائے تو بود

و در جواب دوم گفتم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را سہ مرتبہ مقرر است یکے مرتبۂ لی مع اللہ وقت۔ الحدیث۔ دوم مرتبہ

مرتبۂ دعوت و رسالت کہ بداں خلق را بحق دعوت میکرد
سوم مرتبۂ بشریت کہ آیۂ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ بداں ناطق
است۔ شما از کدامی مرتبہ سوالے دارید؟ برخاست و بحرمت
تمام دست من بگرفت و بوسہ داد و گفت کہ مرا شبۂ بود برطرف
شد — رد اشح الانفاس صفحہ ۲۷۶

اہل فنا اور علماء کی صحبت کے فوائد سمجھاتے ہوئے اپنے مرشد حضرت مسیح الاولیاء
کے ایک مصرعہ کے مفہوم سے متعلق فرمایا کہ ایک پل اور ایک لمحہ اہلِ فنا کی صحبت میں
رہنا دنیا بھر کی ریاضتوں اور مجاہدات سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ ریاضت
و مجاہدہ کا مقصد دولت فنا کا حاصل کرنا ہے اور یہ چیز اہلِ فنا کی صحبت سے
دم بھر میں حاصل ہو جاتی ہے اور ان صاحبانِ کمال کی ادنیٰ توجہ کی برکت
سے یہ نعمت میسر آجاتی ہے یہاں آپنے ایک فارسی شعر اور ایک ہندی
دوہا پڑھا۔ یہ رنگین عبارت ملفوظات میں اسطرح مرقوم ہے۔

از حضرت عین العرفا مسیح الاولیاء قدس سرہ در معنی ایں مصرعہ کہ
دمے پیشِ دانا بہ از عالمے است میفرمودند کہ لمحہ و لحظہ
در خدمت صاحب فنا بودن بہ از عالم ریاضیات و مجاہدات است
یَوْمٍ عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ زیرا کہ بریاضت
حصول دولتِ فنا محتمل است و اگر در صحبت صاحبِ فنا توجہ دمے
بنشینند از برکت توجہ او بدرجۂ حالتِ فنا رسد۔ بلیت
پیرہ کبریت احمر آمدہ سینۂ او بحرِ اخضر آمدہ

پیر کامل طلب کہ مسِ تو زرِ خالص سازد واز قلب سیاہ دور اندازد۔ بیت

باشد کہ وا رہاند مارا ز من رمانے روشن ضمیر پیرے یا خوبرو جوانے

مراد از جوان خوبرو طالب صادق است کہ روئے دل مصفا از کدورت بشریت دارد و پیر روشن ضمیر مرشد کامل است

ایں جا ایں دوہرہ میخوانند۔ دوہا

اندھی اندھا ٹھیلیا دونوں کنوئیں پرنت
جس کے گُر سو دو بنا چیلا کیوں ترنت

شیخ نظام تھانیسری نقل می نمودند کہ مراد از کور اول پیر صاحب فنا است کہ از شہود غیر نابینا است واز کور ثانی طالب کہ از مشاہدۂ عین بے بصر است۔ وقتے کہ کورِ اول کہ مرشد است بکور ثانی کہ طالب است صدمہ توجہ زند دراں حالت ہر دو در چاہِ فنا افتند و در لجۂ توحید مستغرق آیند۔ آرے ہر کرا مرشد غرق بحرِ فنا و نیستی آید طالبش بہ حاصل فنا اکتفا نہ نماید ۔

(روائح الانفاس صفحہ ۳۳)

فنا وبقا کے مسئلہ میں ایک اور مقام پر حضرت مسیح الاولیاء کے حوالے سے یہ روایت مذکور ہوئی ہے کہ آپ (مسیح الاولیاء) فرماتے تھے بعضے مشائخ فنا کا عقیدہ رکھتے ہیں اور بعضے بقا کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ میں فنا کا وجود ہی نہیں ہے بجز بقا کے۔ اس کا سبب یہ ہے

کہ پہلے گروہ میں وہ لوگ ہیں جو مدتوں فنا کی حالت میں رہے بعد میں انھوں نے بقا کا مقام حاصل کیا۔ چنانچہ اُنھوں نے دیکھا ہے کہ بغیر فنا کے بقا کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جنھیں فنا کے درجہ میں تھوڑا ہی عرصہ رہنے کے بعد بقا کی منزل تک رسائی ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ درجۂ فنا کے قائل نہیں ہیں۔

میفرمودند کہ حضرت عین العرفا رضی اللہ عنہ میفرمودند کہ بعضے از مشائخ قائل بہ فنا اند ـــ و بعضے قائل بہ بقا و گویند کہ در سلسلۂ ما فنا نیست الّا بقا۔ و این سبب آں است کہ طائفۂ اول را مدتے در حالت فنا داشتند بعدہٗ بمقام بقا رسانیدند ایشاں دیدند کہ بے فنا بقا میسر نیست۔ و طائفۂ ثانی را اندکے در حالت فنا داشتند بعدہٗ بدرجۂ بقا رسانیدند۔ ایشان را در کیفیتِ فنا درنگ نہ شد فی الحال بمقام بقا رسیدند۔ بہر ہمیں قائلِ فنا نیستند۔ (روائح الانفاس ص۲۶۲)

ایک دن آپ کے ایک مرید نصیر خاں[1] نے دریافت کیا کہ عشق

---

[1] مولوی بشیر محمد خاں برہانپوری نے اپنے مقالہ مطبوعہ معارف ملا جلد ۶۷ صفحہ ۲۰۴ میں انھیں نصیر خاں کو نصیر خان فاروقی والی برہان پور تحریر فرما دیا ہے۔ یہ موصوف کا سہو نظر ہے نصیر خان فاروقی کا انتقال ۸۴۱ھ میں ہو چکا ہے ۱۰۸۳ھ میں اسکی موجودگی بعید از قیاس ہے۔

درحقیقت کیا شے ہے؟ اس اثنا میں عبدالسلام درویش آگئے اور سلام کر کے کر کے بیٹھ گئے (آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ میاں عبدالسلام نصیر خاں (جنھیں آپ ازراہِ محبت خانجی کہتے تھے) پوچھ رہے ہیں کہ عشق کی حقیقت کیا ہے تم آگئے ہو بتاؤ کہ فی زمانہ عشق کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ درویش نے بے ساختہ نعرہ مارا اور اُچھل کر زمین پر گر پڑا آپ نے نصیر خاں کو توجہ دلا کر فرمایا خان جی عشق کے معنے یہ ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ عشق ایسی حالت کا نام ہے جو الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ جب تک عشق کی حالت طاری نہ ہو بیان کر کے سمجھانا دشوار ہے۔

روزے مولٰینا نصیر خاں پرسید کہ معنیِ عشق چہ باشد۔ دریں اثنا عبدالسلام درویش آزاد کیش در رسید و سلام داد و بہ نشست فرمودند کہ میاں عبدالسلام خانجی از معنیِ عشق استبصار می نمودند شما رسیدید بگوئید در ہمیں زمان معنیِ عشق چہ باشد۔ شہقہ از دو در وجود آمد و برجست و بر زمین افتاد۔

فرمودند کہ خانجی معنیِ عشق این است کہ دیدید دایں اشارہ بود بآں کہ عشق حالتے است بیروں از مقالت تا حال عشق بود نہ نماید فہم مقال دشوار

با پیرِ مغان دوش زبس حیرانی	گفتم رمزے زمے بگو پنہانی
گفتا بود این حقیقتِ جدانی	اے جانِ پدر تا نہ چشی کے دانی

روائح الانفاس ص ۳۴۲

ریاضت کے فوائد کے متعلق فرماتے تھے کہ ریاضت و مجاہدہ نفس سے سالک کو معقولات کا کشف ہو جاتا ہے اور معقولات کے معانی محسوسات کی صورت اختیار کرلیتی ہیں اور ان سے اشیاء کی حقیقتیں معلوم ہو جاتی ہیں لیکن اس مقام پر سالک کے بھٹک جانے کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔

تمثیلاً حضرت غوث الاولیا محمد غوث رضی اللہ عنہ کے ایک مرید کا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ وہ چلّہ نشینی کے عالم میں جب اس منزل تک پہنچا کہ تمام نباتات زبانِ حال سے اسکو سنانے لگیں کہ میں فلاں بوٹی ہوں مجھ سے فلاں فلاں کام ہو سکتے ہیں اور مجھ سے فلاں مرض کو شفا ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک شب ایک شے نے بزبانِ حال اسکو کہا کہ میں کیمیا بنانے کا ذریعہ ہوں مجھ سے تانبا خالص سونا بن جاتا ہے۔

چلّہ نشین کو ہوس پیدا ہوئی اور اس کا دل اس چیز کی طرف راغب ہونے لگا، قریب تھا کہ بوالہوسی اسکی ریاضت کو خاک میں ملا دے اور تباہ کر دے کہ غیب سے حضرت غوث کا طمانچہ پڑا اور اس کے دل سے وہ ہوس دور کر دی۔ دوسری شب پھر ایک شے نے زبانِ حال سے کہا کہ میں بھی اسی کام آتی ہوں یعنی مجھ سے کیمیا بنائی جاتی ہے۔ مگر اب سالک اس کی طرف متوجہ نہ ہوا اور منزلِ مقصود کو پہنچا۔

(ترجمہ روائح الانفاس صفحہ ۲۹)

ایک مرتبہ بعض مریدوں نے سوال کیا کہ مسئلۂ توحید (طریقت) کو مسئلہ شریعت سے کس طرح مربوط و مطابق کیا جا سکتا ہے اس معاملہ میں

مخالف سوالات اور وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ فرمایا ابتدائے حال میں
میرے دل میں بھی اس قسم کے وسوسے پیدا ہوتے رہے ہیں۔ لیکن حضرت
مسیح الاولیاء قدس سرہ نے چند تمثیلات ارشاد فرماکر ان تمام شبہات کو
دور فرمادیا۔ اس وقت عصر کا وقت تنگ ہورہا ہے تمام کو دہرانا مشکل
ہے منجملہ ان کے ایک مثال یہ ہے کہ اگر کسی کو مرغی کا انڈا مل جائے اور وہ
اسکو پکاکر کھالے تو درست ہے (ناجائز یا حرام نہیں) لیکن اگر وہی انڈا
محفوظ رکھا جائے اور اس سے مرغ پیدا ہو تو اس میں سر۔ پاؤں۔ منقار
پر وغیرہ چیزیں موجود ہوں گی۔ لازم ہے کہ اسکو ذبح کرے اور حفظ مراتب
کے لحاظ سے ناجائز چیزیں۔ خون۔ پر۔ پاؤں۔ منقار اور اس کے شکم سے
جو گندگی نکلتی ہے اسکو پھینک دے اور بقیہ کو تناول کرے۔ اور ایسا ہی
کیا بھی جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود مطلق معینہ و مقیدہ مراتب
ومدارج میں ظہور فرماتا ہے اور اسی روش پر کلیت و اطلاق کی بلندیوں سے
جزئیت و تقید کی پستیوں کی جانب نزول فرماتا ہے اور اس وجود کا ہر ایک
درجہ حفظ مراتب کے لحاظ سے دوسرے حکم میں آتا ہے اور دوسرے لوازم
چاہتا ہے۔ اسی طرح گیہوں کے دانے پیس کر پکائے اور کھالئے جاتے ہیں
لیکن اگر انھیں دانوں کو کھیت میں بکھیر دیتے ہیں تو ان سے سبزی پیدا
ہوتی اور شجری مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر جڑیں۔ تنہ۔ پتے اور خوشے پیدا
ہوتے ہیں۔ لیکن دیگر تمام چیزوں کو نظرانداز کرکے صرف گندم حاصل کرنے
پر توجہ کی جاتی ہے

لہٰذا ظاہر ہے کہ کلّیت اور اطلاق کی حالت میں مخصوص احکام ہوتے ہیں اور جزئیت و تقیید کے مراتب کا ظہور ہونے پر اس کی تفصیلات کے مطابق ہر درجہ کے لئے ایک دوسرے سے مختلف احکام ہوتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا اطلاق دوسرے پر نہیں ہو سکتا۔ یعنی جو چیز بوئی جانی چاہیئے وہ پھینکنے یا جانوروں کے کھلانے کا دستور نہیں ہے۔ گندم پیس کر اور پکا کر کھائے جاتے ہیں، لیکن اس کے درخت کی پتیوں، سرکنڈوں کو انسان کھانے کے کام میں نہیں لاتا۔ پتیاں بوئی نہیں جاتیں۔ وغیرہ۔

(ترجمہ رواتح الانفاس صفحہ ۳۰۹)

سماع سے متعلق ملفوظات میں متعدد نقلیں مذکور ہیں صاحب حالت صوفیا کی نگاہ میں تو سماع عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت مسیح الاولیاءؒ نے ایک مرتبہ ملا محب علی سندھی کو السماع کالصلوٰۃ کہکر مجلس سماع میں گفتگو سے روکا تھا۔ آپ بھی سماع سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اور آداب سماع کے ساتھ اس سے روحانی استفادہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ صاحب حال کے لئے قوالی کی ضرورت نہیں ہے۔ تمام اچھی اور بُری آوازیں اس کے لئے سماع و سرود کا درجہ رکھتی ہیں۔

بقول حضرت سعدی علیہ الرحمۃ

نہ بم داند آشفتہ کار و نہ زیر　　　به آواز مرغے بنالد فقیر

مگس پیش شوریدہ پر نزد　　　نہ او چوں مگس دست بر سر نزد

حضرت گنج شکر قدس سرہٗ فرماتے ہیں

ع صوفی نہ کند بہ بانگ نے رقص ـــ صـ۱

اور فرمایا کہ ایک روز ایک جوان ان الفاظ پر "دو گوری گوری کا ت"

رقص کرنے لگا۔ حضرت مسیح الاولیا نے فرمایا کہ اس کے رقص سے ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ یہ عشقِ مجازی میں مبتلا ہے

سماع محرکِ قلوب ہوتا ہے۔ خصوصاً اہلِ طبیعت اور اہلِ حقیقت کے

کے لئے اور ان میں سے ہر ایک جس منزل میں بھی ہو ترقی کی طرف رجوع کرتا ہے

فرماتے تھے سماع سننے والوں کی دو قسمیں ہیں ایک بشرط علم و صحو سنتے

ہیں اور بعضے بشرطِ حال سنتے ہیں۔ اول الذکر اسماء و صفات باری تعالیٰ کے

عارف ہوتے ہیں، اگر یہ کیفیت نہ ہو تو کفرِ محض ہے اور ثانی الذکر کے لئے شرط

ہے کہ وہ حالتِ بشریت کی فنا اور لذتوں کے آثار کی نفی احکام حقیقت کے

ظہور سے کر سکتے ہوں۔ چنانچہ ایک دن حضرت ابو سعید ابو الخیر قدس سرہ اس شعر پر

وجد میں آگئے ۔

چشم گر این است و ابرو ایں و ناز و غمزہ این

الوداع اے زہد و تقوے الفراق اے کفر و دین

بعد فراغ حال مریدوں کو ظاہر فرمایا کہ عزیزو میرے تواجد کا باعث

ظاہری معنے نہ تھے بلکہ اس شعر میں ذات و صفات کی جلوہ آرائیاں میری

بیخودی کا باعث ہوئیں۔ چشم کا مرادف عین ہے اور عین سے مراد ذات باری

اور ناز و غمزہ ۔ ابرو سے مراد صفات ۔ استغنا ۔ بے نیازی ۔ قہر و غلبہ ۔ چونکہ

معرفت میں اگر صحیح اسماء پر توجہ نہیں ہے تو کفر میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے

صـ۱۰۴

اسی طرح ایک درویش نے کسی کو یہ گاتے سنا: میری بنگڑی ٹوٹی ہے۔ رقص کرنے لگا اور جب اس سے پوچھا گیا کہ ان مجازی الفاظ کو تو نے کس چیز پر محمول کیا۔ اس نے کہا بنگڑی جو کہ ہاتھ کا کنگن ہے ہاتھ کی قید کا موجب ہے جب وہ ٹوٹ جاتی ہے ہاتھ قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ پس میں نے اسکو اپنی قیدِ ہستی سے آزادی پر محمول کیا اور میں نے اس عالم میں خود کو قیدِ ہستی سے آزاد پایا۔

ایک روز حضرت امیر خسرو دہلوی بازار سے گذر رہے تھے ایک صراف اپنی دکان میں روپیہ گن رہا تھا جب اس نے پندرہ سولہ سترہ کہا حضرت خسرو سر بازار وجد میں آ گئے۔

ایک روز شیخ چاند جو حضرت مسیح الاولیا کے مرید تھے اور مجذوب ہو گئے تھے ابتدائے سلوک کی حالت میں حضرت کی خانقاہ کے متصل بلند چبوترے پر سے عالم وجد میں نیچے گر گئے۔ ان کے نعرے سن کر مسیح الاولیا باہر تشریف لائے اور کدال لے کر اپنے دستِ مبارک سے کھود کر چبوترے کی بلندی کسی قدر کم کر دی۔ صفحہ ۱۰۶

فرمایا کہ مجلس سماع کا جو طریقہ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا سے منسوب ہے، (اسی طرح حضرت مسیح الاولیارح کی خانقاہ میں منعقد ہوتی تھی) مجھ پر وجد کی حالت طاری ہوئی، جو کچھ میرے پاس از قسمِ لباس موجود تھا میں نے قوالوں کو دے ڈالا جو سندھی تھے۔ آنحضرت نے (بیخودی دور ہونے کے بعد) اپنا خرقہ مبارک مجھے عطا فرمایا جو خرقۂ خلافت کی بشارت تھی۔ جامع ملفوظات نے لکھا ہے

کہ میں بھی اِس متبرک خرقہ کی زیارت سے مشرّف ہوا ہوں۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

میفرمودند کہ در مجلس سماع کہ منسوب بہ طریقہ خواجہ بہاء الدین زکریا است مرا وجدے وحالتے سرزد آنچہ باخود از قسم رخت پوشش داشتم ہمہ بہ رقاصانِ مجلسِ سماع کہ از متوطنانِ بلدۂ معمورۂ سندھ بودند دادم۔ آنحضرت بخرقۂ مبارک خود مشرف کردند وبشارت اشارت خلافت دادند۔ راقم ضعیف نیز بشرف زیارت آن خرقہ متبرکہ رسیدہ۔ روائح الانفاس صفحہ ۱۰۷

آپ کا ایک اور واقعہ اِسطرح مذکور ہے کہ آپ نمازِ جمعہ کے لئے میاں شیخ فرید قدس سرہٗ کی مسجد میں تشریف لے گئے اور آب وضو حاصل کرنے کے لیئے مسجد کے کنوئیں کا چرخ گردش میں لائے چرخ کی آواز سن کر آپ نے نعرہ مارا اور بعد فراغت وضو جب مسجد میں تشریف لائے کسی نے اللہ کا نام لیا سنتے ہی آپ نے پھر نعرہ مارا۔ یہاں قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ عربی عبارت اللہ کا نام اور چرخ کی آواز کی موزونیت یکساں معلوم ہوئی۔ چنانچہ جو شخص بحکم كنت معه الذی یسمع لی ہوش کے کان کھلے رکھتا ہے۔ اس کو کلامِ حق کے سوا اور کچھ سنائی دیتا ہی نہیں خواہ کسی زبان میں ہو حتیٰ کہ اشیاء بھی اسکی نظر میں گویائی سے بہرہ ور اور حق گو معلوم ہوتی ہیں۔ صفحہ ۱۰۸

فرمایا ایک روز سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ بزم سماع میں تشریف

تھے ان کے ایک مرید کو وجد آیا وہ نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت نے اس کا دامن کھینچا اور بٹھا دیا اُس نے پھر نعرہ مارا اور کھڑا ہو گیا آپ نے پھر اسکو بٹھا دیا۔ تیسری بار وہ اس جوش سے اٹھا کہ اُس کا دامن حضرت کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ حضرت اُٹھ کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد لوگوں نے حضرت سے اسکا دامن پکڑ کر بٹھلانے اور پھر خود اٹھکر عین سماع میں مشغول بنماز ہونے کا سبب پوچھا فرمایا جب اُس نے پہلی بار نعرہ مارا آسمان اول تک پہنچ گیا۔ میں نے دامن کھینچ کر زمین پر اتارا۔ دوسرا نعرہ مار کر وہ تا بعرش جا پہنچا۔ میں پھر دامن پکڑ کر واپس لایا۔ تیسری مرتبہ وہ نعرہ مار کر وہ وہاں سے بھی زیادہ بلندی پر فائز ہو گیا۔ پھر میں نماز میں مشغول ہو گیا کہ اب اسکے نزول کے لئے اور کوئی صورت بجز اس توجہ کے نہ رہی تھی۔ غور کریں کہ اس فقرہ میں کیا اچھی رمز مضمر ہے۔

انھیں عاشق باراز سید محمد گیسودراز کے متعلق فرماتے ہیں کہ بعض اوقات آپ غلبۂ وجد میں مسجد کے حوض میں جا پڑتے تو حوض کا پانی اس قدر گرم ہو جاتا تھا کہ اِس آبِ گرم سے وضو کرنا ممکن نہ ہو سکتا تھا اور بعض وقت حالتِ وجد میں آپ سبزہ پر غلطاں ہوتے تو وہ سبزہ افسردہ و پژمردہ ہو جاتا بلکہ جل جاتا تھا۔

یہاں چند سطور اصل عبارت کی درج ہیں۔

روزے حضرت ملک صاحب ؟ در دیوان خانۂ خود نشستہ بود قوالے در رسید و برخواند کہ

اس چولی لاگے آگا جس شہ کا ہاتھ نہ لاگا

فرمود مرکہ بھائی بس کن۔ ہنوز دست و پا و اعضا و اعضائے دیگر از کثرت برزمین غلطیدن کہ مجروح شدہ صحت نیافتہ روز دیگر چوکی آمد۔ چیزے بدستش دادند و مرخص نمودند۔

روائح الانفاس صفحہ ۱۱۰

فرمایا صوفی شیخ فتح اللہ کو بزم سماع میں جب وجد آتا توان کی ایک آنکھ کی پتلی گردش کرتی تھی اور وہ اس عالم میں جس کی طرف دیکھ لیتے مرعوب ہو جاتا اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی۔

فرماتے تھے کہ میاں سعید خاں[۱] جو عمائدین شہر میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے

---

[۱] حضرت سعید خاں چشتی قدس سرہ کا مزار ایک شاندار مقبرہ میں بمقام برہانپور بیرون اتوارہ دروازہ (دہلی دروازہ) چوڑی بازار کی مسجد کے صحن سے ملحق واقع ہے اور تا حال ان کے اخلاف سعید کے باقیات صالحات میں عزیزم پیر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے برادرِ عزیز صندل، عرس وغیرہ کے مراسم انجام دیتے ہیں۔ آپ عالم، صوفی و شیخ وقت تھے اور حضرت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کے بہت عہدہ پر میں منسلک تھے۔ دیوان تن کا ذمہ دارانہ عہدہ آپ سے متعلق تھا۔ حضرت مولانا ظفر علی خاں کی تحقیق کے مطابق آپ پہلے شہزادہ مراد بخش کے درباری شعراء میں شامل تھے چنانچہ مولانا موصوف نے آپ کی بدیہہ گوئی کا ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ عید کے روز شہزادہ نے پوچھا عید کی تہنیت میں کچھ لکھا؟ - انھوں نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ پھر بھی کہا حضور ایک غزل کہی ہے دوگانہ ادا کر کے عرض کرونگا۔ اس نے کہا ابھی سنا دو۔ غزل تو موجود ہی نہ تھی سعید خاں نے جیب سے ایک کاغذ نکالا اور منہ کے سامنے رکھ کر یہ اشعار جو بجلی کی سرعت سے اُنکی طبع رواں موزوں کرتی جاتی تھی پڑھنے شروع کیے۔

روزِ عید است لبِ خشک مے آلود کنید ✤ چارۂ کار خود اے تشنہ لباں زود کنید

(باقی صفحہ ۳۲۸ پر)

جب عالم وجد میں جھومتے تھے تو مسجد کے ستون اور شہتیر متاثر ہو کر جنبش کرنے لگتے تھے۔
انھیں سعید خان کے بھائی شیخ عبدالغنی نے ایک مرتبہ وجد کے عالم میں درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ تھام لی تھی، اُس کے اثر سے وہ شاخ خشک ہو گئی۔ موصوف سرونج میں سکونت رکھتے تھے اور بہت معقول آدمی تھے۔

فرماتے تھے کہ مجلس سماع کے بھی آداب ہیں ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ یہ کہ مجلس میں پانی نہ طلب کریں۔ باہم گفتگو نہ کریں۔ ادھر اُدھر نہ دیکھیں ناموزوں حرکات نہ کریں کوئی شخص وجد میں کھڑا ہو جائے تو لازم ہے کہ تمام اہلِ مجلس بھی کھڑے ہو جائیں۔

فرماتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک صوفی پر وجد کا غلبہ ہوا اور وہ رقص کرنے لگا اور رقص کرتے ہوئے کسی کو تھام لیا تو خواہ دوسرے شخص پر وجد کی واردات طاری بھی نہ ہوں وہ اوّل الذکر کے اثر سے وجد میں آجاتا ہے۔ چنانچہ شہر کے ایک صوفی شیخ فتح محمد رقص میں تھے۔ آپ ایک گوشہ میں کھڑے تھے کہ شیخ مذکور رقص کرتے ہوئے آپ کے بالمقابل آئے اور آپ کے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچے۔ آپ پر بھی وجد طاری ہو گیا اور جھومتے ہوئے رقص میں آگئے۔

(بقیہ صفحہ ٣٢٧) شربت حب نبات لب جاں بخش ایاز | نوش دارو دل خستۂ محمود کنید
دیر گاہ است کہ از دیر مغاں دور ترم | زود باشد کہ کف جام مے اندود کنید
حرف بیہودہ واعظ نہ توان کرد بگوش | گوش بر زمزمۂ چنگ و نے و عود کنید
ہست بیہودہ شما بندگی شاہ مراد | بہتر آن است کہ اندیشۂ بہبود کنید
بیدش یافت روان از طالع مسعود سعید | سعی دریافتن سایۂ مسعود کنید

سعید خان غزل ختم کر چکا تو شاہزادے نے کاغذ اسکے ہاتھ سے لے لیا اور جب اسکو پڑھا تو حاضرین دربار سے مخاطب ہو کر کہا بدیہہ گوئی اسکو کہتے ہیں۔ یہ غزل اور سید داد ادبِ لطیف خاص نمبر ١٩٤٢ء میں صفحہ ٥١ پر درج ہے۔ مولانا نے اس مضمون میں ان کی بدیہہ گوئی کے دو واقعے اور بھی لکھے ہیں جنہیں ہم نے بخوفِ اختصار ان کے اسی تبرک سے اس نوٹ کو زینت دی۔

فرمایا اس قسم کی اکثر مثالیں اور روایات صوفیائے کرام کی کتابوں میں بھی مذکور و موجود ہیں۔

آپکی ذات جامع الکمالات سرتاپا کرامات تھی، لیکن طبعاً آپ کشف وکرامات کو قابلِ فخر چیز نہیں گردانتے تھے۔ حالانکہ آپ سے بلا قصد و ارادہ بے شمار خرق و عادات کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ فرماتے تھے کہ خرق و عادات وکرامات اہلِ حق کی نگاہ میں کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ اصل کشف تو یہ ہے کہ انسان بشریت سے خود کو بیگانہ کرلے اور کفر و ایمان کی بحثوں میں نہ اُلجھے ؎

کفر کافرا و دیں دیندار را ذرّہ دردے دل عطار را ص ۲۹۰

فرماتے تھے کہ یہ اصول طالبِ حق کے فرائض میں داخل ہے کہ معاصی اور طاعات سے باخبر ہونے کے بعد علمِ اخلاق حاصل کرے اور افعالِ ذمیمہ کو اخلاقِ حمیدہ سے مبدل کرے تاکہ روحانی و ایمانی مہلکات سے نجات پائے۔

بزرگانِ سلف کی ہدایات اور معمولات سے استفادہ حاصل کرنے کی مریدوں کو بھی تاکید فرماتے اور خود بھی عمل پیرا رہتے تھے۔ خصوصاً اپنے مرشد حضرت مسیح الاولیاء کی تقلید و اتباع کو بمنزلت ایمانی سمجھتے تھے۔ حضرت مسیح الاولیا قدس سرہ کے دم علیلے (پانی پردم کرنے) کی فیض رسانی شہرۂ آفاق تھی ہر مرض اور ہر تکلیف کو دور کرنے کے لئے آپ پانی پردم کردیا کرتے اور حاجتمندوں کو ہمیشہ حسبِ دلخواہ فائدہ ہوتا۔ ایک روز آپنے شیخ عبدالستار سے دریافت کیا۔ حضرت کون سے اسم پڑھ کر پانی پردم

کرتے میں اُنھوں نے جواب دیا کہ صرف اپنے مرشد شاہ لشکر محمد عارف کا نام!
مسیح الاولیا پر یہ امر منکشف ہوگیا۔ اسی وقت کوئی شخص پانی دم کرانے
کو لایا حضرت نے بلند آواز سے اپنے مرشد کا نام لیا اور دم کر کے دے دیا۔
اُس روز سے آپ نے بھی معمول کر لیا کہ جو تکلیف زدہ پانی دم کرنے کو
آپ کے پاس لاتا آپ مسیح الاولیا کا نام دم کر کے دیدیا کرتے اور اُس سے
ہمیشہ ہر شخص کو فائدہ ہی پہنچتا۔

آپ اوراد و وظائف بھی پڑھتے تھے۔ کسی چیز کی مداومت و خصوصیت
کے پابند نہیں رہتے تھے۔ وقتاً فوقتاً اہل اللہ کے معمولات کو عمل میں لاتے
تھے۔ چنانچہ مولوی بشیر محمد خان صاحب نے ملفوظات محمد یوسف وغیرہ
کے حوالے سے آپ کے جن معمولات کی صراحت تحریر فرمائی ہے جامع
روائح الانفاس کی وضاحت اس سے قطعاً مختلف ہے اور اُنھوں نے یہ بیان
ان الفاظ میں شروع کیا ہے۔

آنچہ بر معمول آنحضرت قدس اسرارہم وافاض علی العالمین انوارہم
اطلاع داشتہ درین مختصر بطریق فائدہ در قید تحریر می آرد
وہو ولی التوفیق الی سواء الطریق ۔

روائح الانفاس صفحہ ۳۸۸

آپ غسل کے موقعہ پر وضو کرتے ہوئے ہر عضو پر یا صمد یا قادر
پڑھ کر پانی ڈالتے تھے اور حضرت مسیح الاولیا رح کا بھی یہی طریقہ تھا۔ اور
وضو سے فارغ ہو کر سورۂ اِنّا انزلنا پڑھتے تھے۔ فجر کی سنت نماز میں پہلی

رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُل یاایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں
بعد سورۂ فاتحہ قل ہواللہ پڑھتے تھے۔ سنت نماز ختم ہونے پر سبحان اللہ
وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم وبحمدہ۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب
وّاتوب الیہ۔

فرماتے تھے کہ فجر کی نماز کے بعد ۳ مرتبہ اَستغفِرُ اللہِ الّذِیْ
لَآاِلٰہ اِلَّاھُوَالحی القیّوم واتوب الیہ۔ اللّٰھم انت
السّلام ومنک السّلام والیک یرجع السّلام حیّنا ربنا
بالسّلام وادخلنا دارالسلام تبارکت ربّنا وتعالیت
یاذالجلال والاکرام۔ اللّٰھم لا مانع لما اعطیت و
لامعطی لما منعت ولاراد لما قضیت ولاینفع ذالجد
منک الجد پڑھے اور جب حینا ربنا پر پہنچے دل میں یہ تصور کرے
کہ اب تک میں جاندار ہونے کی حیثیت سے زندہ تھا۔ اب حق کے ساتھ
زندہ ہوا کیونکہ محب کی زندگی محبوب سے متعلق ہوتی ہے جو خود کو مُردہ کر کے
اس کے تعلق سے زندہ ہو پھر نہیں مرتا۔

تسبیح فاطمہ بھی آپ کی معمولہ عبادت میں داخل تھی یہ تسبیح حضرت خاتون جنت
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی تھی
ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سُبحان اللہ الملک القدوس ۳۳ بار، والحمدللہ
۳۳ مرتبہ وَلَا الٰہ اِلَّا اللہ ، اور ایک مرتبہ وَاللہ اکبر، اور تسبیح فاطمہ میں
سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمدللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار مشہور ہیں حضرت اس پر پابندی سے

عمل فرماتے تھے اور بعض اوقات اتنی اونچی آواز سے پڑھتے تھے کہ قریب بیٹھنے والا سُن سکتا تھا جامع ملفوظات نے لکھا ہے کہ میں نے چند مرتبہ سنا اور شمار بھی کیا ہے۔

فرماتے تھے کہ یا حَیّ و یا قَیُّوم کی تسبیح کے لئے وقت کا تعین ضروری نہیں اور یہ شرط بھی نہیں ہے کہ کسی سے گفتگو نہ کی جائے۔ برخلاف اسکے آیہ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہ الخ کے وِرد میں بات کرنا سخت منع ہے اور یہ اس لئے ہو کہ جمالِ حق کی عظمت سجدہ کی حالت میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ لہٰذا جلوۂ ذاتِ بے نیاز کے طالب کو لازم ہے کہ رکوع و سجود کے متواضع و عاجزانہ عالم میں حضوری کا انتظام کرے۔

فرماتے تھے کہ وظیفہ پڑھتے وقت اسطرح نہ بیٹھے کہ غرور و نخوت کا انداز پایا جائے کہ اس سے دعائیں قبولیت سے محروم رہتی ہیں۔ نہایت انکسار و فروتنی کے طور سے بیٹھے کہ عجز و انکسار دعاؤں کی اجابت کا باعث ہوتا ہے۔

طالب حق کو لازم ہے کہ شغل اور وِرد سے کبھی غافل نہ ہو۔ حضرت شیخ وجیہہ الدین علوی قدس سرّہ سے کسی مرید نے پوچھا کہ طالب کے لئے توجہ اور دل کی مشغولیت کافی ہے پھر ورد کی کیا ضرورت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ شغل و توجہ میں جو خامی رہجاتی ہے ورد اسکی مدد کرتا ہے۔ اور شغل و توجہ سے جو ثمرات حاصل ہوتے ہیں ان کی حفاظت کرتا ہے۔

آپ کے علمی فضائل و کمالات کے سلسلہ میں ابتداءً عرض کیا جا چکا ہے

کہ آپ ماہرِ عروض شاعر بھی تھے اور آپکا تخلص برہان تھا۔ یہ ثبوت ایک شعر سے بہم پہنچتا ہے جو روائح الانفاس میں درج ہے اور اس میں تخلص برہان ہی واقع ہوا ہے۔ اور جامع ملفوظات نے بایں الفاظ رقم فرمایا ہے حضرت پیرِ دستگیر راست۔ افاض اللہ علینا وعلی العالمین اسرار ہم وبرکاتہم۔

برہان دلیل حق نہ شود جز شفیع دوست
دیدم کہ پیر ظاہر حق حق بطون اوست

روائح الانفاس ص ۱۴۱

اس ایک شعر کے سوا اور کوئی شعر یا نظم کلام ایسا ہمدست نہ ہوا جو بلا اشتباہ آپ سے منسوب کیا جائے ـــــ البتہ جناب مولوی بشیر محمد خان صاحب نے آپ کی ایک مثنوی کا اختصار اپنے مقالہ میں درج فرمایا ہے۔ یہ مثنوی آپ کو میرے ایک علم دوست عزیز دوست جناب فریدالدین صاحب کی وساطت سے ہمدست ہوئی ہے جسمیں آپ کی وضاحت کے مطابق ۱۵۲ اشعار ہیں اور تخلص کسی جگہ بھی نہیں ہے البتہ ایک شعر میں حضرت عیسیٰ جنداللہ کی جانب جن کے آپ خلیفہ تھے اشارہ ہے۔

عیسوی را عشق او بیخود نمود
عشق را یے سوبداں آہلِ جود

مجھے جناب مولوی بشیر محمد خاں صاحب کے مقالے کا یہ مقام پڑھ کر بڑی

حیرت ہوئی اس لئے کہ اس شعر میں لفظ عیسوی اشارہ نہیں بلکہ حضرت مسیح الاولیا کے چھوٹے فرزند حضرت بابا فتح محمد محدث کا تخلص ہے۔ محدث صاحب نے اپنے والد کے اسم گرامی شیخ عیسیٰ کی نسبت سے عیسوی تخلص اختیار کیا تھا جو اُن کی شہرۂ آفاق تصنیف مفتاح الصلوٰۃ میں بھی پایا جاتا ہے۔
چنانچہ سایۂ اصلی کی تحقیق کے سلسلے میں آپ نے جو نظم درج کتاب کی ہے اسکا مقطع یہ ہے:

بازاز حمل دو نیم ہست گر عاقلی عاقل شود
بہر خدا گفتم تو اے عیسوی این نظم را

مفتاحُ الصلوٰۃ بڑی مقبول کتاب ہے مختلف مطابع سے کئی مرتبہ شائع بھی ہو چکی ہے اور برہان پور میں اکثر جگہ اسکی قلمی نقلیں پائی جاتی ہیں۔ دو نسخے قلمی تو میرے پاس موجود ہیں دونوں میں سایۂ اصلی کی تحقیق سے متعلق بابا فتح محمد کی نظم اور مقطع اسی طرح تحریر ہے۔ ممکن ہے مولوی بشیر محمد خاں صاحب نے توجہ نہ فرمائی ہو اور مندرجہ رسالہ معارف مثنوی کو باوجود عیسوی تخلص موجود ہونے کے قیاساً حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہ سے منسوب فرما دیا۔

امید کہ اس واضح ثبوت کو ملاحظہ فرما کر موصوف اپنی قیاسی رائے میں تبدیلی پر توجہ فرمائیں گے جبکہ اُنھیں خود بھی تذبذب سا ہے۔
چونکہ اس مثنوی کے انکشاف و فی زمانہ منصہ شہود پر لانے کا سہرا عزیزم جناب شیخ فریدالدین ایم اے اور محترم جناب بشیر محمد خان صاحب

ایڈوکیٹ کے سر ہے۔ اوّل الذکر نے احمد آباد سے نقل حاصل کی اور ثانی الذکر نے اپنے مقالے میں مربوط کر کے رسالۂ معارف میں شائع کروائی۔ لہٰذا میں بصد نیاز و ادب دونوں حضرات کا کھلے الفاظ میں وضاحت سے شکریہ ادا کرتے ہوئے مثنوی مذکور کو حضرت بابا فتح محمد محدث کی تصنیفات کے سلسلہ میں منسلک اور ان کے تذکرے میں شریک کر لیا ہے اور یہاں بھی ہر دو حضرات کی خدمت میں بصمیم قلب ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے فخر و شرف

حضرت شیخ کی تصنیفات کے سلسلہ میں مولوی صاحب موصوف نے صرف شرح[۱] منت باللہ اور وصیت نامے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن تاریخ برہان پور میں شرح اسمائے حسنیٰ کا نام بھی آپ کی تصنیفات میں مذکور ہے۔ ان کے علاوہ میرے پاس آپ کا ایک رسالہ قلمی فارسی اور ایک مضمون قلمی عربی موجود ہے جن میں سے کسی ایک کا ذکر بھی میں نے کہیں نہیں سنا۔ رسالہ پیم کہانی اور ایک مکتوب عربی ہر ایک کے متعلق مختصراً عرض ہے۔

۱۔ پیم کہانی۔ یہ عجیب و غریب کتاب ہندی اور فارسی شہد و شکر کا شیریں ترمرکب ہے۔ عشق الٰہی کی والہانہ سرمستیوں کا ذکر عارفانہ انداز میں بڑی مرغوب اور دلنشین چیز ہے۔ ہندی زبان کے عاشقانہ دوہوں کی فارسی زبان میں شرح کی گئی ہے۔ چالیس سے کچھ زیادہ دوہے ہیں جن کی شرح سلسلۂ بیان کے ربط سے عشق حقیقی کی زندۂ جاوید داستان

بنگئی ہے۔ کتاب اسطرح شروع ہوتی ہے۔

یا فتاح و بہ نستعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیم کہانی کہت ہوں سنو سکھی تم آئے پیو کو ڈھونڈن ہوں گئی آئی آپ گنوائی

معنی ظاہر یہ ہیں کہ میں عشق کی کہانی کہتا ہوں دوستو! آؤ اور سنو میں دوست کی جستجو کے لئے گیا تھا، خود کو بھی گم کر آیا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق بیچارہ دردِ محبت سے نالاں و گریاں ہو کر کہتا ہے کہ میں جب عشق کا قصہ دہراتا ہوں اور اس کا نام زبان پر لاتا ہوں اور اس سے جو لذت حاصل ہوتی ہے احباب کی واقفیت کے لئے بیان کرتا ہوں۔ یہ عجیب قصہ ہے جو عقل و خرد سے بالاتر ہے اور دنیا بھی اسکے متعلق ساکت ہے۔ صاحب نزہتہ الارواح شاکی ہیں کہ حضرت امام اعظم رض نے عشق پر کوئی درس نہیں دیا۔ اور حضرت امام شافعی رض کی بھی اس ضمن میں کوئی روایت نہیں ملتی۔ حضرت امام احمد حنبل رض عشق کے بارے میں کوئی خبر نہیں دیتے اور حضرت امام مالک رض بھی اس سے آگاہ نہیں ہیں، عشق کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ چاروں شرعی صحیفوں میں اس کے متعلق ایک آیت بھی نہیں ہے۔

جب کسی ازلی سعادتمند کو یہ درد اسیر و دستگیر کر لیتا ہے تو وہ راہِ طلب میں بے اختیار اور خویش و بیگانہ سے بیزار ہو کر کہہ اٹھتا ہے کہ

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

وہ اپنے مطلوب کی جستجو میں در بدر بھٹکتا اور تنگ آکر کہتا ہے۔

سالہا در طلب روی نکو در بدرم   روی بنما و خلاصم کن ازیں در بدری

نیز ہر کس و ناکس سے اپنے درد کی دوا طلب کرتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کا بھی ابتداء میں یہی عالم رہا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے کسی اعرابی سے پوچھا کہ میرے درد کی دوا کہاں ملیگی؟ اس نے جواب دیا جس راہ سے یہ درد تم تک پہنچا ہے اسی راہ سے دوا بھی میسر آسکے گی۔ یعنی یہ مرض تمہارے باطن سے رونما ہوا ہے علاج کے لئے بھی باطن کی طرف رجوع کرو بحکم نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد۔ تمہارا مطلوب تم سے دور نہیں ہے۔ تمام بزرگوں کا اس قول پر اتفاق ہے کہ اس کا پتہ آسمانوں پر پرواز کرنے اور زمین کی خاک چھاننے سے نہیں ملتا۔ بلکہ جو عارف ہو وہ اپنے وجود میں اس کو تلاش کرتا ہے اور وہیں پاتا بھی ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ پر نصیحت ختم ہے۔ اگر تمہارا دل نور اسلام سے منور ہے تو تم پر روشن ہونا چاہیئے کہ مطلوب تمہارے وجود میں موجود ہے۔ دوسری جگہ کیوں ڈھونڈھتے ہو۔

یار با ماست کہ از ما جداست   مالک ما پردہ دار یار ماست

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں خود میں دیکھتے ہیں۔ اپنے سوا کسی کو نہیں پہچانتے ہیں۔ فرماتے ہیں تم اپنے نفس کا جائزہ کیوں نہیں لیتے؟ بحکم وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ ایک بزرگ کا اشارہ ہے ؎

چشم دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید

عین دریا گشت چوں بیدار شد چشم حباب ۔

اور اس مرتبہ کو صوفیوں کی اصطلاح میں فنا فی اللہ کہتے ہیں ۔

یہاں تک میں نے ۵ صفحات کی طولانی فارسی عبارت کا بالاختصار ترجمہ ومفہوم قلمبند کیا ہے ۔ اس سے آگے اصل عبارت کا لطف اٹھائیے ۔

روزے حضرت شیخ برہان الدین برہانپوری راز الٰہی قدس اللہ سرہٗ در فنا فی اللہ رمزے اظہار می نمودند سخن می گفتند و در امثال ایں فرمودند کہ امثال ایں چناں است کہ کسے از نمکے آدمی ساز د و او بدریا بردہ گوید کہ دُرّے ازیں دریا برار او ہرچند کہ قصد بسیار کند و جہد بے شمار نماید در تہ آب رود و خواہد کہ بہ نہایت او برسد دُر برآرد ۔

دوہرہ

چلی جو پتلی لون کی تھاہ سمندر کا لین ۔ دل مرپ پانی بھئی پلٹ کہی کو بین

خود گداختہ شود و خود را گم کند ۔ چنانچہ ستارگان در پرتو آفتاب بے نور می شوند و گم میگردند ہمچناں از پرتو آفتاب احدیت ہستی سالک گم می شود و بیکار گردد ۔ ہرچند کہ برائے حصول مطلب خویش پیش برد خود را بیش گم می کند ۔ چنانچہ محققی گفتہ ۔ رباعی

ہیہات[1] میدانی کہ چیزے کیستی و چیستی ۔ در دولت دریاب نیکو ہستی آیا نیستی

دانکہ می بیند بصیر است وانکہ می شنود سمیع ۔ وانکہ می داند علیم است پس بگو تو کیستی

---

[1] یہ رباعی حضرت مسیح الاولیاء کی ہے (راشدی)

در رشحات از بند گے آوردہ اند کہ در آدمی چند صفت عاریت نہادہ اند و آدمی
آنرا بہ خود نسبت کردہ و خود را چیزے خیال میکند چوں چشم دلِ او کشادہ میشود
و می بیند کہ آن ہمہ از ما نیست بلکہ از جائے دیگر است کہ از انجا باین جا
پرتو انداختہ و این محل تاریک را روشن ساختہ ۔ چون ازین حقیقت واقف
می شود خود را محض عدم می یابد ۔

ایک اور دوہا اور اسکی شرح ـــــ دوھرہ

پیم کہانی بِس بھری مت سنیو کوئی آئے + باتوں باتوں بس چڑھے دیکھت ہی گر جائے

معنیِ ظاہر آنست کہ افسانۂ عشق زہر آلودہ است کسی آمدہ نہ شنود کہ
از سخنانِ این افسانہ شنوندہ را زہر اثر می کند ۔ و دیدہ دوانستہ
خانہ خراب می شود ۔ مطلبش آنکہ عاشق افتادہ از راہِ امتحان میگوید
و می ترساند و ظاہر میکند کہ افسانہ عشق نہ شنوید و سخن او در
گوش نہ کنید کہ در پئے این گفتگو اثر ہا است از شنیدن و دیدن
می کشد و از دیدن خویش و بیگانہ بریدن و از ماسوی اللہ دست
امید کشیدن بلکہ ایشان را موجود نہ دیدن و جامۂ صبوریدن
و سرا پائے ساختہ جانب محبوب دویدن و درد و بلا بجان خریدن
چنانچہ آنمست شرابِ باقی حضرت شیخ فخرالدین عراقی قدس سرہٗ فرمودہ
است ۔ نظم

بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود ہمہ بردند و عشقش نام کردند

شنیدہ باشی کہ در نسل عادیاں دخترے بود نیک اختر چوں خبر

حسن وزیبائی حضرت یوسف علیہ السّلام شنیدہ از شنیدان بہ دیدن کشید
واز جام کثرت شراب وحدت نوشید واز مجاز بہ حقیقت رسید د
مے وصل از لب محبوب حقیقی چشید۔

اول سے آخر تک پوری کتاب اسی بلندی و برجستگی سے ختم ہوئی ہے سلسلۂ
بیان میں بزرگوں کے اقوال کی تمثیلات۔ حدیثوں اور آیات قرآنی کا ربط نفس
مضمون کی اس شراب طہور کو دو آتشہ بنائے ہوئے ہے۔ تطویل سے بچنے
کے لئے بہ نظر اختصار چند مقامات سے صرف دو ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو:

پیم گلی ات سانکڑی پیو بن کچھ نہ سمائے
تن من چھوڑ جو آسکے تو ہیں آ یا جائے

ایک اور دوہا

پیم نگرو ول آئے کے سدھ بدھ سوں رہیو کون۔
سدھ بدھ یوں گھل جات ہے جوں پانی میں لون

یہ دوہا دیکھئے

انت کتھا ری پیم کی کہے بُت کچھو نا کھہ جا تن لاگے پیم اسو بوجھے من ماکھ

اور یہ دوہا —!

آگ لگو وا دیس کوں پیت ڈرے وہ ٹھاؤں ÷ جہاں نہیں جیر جانیہ کا پنچ نہ لیوں ناؤں

آخری دوہا —

پیت کی ریت کرت ہو مت کھیچ وہ ناؤں۔
بھولی گنوار بوڑھی نوکا نہیں ٹھکانا ٹھانوں۔

اس دوہے کی شرح میں بزرگوں کے اقوال۔ اشعار۔ حدیثیں۔ آیاتِ قرآنی وغیرہ کو جگہ جگہ استعمال کیا گیا ہے صرف اسکی شرح ۹ صفحات سے کچھ زیادہ جگہ میں تحریر ہے۔ بعض اشعار تو شعراء سے نامزد ہیں، مثلاً عراقی۔ حافظ اور متعدد اشعار۔ نیز خاتمہ کی منظوم مناجات کسی سے نامزد نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ نظم حضرت کی فرمودہ ہو۔ میں ان تاکیدی الفاظ کے ساتھ پوری نظم ہی نقل کئے دیتا ہوں۔ اگر یہ منظوم مناجات جیسا کہ اندازہ اور قرینہ بھی ہے حضرت کی ثابت ہو تو ان کے ذکر میں ان کا یہ تبرک بھی غنیمت ہے۔

مناجاتِ اہلِ نجات این است

اے جمالِ تو کانِ محبوباں — عکسِ حسنِ تو جلوۂ خوباں
جلوۂ حسنِ تست درہمہ جا — از تو دارند جملہ نشو و نما
چشم آنکس کہ کردۂ تو وا — نظرش کے فتد بہ غیر سوا
تا کہ حسنِ تو گشتہ است عیاں — جذبۂ عشقِ تست درہمہ جاں
ہمہ ذرات مست و بیخبر اند — از خودی ہائے خویش بگذشتند
حسنِ لیلیٰ کہ زد رہِ مجنوں — بردہ از کوئی عقل سوئے جنوں
ہوش وامق کہ زلفِ عذرا برد — دل و جانش بہ بیخودی بسپرد
لبِ شیریں کہ بود شور انگیز — رنج فرہاد و راحتِ پرویز
زاں ہمہ پرتو جمالِ تو بود — کہ دلِ ہر یکے ازاں بربود
گرچہ جز یک جمال بیش نبود — در ہر آئینہ روئے خویش نمود

گشت کثرت نما در آئینہ ہا — مختلف گشت در معائنہ ھا
گاہ در گل بود گہہ (دگہے) در خار — روئے در ہر لباس ہر اظہار
ہر طرف جلوہ گر بہ شکل دگر — تو بہر شکل روئے او بنگر
گاہ در مومناں نماید روئے — گاہ در کافراں کشاید موئے
گہہ بہ کعبہ گہے بہ مسجد ہا — پرتوئے روئے تست صنما
گاہ در بیت گہہ و گہے بہ بتاں — جلوۂ خود نموی اے جاناں
بت پرست و برہمن و خمار — از تو دانند مو بہ مو ہر اَ
گہہ زروئے مضل و گہہ ہادی — ہمہ را پرورش تو خود دادی
چونکہ در اصلِ شاں ہمی نگرم — ہمہ جا روی تست جلوہ گرم
بُردی از صورتِ دلِ مجنوں — کردی او را بحسن خود مفتوں
دلِ وامق بہ ہستیٔ بردی — زلفِ عذرا بہانہ آوردی
روی شیریں کہ بود راحت خیز — شہد فرہاد و شکر پرویز
ایں ہمہ جز بہانہ بیش نہ بود — کیست جز تو کہ روئے خویش نمود
من ہم اے شہ یکے گدائے توام — از دل و جاں خود فدائے توام
تا کہ جانم جدا شد از احیاں — جملہ دارند بر من آہ و فغاں
کہ پری در سرائے خود بیناں — کہ فرستی بہ پیش بے دیناں
چند سرگشتہ داریم چوں باد — گہہ پری بر خرابہ گہہ آباد
چہ شود گر ازیں خلاص دہی — گہہ ز اخلاص جام خاص دہی
بادشاہا مراز خویش رہاں — تا کہ باشم بچشمِ خویش نہاں

روز و شب کوس دولتِ تو زنم | گہہ بیاید بجا طرم کہ منم
چند داری مرا ز خود مہجور | تو بہ نزد من است و من ز تو دور
گہہ بہ تیرم کشی و گہہ بہ تفنگ | صلح کردم برین ندارم جنگ
پردہ ماو من ز پیش ربائے | رخ خویش چشم من بکشائے
چونکہ بر خویش چشم بکشائیم | تو درانی بہ چشم من نائیم
ورنہ بہ بینی نہ مرد این ہوسم | طلب شیر و کمتر از مگسم
بدل اہلِ دلاں ورا ہم دہ | بصفِ بے دلاں پناہم دہ
سرمن خاک ساز درویشان | تا بیاید و بگذرند ایشان
حرزِ جانم نگاہِ ایشاں کن | دل و جانم بہ راہِ ایشاں کن
خاطرم رام کن ز صحبتِ شاں | وقتِ من ساز خوش ز صحبتِ شاں

تمت تمام شد، کارِ من نظام شد یم کہانی، من تصنیف
قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین، منبع السالکین حضرت شاہ
برہان الدین راز الٰہ قدس اللہ سرہٗ العزیز مورخہ ۱۸/ ماہ رجب
المرجب بروز شنبہ سنہ ۱۳۰۶ھ صورت اتمام یافت۔

کتاب عام کتابی سائز کے ۸۷ صفحات میں تحریر ہے کل ۵۰۴ دوہے
ہیں جن کی شرح مندرج ہے۔ کاغذ انگریزی دور کا ہے اور بہت معمولی
تاہم پوری کتاب سالم و مکمل ہے۔ کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ خط معمولی بلکہ
بدخط اور کتابت کی غلطیاں بھی بکثرت ہیں۔

عربی مکتوب

قبل اس کے کہ مکتوب ہذا کی نقل و ترجمہ پیش کروں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ کس طرح وجود پذیر ہوا۔

برہانپور کے ایک بزرگ سید عبدالرحمٰن نے مختلف علماء و مشائخ عصر کے پاس مختلف علمی سوالات عربی میں روانہ کئے اور اپنے سوالات کے جوابات بھی عربی میں طلب کئے۔ سوالات، تصوف، علم کلام، علم بیان، منطق فلکیات وغیرہ علوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے ایسے ۲۳ مکاتیب کے جوابات علمائے عصر سے حاصل کئے اور اس مجموعہ مکاتیب کو معہ مختصر تمہید و خاتمہ کے ثلثۃ و عشرین مکاتیب:۔ کے نام سے ایک رسالہ ترتیب دیا جو راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ اسی رسالہ میں دوسرا مکتوب حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہ کے نام ہے۔ آپ سے شریعت، طریقت، حقیقت کی وضاحت چاہی ہے۔ آپ نے جو جواب دیا ہے۔ اسکی نقل رسالہ مذکورسے پیش ہے چونکہ یہ رسالہ کسی خوش قلم نسخ نویس کا مکتوبہ ہے۔ اسکی کتابت کی اغلاط کی درستی کے لئے جناب ڈاکٹر مولوی غلام مصطفیٰ خان صاحب کا بصمیم قلب ممنون ہوں۔ نیز ڈاکٹر صاحب موصوف ہی نے ترجمہ کی بھی زحمت فرمائی جس کے لئے بصد نیاز مزید شکریہ۔

مکتوب کے شروع ہونے سے قبل پیشانی پر سرخی سے یہ عبارت درج ہے :۔

فی مجاریۃ العارف صاحب الکشف والوجدان الشیخ البرہان البرہانپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل الکتب وارسل الرسل
حمد بیحد اس ذات گرامی کی جس نے صحیفے نازل فرمائے اور رسولوں کو بھیجا

ھداۃ الناس السبیل فھدی وھم اجمعین الی الشریعۃ
جو لوگوں کو راستہ دکھانے والے ہیں۔ پس ان سب کو شریعت کی طرف رہنمائی کی

والخواص منھم الی الطریقۃ واخص الخواص الی
اور اخص خواص کو طریقت کی ہدایت اور اخص خواص کو حقیقت کی

الحقیقۃ والصلوٰۃ علیٰ سیدھم محمد مصطفیٰ
رہنمائی اور صلوٰۃ ان سب کے سردار محمد مصطفیٰ اور

وعلی آلہ شموس الھدیٰ۔ امابعد فقد وصل
ان کی آل واصحاب پر جو ہدایت کے آفتاب ہیں دیگر آنکہ وصول

الی احوج الخلیقۃ بمنصک الانیقۃ مشتملا
ہوا میرے پاس جو محتاج ہوں تمام مخلوق میں سب سے زیادہ آپ کا والانامہ جو

علی السؤال عن الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ
مشتمل تھا شریعت طریقت اور حقیقت کے سوال پر

فاعلم نور اللہ قلبک بنور الایقان وکحل بصیرتک
معلوم ہو (اللہ آپ کے قلب کو ایقان کے نور سے منور فرمائے اور آپکی بصیرت کو

بالاذعان ان سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم
اذعان کا سرمہ لگائے) کہ حضرت آدم کے بیٹوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے
اعتنی بسعادتنا فی الآخرۃ والدنیا فوضع قوانین
دنیا اور آخرت میں ہماری سعادت کے لئے توجہ دی آپ نے ایسے قوانین وضع فرمائے
نرجع الیہا فی معاشنا لینتظم بہا احوالنا ثم وضع
جو ہمارے معاشی مسائل میں مفید ہیں تاکہ اپنے احوال میں نظم پیدا کریں پھر
العبادات البدنیۃ احکاما لتلک القوانین وتوجیہا
ان قوانین کی خاطر عبادات بدنیہ وضع کیں دلوں کے چہروں کو حق کے قبلہ
لوجوہ القلوب الی قبلۃ الحق ویسمی..... القوانین و
کی طرف موڑنے کے لئے اور اول قوانین و
العبادات شریعۃ والتربیۃ التی بالشریعۃ عامۃ
عبادات کا شریعت نام رکھا گیا اور وہ تربیت جو شریعت کے ذریعہ ہوتی ہو
شاملۃ لکل احد من المومنین ثم دعی الناس
عام ہو تمام مومنین کے لئے پھر آپ نے لوگوں کو دعوت دی
الی تخلیۃ نفوسہم عن الاخلاق الذمیمۃ
اپنے نفوس کو کنارہ کش کرنے کے لئے اخلاق ذمیمہ سے
کالبخل والحرص والحقد والحسد وامثالہا
مثلاً بخل، حسد، کینہ وغیرہ کے اور اپنے نفوس کو متعلق
وتحلیتہا بالاخلاق الحمیدۃ کالکرم والعفو وعلو
کریں اخلاق حمیدہ سے مثلاً کرم اور عفو۔ علو ہمتی وغیرہ

الهمة وامثالها واهتمامه صلى الله عليه وسلم
ہمتی وغیرہ کے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

بحسن الاخلاق عظیم حتی قال بعثت لاتمم
حسن اخلاق کے بارے بڑا اہتمام فرماتے تھے یہاں تک کہ فرمایا میں اخلاق کی

مکارم الاخلاق والتربية التي تهديها الدعوة
تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں اور وہ تربیت جس کی طرف یہ دعوت ہدایت کرتی ہے

عامة لكن الشارع يقيم الحد والتعزير بمخالفة
وہ عام ہے لیکن شارع علیہ السلام نے حد اور تعزیر قائم کردی ہے شرع ظاہر کی

الشرع ظاهرا ولا يقيمها لسوء الاخلاق وقد قال
مخالفت پر اور نہیں قائم کی حد سوء اخلاق کے لئے اور تحقیق فرمایا

صلى الله عليه وسلم نحن نحكم بالظاهر وقال الله
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم فیصلہ کرتے ہیں ظاہر پر اور فرمایا اللہ پاک

تعالى وذروا ظاهر الاثم وباطنه والمراد بظاهر الاثم
نے کہ دور گزر کرو ظاہر و باطن کے گناہ سے اور ظاہر گناہ سے مراد اعمال

الاعمال السيئة وبباطن الاثم الاخلاق الردية
سیئہ ہیں اور باطن گناہ سے مراد ردی اخلاق ہیں

ثم هدى صلى الله عليه وسلم خواص احبائه
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص احباب کو ریاضات

الى طريق الرياضات الموجبة لانقطاع النفس
کے ضروری طریقے بتائے تاکہ نفس منقطع ہو جائے

عن العلائق البدنية وكونها بصدد الانقطاع اى

علائق بدنيہ سے اور جب کبھی منقطع ہونے کے در پے ہوگا اس وقت

وقت اتفق هو الموصل الى معرفة حقائق الاشياء

ممکن ہوگا کہ وہ حاصل کرے اشیاء کے حقائق کشف سے

كشفاء ومشاهدة للانوار والتجليات والفناء في

اور انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہو اور فنا ہو

الله والبقاء به ويسمى مجموع علم الاخلاق وعلم

اللہ پاک کی ذات میں اور اسکے ساتھ بقا نصیب ہو علم الاخلاق اور علم سلوک

السلوك طريقة ويسمى المقاصد التى ينتهى اليها

کا مجموعہ طریقت کہلاتا ہے اور جو مقاصد طریقت پر منتہی ہوتے ہیں وہ

الطريقة حقيقة فالنبى مبعوث لوضع الشريعة

حقیقت کہلاتے ہیں پس نبی مبعوث ہوتا ہے شریعت کو وضع کرنے

وكشف الحقيقة وقد قال صلى الله عليه وسلم

حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے اور تحقیق فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

الشريعة اقوالى والطريقة افعالى والحقيقة احوالى

کہ شریعت میرے اقوال ہیں اور طریقت میرے افعال اور حقیقت میرے احوال

يعنى الشريعة ما اقول لنظم العالم وتعيين العبادات

ہیں یعنی شریعت وہ ہے جو میں نے وضع کی نظم عالم اور تعیین عبادات کے لئے

والطريقة اخلاقى اى الاعمال الموصلة الى الكشف

اور طریقت میرے اخلاق ہیں یعنی وہ اعمال جو عالم ملکوت کا انکشاف کراتے ہیں

المكوت والحقيقة الفناء والبقاء والتجليات۔

اور حقیقت ہی فنا، بقا اور تجلیات کا نام ہے

وعلم التصوف باحث عن طريق السلوك والوصول

اور علم تصوف، سلوک اور وصول کے طریقے بتاتا ہے اور

ولهذا قال جعفر الصادق رضى الله تعالى عنه

اسی لئے فرمایا جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

من عاش فى ظاهر رسول الله صلى الله عليه وسلم

کہ جس نے زندگی بسر کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

وباطنه فهو صوفي والمومن برعاية الشريعة صالح

ظاہر اور باطن کے مطابق وہ صوفی ہے اور وہ مومن جس نے شریعت کی پابندی

وبرعاية الطريقة سالك وبرعاية الحقيقة ولى كامل

کی وہ صالح ہے اور جو طریقت پر عمل کرے وہ سالک ہے اور جو حقیقت کی رعایت

اختلاف شرائع الانبياء بحسب اختلاف امزجة

کرے وہ ولی کامل ہے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کا اختلاف لوگوں کے مزاجوں

الناس كاختلاف ادوية الاطباء بحسب اختلاف

کے اختلاف کے سبب ہے جیسے اختلاف اطباء کی دواؤں میں مریضوں کے مزاجوں کے اختلاف

امزجة المرضاء فان الانبياء اطباء النفوس كما

کے سبب ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام نفوس کے اطباء ہیں جیسے

ان الحكماء اطباء الابدان فتامل ثم تامل

حکماء جسموں کے اطباء ہیں پس اس بارے میں غور کرو پھر غور کرو

وجبد التامل لينكشف عليك الحال ويرفع عنك
تاکہ حال کھل جائے اور رفع ہو جائے تم سے
الاشكال ثم اعلم ان الوصول الى الحقيقة موقوف على
اشکال پھر جانوگے کہ حقیقت تک پہنچنا سلوک طریقت پر
سلوك الطريقة وهو موقوف على التزام الشريعة و
موقوف ہے اور وہ موقوف ہے التزام شریعت پر اور
بعض الناس اهل الشريعة فقط وليس لهم استعداد الطريقة
بعض لوگ صرف شریعت کے اہل ہوتے ہیں اور نہیں ہوتی ان کو استعداد طریقت کی
وبعضهم اهل الشريعة والطريقة وليس لهم استعداد الحقيقة و
اور بعض لوگ شریعت اور طریقت کے اہل ہوتے ہیں اور نہیں ہوتی ان میں استعداد حقیقت کی
بعضهم اهل الشريعة والطريقة والحقيقة ولان النبي صلى الله
اور بعض لوگ شریعت طریقت اور حقیقت سب کے اہل ہوتے ہیں اور حضور
عليه وسلم رأى تفاوت هذه الدرجات قال كلموا الناس على قدر عقولهم وقال صلى الله
صلی اللہ علیہ وسلم نے درجات کے اسی فرق کو دیکھ لیا کہ لوگوں سے کلام کرو ان کی عقلوں کے مطابق
عليه وسلم نحن معاشر الانبياء امرنا ان نكلم الناس
اور فرمایا حضور نے کہ ہم گروہ انبیا ہیں کہ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے کلام
على قدر عقولهم ولم يكن النبي صلى الله عليه وسلم
کریں ان کی عقلوں کے مطابق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر نہیں فرماتے تھے
مظهرا الحقيقة لكل احد من المومنين و انما
حقیقت ہر ایک مسلمان پر اور آپ کی

کان ھذا القبیل من کلامہ صلی اللہ علیہ وسلم مع
اس قسم کی گفتگو
اصحاب الصفۃ وکانوا تارکین الدنیا سالکین فی
اصحاب صفہ کے ساتھ ہوا کرتی تھی وہ تارک الدنیا اللہ کی راہ کے سالک
سبیل اللہ واصلین الی الحقیقۃ والمشھور منھم حذیفۃ
اور واصل تھے حقیقت کے اور ان میں سے مشہور حذیفہ
ابن الیمان والبلال الحبشی وصھیب الرومی وسلمان
ابن یمان اور بلال حبشی اور صہیب رومی اور سلمان
الفارسی واُسامۃ وحارثہ ومعاذ وبراء ومقداد
فارسی اور اُسامہ اور حارثہ و معاذ اور براء و مقداد
وابوذر وابوالدرداء وعمار واما علیؓ فھو رئیس
اور ابوذر و ابوالدرداء و عمار تھے اور حضرت علی تو سردار تھے اہلِ
الارباب الطریقۃ والحقیقۃ وکل الصحابۃ مسرور بہ
طریقت اور حقیقت کے اور تمام صحابہ ان سے خوش ہوتے تھے
بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما بروئیۃ صلی اللہ علیہ وسلم ولھذا قال الشیخ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جیسا کہ دیدار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی لئے شیخ
المغربی فی الباب السادس من الفتوحات اقرب الناس
مغربی (محی الدین ابن العربی) نے فتوحات کے چھٹے باب میں لکھا ہے کہ لوگوں میں حضور اکرم
الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی ابن ابی طالب
صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب علی ابن ابی طالب ہیں

امام العالم وسر الانبیاء اجمعین ویا سب هذا قوله

جو تمام دنیا کے امام اور انبیاء کے راز ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد

صلی الله علیه وسلم کن مع الانبیاء سرا و معی جهرا

اس بات کے مناسب ہے کہ آپ نے ان کو فرمایا کہ انبیاء کے ساتھ راز رہو اور میرے ساتھ تم کھلے ہو

فان قصر احد کم عن مرتبة الحقیقة و تکلمت معه منها

اب اگر تم میں سے کوئی مرتبہ حقیقت کو پہچاننے میں، کوتاہ ہے اور تم نے اس سے

ضیعته وافسدت اعتقاده و ضیعت کلامك بل ضیعت

حقیقت پر گفتگو کی تو تم اسے بیکار بنا دو گے اور اس کا عقیدہ خراب کر دو گے اور اپنی

نفسك لانه لایفهم مقصودك ویکفرك فیکون فی

گفتگو کو بھی رائگاں کر دو گے۔ بلکہ اپنے نفس کو بھی خراب کر دو گے کیونکہ وہ تمہارا مقصد نہیں سمجھیگا اور وہ

معرض القتل و یوید هذا ان النبی صلی الله علیه وسلم

تمہیں کافر کہیگا تو وہ قتل کا مستحق ہو جائیگا اور اس بات کی تائید اسطرح ہوتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ

رضی من الجاریة الخرساء المشیرة الی السماء حین قال

علیہ وسلم راضی ہوئے ایک گونگی لڑکی سے جس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا جب دریافت کیا اس سے

صلی الله علیه وسلم لها این الله تعالی ولاجل ذالك قال

حضور نے کہ اللہ کہاں ہے اور اس لئے حضرت ابو ہریرہ

ابو هریرة رضی الله عنه انی حفظت من رسول الله صلی الله علیه وسلم

رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے علم کے دو ظرف (برتن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

دعائین من العلم اما الواحد فبثثته فیکم واما الاخرة

محفوظ کر لئے ہیں ان میں سے ایک کو میں نے تم میں پھیلا دیا ہے اور دوسرا وہ ہے

واما الآخرة فلو بثثته فيكم لقطعتم منى البلعوم

اور دوسرا وہ ہے کہ اگر میں تم میں پھیلاؤں تو تم میری گردن کاٹ لوگے

وهذا الحديث مذكور فى صحيح البخارى وقال ابن

اور یہ حدیث صحیح بخاری میں مذکور ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے

عباس رضی اللہ عنہ لو فسرت قوله تعالىٰ خلق سبع سمٰوٰت ومن

فرمایا کہ اگر میں تفسیر کروں اس آیت کی خلق سبع سمٰوٰت تو تم مجھ پر

الارض مثلهن لرجمتمونى وقال على كرم الله وجهه مشيرا

پتھر مارو گے اور فرمایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے

الى صدره ان ههنا علوما جمة لو وجدت لها حملة

اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہ یہاں سارے علوم جمع ہیں کاش کہ میں پاتا ان کو اٹھانے

ولو ههنا للتمنى وايضا لو جمعت من خياركم مائة

والے (لو کا لفظ یہاں تمنا کے لئے ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے اگر سو بہترین آدمیوں

واحد ثكم من غدوة الى العشاء ما سمعت من فى ابى القاسم

کو جمع کروں اور میں بیان کروں صبح سے شام تک جو کچھ کہ میں نے سنا ہے آنحضرت

ليخرجون من عندى وانتم تقولون ان عليا من

صلی اللہ علیہ وسلم سے تو تم میری پاس سے چلے جاؤ گے اور یہ کہتے ہوئے کہ علی

اكذب الكاذبين وافسق الفاسقين۔

سب سے زیادہ جھوٹا اور کاذب ہے ۔

حضرت رازالٰہی قدس سرہٗ کی دیگر تصانیف کے متعلق اہل مطالعہ تذکرہ نگار ہو

نے بہت کچھ لکھا ہے۔ گذشتہ سال جناب بشیر محمد خان صاحب ایڈوکیٹ
نے آپ کے رسالہ وصیت نامہ کا کچھ نمونہ رسالۂ معارف میں شائع فرمادیا ہے
پیم کہانی اور منسلکہ عربی مکتوب کی نسبت کوئی تحریر نگاہ سے نہیں گذری
تھی۔ اس لیئے میں نے مکتوب کو مکمل اور پیم کہانی سے اقتباس پیش کر دیا ہے
آپکا وصال باتفاق جمہور ۱۵ر شعبان المعظم ۱۰۸۳ھ کو ہوا۔
آپکی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جنازہ میں ہزارہا خواص عوام نے شرکت
کی۔ مورخ معروف خافی خان کا بیان ہے کہ میں بھی حاضر تھا۔ غور سے
دیکھنے پر بھی یہ اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ جنازہ دوش ہوا پر جارہا ہے
یا لوگوں کی انگلیوں پر! اصل عبارت سے ایک مختصر فقرہ ملاحظہ ہو۔
محرر اوراق محمد ہاشم خافی خان ہم از جملہ چندیں ہزار مردم در پائے
جنازہ می رفت ہر چند بدیدۂ تامل نظر می انداخت اصلاً مرئی نمی
شد کہ جنازہ بر سر انگشتان مردم میرود یا بر ہوا میرود۔
آپ کو اپنی خانقاہ کے حجرہ میں دفن کیا گیا اور نہایت سادگی سے
خام مزار بنایا گیا۔ بایں ہمہ رجوع خلق کا یہ عالم تھا کہ مزار فیض آثار پر
ہمہ وقت اہل نیاز کا بے پناہ ہجوم رہنے لگا اور توسیع کی ضرورت
محسوس ہونے لگی۔ تاہم دس بارہ سال تک کوئی تبدیلی یا وسعت نہیں
کی گئی۔ حتیٰ کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی رح برہان پور
تشریف لائے اور انھوں نے حضرت شیخ سے دیرینہ عقیدت کی بنا پر
آپکا عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرنیکا انتظام کیا۔

تعمیر سے متعلق کوئی تحریری صداقت موجود نہیں۔ ایک سینہ بسینہ زبانی روایت البتہ سنی گئی ہے۔ چونکہ میں نے اِس تذکرہ ہی میں نہیں بلکہ اپنے تمام تحقیقی مضامین میں ایسی افواہی روایات کو دخیل کرنے سے ہمیشہ اجتناب کیا ہے جن کی تصدیق یا بیّن ثبوت بہم نہ پہنچی ہو۔ لیکن اس روایت میں بعض باتیں ایسی ہیں جو واقعات سے نمایاں ربط رکھتی ہیں اس لئے بایں خیال کہ

تا نباشد چیزکے گویند مردم چیزہا

ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ ہو جو کچھ سنا ہے ذیل میں درج کرتا ہوں:

اورنگ زیب زمانۂ شہزادگی ہی سے شیخ کا انتہائی عقیدتمند تھا۔ عام آدمیوں کی طرح آپ کی مجلسوں میں شریک ہوتا اور بیش قرار نذرانے خدمتِ والا میں پیش کرتا۔ لیکن حضرت نے کبھی توجہ نہ کی اور کوئی نذرانہ قبول نہ فرمایا۔ پھر بھی شہزادہ نے حاضر باشی ترک نہ کی حتیٰ کہ حصولِ سلطنت کو بھی آپکی باطنی توجہ اور دعاؤں کی برکت تصوّر کرتا رہا۔

برہانپور آکر جب یہ دیکھا کہ شیخ کا مزار تنگ و تاریک حجرہ میں ہے اس پر ایک خوش منظر وسیع و مستحکم گنبد کی تعمیر کا انتظام کیا اور اپنی کسبِ حلال کی وہ رقم جو کلاہ سازی اور کتابت قرآن مجید سے بہم پہنچائی تھی بہ خلوص عقیدت و نیاز آغاز کار میں صرف کی۔ مزار کو مرکز قرار دیکر اطراف وسیع مربع قطعۂ زمین میں وسط میں گنبد اور اطراف میں محرابدار مسقف دالانوں کی تعمیر کے قابل مضبوط بنیادیں قائم کرکے مرتفع کرسی چونہ گچ اور سنگ خارا کی صاف ترشی ہوئی سلوں سے تعمیر کی۔

تعمیر یہیں تک پہنچی تھی کہ حضرت کی روح مبارک کی جانب سے سختی کیسا
آئندہ کام ختم کر دینے کی ہدایت ہوئی کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب کی قوتِ بازو
کی کمائی یہیں تک کفایت کر سکی گنبد کی تعمیر پر شاہی خزانہ سے رقم صرف ہوتی
اس لئے حضرت نے اسے رد کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ روایت میں نے حدِ سماعت تک اپنے الفاظ میں نقل کر دی ہے۔
اسمیں واقعات سے ربط رکھنے والی قابلِ لحاظ باتیں یہ ہیں۔ اورنگزیب
کی عقیدت بزمانہ شہزادگی اظہر من الشمس ہے خافی خاں کی تاریخ میں بڑی
وضاحت سے تمام تفصیلات مندرج ہیں بالفاظ مختلف چند ثقہ حضرات سے
بلکہ میرا تو خیال ہے کہ حضرت سید ریاض الدین قدس سرہٗ سے بھی یہ روایت
سننے میں آئی ہے۔

موجودہ مقبرہ جو ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۷ھ میں تیار ہوا۔ اسی قدیم بنیاد
پر تعمیر ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی پائیدار بنیاد اور ایسی مستحکم کرسی جو قریباً
تین سو برس گذر جانے پر بھی ایسے عظیم الشان مقبرہ کی تعمیر جدید کی متحمل ہو سکی۔
زمانۂ بنا میں عظیم ترین عمارت بنانے کے لئے ہی استوار کی گئی ہوگی اور اپنے
استحکام کے اعتبار سے وہ شاہی تعمیر ثابت ہوتی ہے۔

میں نے تعمیر مقبرہ سے متعلق جناب سید اکرام الدین صاحب سجادہ نشین
حال سے خط و کتابت کی تو موصوف نے یہ تمام چیزیں واضح فرمائیں کہ

مقبرہ کی تعمیر ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۷ء سے شروع ہو کر ۱۳۶۷ھ
مطابق ۱۹۴۷ء میں ختم ہوئی۔ درمیان میں سامانِ تعمیر کی نایابی کے باعث دو سال

کام ملتوی رہا۔

مقبرہ کی تعمیر پر تقریباً پچھتر ہزار روپیہ صرف ہوا ہے۔ یہ تمام روپیہ سید جنید علی مغفور سجادۂ ماسبق اور ان کے تین فرزندوں سید ریاض الدین صاحب مرحوم سجادہ سابق اور جناب سید نصیر الدین صاحب و جناب سید ولایت علی صاحب نے اپنی ذاتی رقم سے صرف کیا کسی کا عطیہ یا کسی قسم کا چندہ اس کے لئے وصول نہیں کیا گیا۔

اس عظیم الشان تعمیر کے انبار در انبار سامان کی بہم رسانی اور نگہداشت کی محنتِ شاقہ اس طولانی عرصہ تک سید حبیب الدین صاحب نے کمال مستعدی سے انجام دی جو سید نصیر الدین صاحب کے فرزند اور سجادۂ حال کے بہنوئی ہیں۔

مقبرہ کی تعمیر اسی بنیاد پر استوار کی گئی جو قدیم زمانہ سے مرتفع چبوترہ کی صورت میں قائم تھی۔ اسکی پختگی کا امتحان کیا گیا تو ثابت ہوا کہ بنیاد نہایت پختہ ہے۔

یہ نادر العصر تعمیر برہانپور کے نامور مستری عبد العزیز عرف عجا بھائی کی کارکردگی میں ابتداء تا انتہا تکمیل کو پہنچی۔ مستری موصوف نے برہانپور و دیگر مقامات پر اور بھی مقابر بنائے ہیں لیکن یہ مقبرہ اپنی وسعت و عظمت کے اعتبار سے ان کا عظیم کارنامہ ثابت ہوتا ہے۔

سید جنید علی قدس سرہ نے اس سے قبل ۱۳۲۶ھ میں احاطہ مقبرہ کی مسجد بھی تعمیر کرائی تھی، یہ تعمیر بھی قدیم پایہ پر واقع ہوئی ہے جو مستری

عبدالعزیز ہی کی مشاق دستکاری کا حسین ترین نمونہ ہے۔اس تعمیر میں بھی کسی کا عطیہ یا چندہ قبول نہیں کیا گیا۔

اس سے اور چند سال قبل حضرت سید جنید علی قدس سرہ نے اس وسیع احاطہ کی پختہ دیواریں۔ پھاٹکیں اور مضبوط دروازے بنوائے تھے، احاطہ خاصا وسیع ہے۔عرس کے موقعہ پر دو روز تک میلہ لگتا ہے۔ اکل و شرب کی صدہا دکانیں لگتی ہیں۔ دیگر مختلف اجناس کی دکانیں بھی آتی ہیں۔اہلِ نیاز کا ہجوم در ہجوم تانتا بندھا ہوتا ہے۔اس عرس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ معزز خاندانوں کی پردہ نشین مستورات بھی بڑی کثرت سے حاضر ہوتی ہیں۔ ان کے لئے پردہ کا معقول انتظام ہے۔ اس احاطہ سے ملحق لیکن بالکل الگ دوسرا احاطہ ہے۔ اسی میں خواتین کا اجتماع ہوتا ہے وہاں بھی ہر قسم کی دوکانیں ہوتی ہیں جن میں عورتیں ہی کاروبار کرتی ہیں۔ کوئی مرد تو کیا دس سال کا لڑکا بھی اس احاطہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

شب برات کی صبح قبلِ نماز فجر اور سہ پہر کو میلاد و درود خوانی کے ساتھ صندل چڑھایا جاتا ہے اور رات کو بعد نماز عشا بڑے اہتمام سے میلاد خوانی ہوتی ہے۔شہر کی تمام نعت خواں جماعتیں حاضر ہوتی ہیں۔ اکثر اوقات تمام رات مجلس میلاد برپا رہتی ہے۔

جس طرح زندگی میں حضرت شیخ کی فیض رسانی مدت العمر جاری

رہی۔ اسی طرح آپ کے وصال کے صدیوں بعد آج تک آپکے مزار سے
لوگ بلا امتیازِ مشرب و ملت اپنی عقیدت و نیاز کی حد تک فیض یاب
ہو رہے ہیں۔ اور ان کے ستودہ خصال اخلاف بھی علمِ پدر کی آگاہی
کے فیضان سے میراثِ پدر کے مالک رہے ہیں! اور ہیں۔

تاج العاشقین شیخ محمد ابن شیخ عبداللہ سندھی رح

آپ کی ولادت نشو ونما تعلیم و تربیت برہانپور میں ہوئی مسیح الاولیا رح کے شاگرد۔ مرید۔ خلیفہ، معتمد و امین تھے۔ لیکن حضرت ملا غوثی نے آپکو حضرت شیخ لشکر عارف باللہ کا خلیفہ لکھدیا ہے۔ یہ ان کا سہو نظر اور مشابدہ کا مغالطہ ہے اسکی توجیہ یہ ہے کہ شیخ محمد آغاز شعور میں شیخ طاہر محدث کے مدرسہ میں تعلیم پاتے تھے اور حضرت مسیح الاولیا بھی محدث صاحب سے علوم عقلیہ کی کتابیں پڑھتے تھے ابتدا ہی سے شیخ محمد کو مسیح الاولیار کی جانب خاص کشش تھی چنانچہ آپ مسیح الاولیا کے مرید ہو گئے۔ بلکہ مسیح الاولیا کے سب سے پہلے مرید شیخ محمد ہی ہیں۔

مسیح الاولیا اولاً کسی کو مرید نہیں کرتے تھے بلکہ طالبان ارادت و بیعت کو لطائف الحیل سے ٹال دیا کرتے تھے۔ ایمائے غیبی سے آپ کو راغب کیا گیا تب آپ نے یہ سلسلہ شروع کیا۔ مولانا فرحی نے یہ صراحت ان الفاظ میں لکھی ہے۔

یک مرتبہ چنیں صدور یافت کہ کتاب مشکوٰۃ پیش حضرت عموی میخواندم وطے روزہ داشتم۔ درین اثنا شبے حق جل و علا

بین الیقظۃ والنوم بصورت تمثل متجلی شد ودر دستِ من
طومارے داد و دران طومار مقدار چہل وپنجاہ سطر مسطور
بودند ودر ہر سطر ہمیں بود کہ جذبۃ من جذبات الالٰہیۃ
توازی عمل الثقلین۔ ودر ہر سطر چنانکہ در مکتوبات جائے
ہم میگذارند گذاشتہ بودند در یک سطر نام شیخ محمد
ابن عبد اللہ مرقوم بود۔ بواسطۂ آن کہ دران ایام چوں
ابتدائے ظہور بود بغیر ایشاں کسے دیگر طالب نہ شدہ بود لاجرم
نام کسے دیگر ہم نہ بود۔ کشف صفحہ ۲۸ و ۲۹

اس عینی اشارت وبشارت کے بعد آپ نے کسی اہلِ صلاحیت کو
مرید کرنے سے گریز و انکار نہیں کیا اور انکار کی گنجائش ہی کہاں رہی
تھی جبکہ اُس طرف سے چالیس پچاس تعلیقات کا مرقع پیش نظر کرکے
آگاہ کردیا گیا کہ تم فیض رسانیِ خلق سے کیسے گریز کرسکتے ہو اس تعداد
کے تو آپ کے خلفاء ہمارے ہاں نامزد ہو چکے ہیں۔

اس مصدقہ شہادت کے بعد کسی شبہ کا امکان باقی نہیں رہتا
کہ شیخ محمد بن عبداللہ مسیح الاولیا کے مرید و خلیفہ تھے حضرت شیخ
لشکر محمد عارف کے نہیں۔ حضرت عثمان بو بکانی رحمۃ اللہ علیہ کے درس
میں جب مسیح الاولیا نے شرکت کی اُس زمانہ میں شیخ محمد نے بھی حکیم عثمان
کے درس میں نقلی اصطلاحات پر چند کتابیں پڑھیں تھیں اور اس طرح
وہ اپنے پیر کے ہمدرس ہونے پر اظہار فخر و ناز کیا کرتے تھے۔ ملا غوثی

کو ان کے اسی بیان پر مغالطہ ہوا کہ جب یہ دو اساتذہ کے درس میں مسیح الاولیا کے ہمدرس رہے ہیں تو باہم پیر بھائی بھی ہوں گے۔ حالانکہ خود ملا غوثی نے شیخ نعمتہ اللہ کے ذکر میں شیخ محمد کو مسیح الاولیا کا خلیفہ لکھا ہے۔ یعنی جب شیخ نعمتہ اللہ زیارتِ حرمین شریفین سے فارغ ہو کر واپس آئے تو بندر ڈابھول (ڈابھیل متصل سورت) کے متعلق لکھتے ہیں ؎

مذکور الصدر بندر میں مسیح الاولیا کے خلیفہ حضرت شیخ محمد نامی اس نواح کے لوگوں کی رہنمائی کے واسطے نامزد تھے۔ ان کے دیدار سے آنکھوں کو منور کیا۔ (اذکار الابرار ص ۵۶۲)

اس روایت کی حقیقت یہ ہے کہ جب گجرات کے متعدد لوگ برہانپور آ کر مسیح الاولیا کے مرید ہوئے اور ان میں سے اکثر یہاں موجود رہ کر سلسلہ شطاریہ کی تعلیم و تکمیل نہ کر سکتے تھے انھوں نے بمنت التجا کی کہ کسی خلیفہ کو ہمارے ہمراہ بھیجا جائے تاکہ ہماری مقصد برآری ہو۔ آپ نے شیخ محمد کو مامور فرمایا یہ وہی زمانہ ہے جب شیخ نعمتہ اللہ بندر ڈابھیل پہنچے تھے۔ شیخ محمد چونکہ مسیح الاولیا سے والہانہ محبت رکھتے تھے مفوضہ امور سے فارغ ہوتے ہی عجز و زاری کے ساتھ واپسی کی التماس کی اور اجازت ملنے پر حاضر خدمت ہو گئے ان کے خطاب تاج العاشقین کی کوئی تقریب یا وضاحت سامنے نہیں ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ اپنے پیر سے اس درجہ محبت و فدویانہ عقیدت کے باعث مسیح الاولیا نے انھیں یہ خطاب عنایت فرمایا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

گجرات سے واپسی کے بعد برہان پور میں مسیح الاولیا کے سایۂ عاطفت میں روحانی ریاضت و مجاہدات کے ساتھ ساتھ پیر کی جملہ خدمات لائقہ تندہی سے انجام دیتے رہے مسیح الاولیا نے انھیں اپنا امین مقرر کرکے یہ خدمت ان کے ذمہ کردی کہ وہ فتوح و نذر کی رقوم اپنی تحویل میں رکھیں اور مستحق فقراء خانقاہ میں معینہ اصول کے مطابق تقسیم کردیا کریں کیونکہ مسیح الاولیاء کی عادت تھی کہ وہ مال دنیا از قسم نقد و جنس کبھی تحویل میں نہیں رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ رات کے وقت خانخانان عبدالرحیم خان مسیح الاولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض علما و صلحا بھی موجود تھے، پُرلطف صحبت نے نصف شب تک طول کھینچا، رخصت کے وقت خانخانان تین چارسو یا کچھ کم و بیش روپیہ نذر کرتے گئے۔ آپ نے اپنے امین شیخ محمد کو یاد کیا معلوم ہوا کہ وہ گھر جاکر سو رہا ہے حکم ہوا ابھی بلاؤ چنانچہ شیخ محمد بلائے گئے اور حضرت نے وہ رقم ان کے حوالہ کی۔ جب وہ لے جاچکے تب آپ کو نیند آسکی کشف الحقائق میں یہ ذکر اسطرح مرقوم ہے۔

روزے خانخانان ابن بیرم خان کہ دراکثر شبہا خدمت حضرت مسیح منقبت می آمدند۔ آمد بہ صحبتِ علما و صلحا نشستند۔

دقریب نصف شب برخاستہ سہ صد یا چار صد روپیہ یا کم و بیش نذر دادند۔ درآنوقت حضرت پیر دستگیر میاں شیخ محمد را کہ قسمت نمودن فتوح بہ فقراں و مستحقان حوالہ ایشان بود

طلبیدہ عذر میکردند کہ شما را از خواب بیدار کردہ طلب نمودہ ام
شما تصدیع کشیدہ باشید لاکن من چہ کنم الخ (کشف ص ۳۹)

غرض شیخ محمد حضرت مسیح الاولیاء کے سچے شیدائی کی طرح جملہ خدمات
لائقہ کی انجام دہی میں مصروف تھے اور ان کا عزم مصمم تھا کہ اب موت کے
زبردست ہاتھ ہی پیرو مرشد سے جدا کریں تو کر سکتے ہیں۔ خودکسی طرح
قدموں سے جدا نہ ہونگے۔ افسوس کہ یہ اسباب بھی جلد ہی پیدا ہوگئے۔
اکبر بادشاہ نے خاندیس پر فوج کشی کی فاروقی بادشاہ معہ امراء و عمائدین
شہر برہان پور قلعۂ آسیر میں جا بیٹھا۔ خیال تھا کہ اکبر چاہے کتنی ہی جد و جہد
کرے اس ناقابلِ تسخیر قلعہ پر تسلط نہیں پا سکتا۔ لیکن اکبر کو بھی ایسی ضد آ گئی
تھی کہ اس نے پورے ملک کی فوجی طاقت سمیٹ کر نواح خاندیس میں فوجیں پھیلا
دیں۔ قلعہ پر نئی نئی تیاریاں قلعہ شکن آلات سے یورشیں، مکر و حیلہ و رشوتوں
سے کام نکالنا چاہا لیکن گیارہ ماہ تک خود موجود رہکر تمام کوششوں میں ناکام رہا
اور قلعۂ آسیر فتح نہ ہو سکا ان حالات میں اسکی وہمی طبیعت میں یہ بات جم گئی کہ
برہان پور کے صوفی اور مشائخ اپنے بادشاہ کی ردِ بلا کے لئے وظیفے پڑھتے اور
دعائیں مانگتے ہیں۔ اس لئے مٹھی بھر اہل برہان پور سلطنت کی عظیم طاقت
کو خاطر میں نہ لاکر مامون و مطمئن ہیں۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ان بزرگوں پر
بید ریغ ہاتھ ڈالا اور اکثر کو قید و بند کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں، جو زیادہ صاحبِ اثر
تھے اور ان کو گرفتار کرنے میں بغاوت پھوٹ پڑنے کا اندیشہ تھا، انھیں حیلہ
سازی سے بے دست و پا کیا۔ ایک فتنہ عظیم برپا تھا۔ شیخ عثمان برکاتی

اس اندیشہ سے اول ہی برہانپور چھوڑ چکے تھے۔ حضرت نائب رسول اللہ حجاز سے لوٹ کر سورت واحمدآباد میں وقت گذاری کرتے رہے۔ مسیح الاولیاء سے عرض کی گئی کہ آپ یہاں تو بہت لوگوں کو فیض یاب کر چکے ہیں چندے ہمارے لشکر کے طالبانِ حق کی رہنمائی فرمایئے اور آپ کو لشکر میں مہمان اور صحیح لفظوں میں نظر بند رکھا، پھر اس مہم سے فارغ ہو کر آگرہ تک ساتھ لے گیا شیخ محمد گرفتار کر لیا گیا اور ان پر شاہ برہان پور کی ہوا خواہی کا الزام لگا کر قید میں ڈال دیا گیا، انھیں بھی بحالتِ قید آگرہ لے گیا وہاں حضرت غوث الاولیا کے فرزند کی سفارش سے قید سے تو آزادی ملی لیکن برہانپور آنے کی اجازت نہ دی بلکہ قلیچ خان کی نگرانی میں دیدیا گیا۔ جب قلیچ خان لاہور کی مہم پر بطور کمک بھیجا گیا تو شیخ محمد کو بھی کشاں کشاں اسکے ساتھ جانا پڑا یہ ۱۰۰۹-۱۰۱۱ھ تک کے واقعات ہیں۔ آگے چل کر ملا غوثی لکھتے ہیں کہ ۱۰۱۳ھ غرہ جمادی الاول کو آپ پنجاب میں بیکریت راجپوتوں کی لڑائی کے اندر شہید ہوئے۔

حضرت شیخ اسمٰعیل فرحی

مولانا شیخ اسماعیل فرحی سندھی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف کے آئینہ میں۔
فرحی کی ایک زندۂ جاوید تالیف کشف الحقائق ہمارے سامنے
ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے اپنے استاد، مربی۔ پیرومرشد۔ مسیح الاولیا
حضرت شیخ عیسےٰ جنداللہ قدس سرہ العزیز کے سوانح حیات و ملفوظات
قلمبند کئے ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے تو حضرت مسیح الاولیا کے مصدّقہ
اور بلند پایہ ملفوظات ہیں جو حضرت کی زندگی میں ان کی آگہی کے ساتھ
سنہ ۱۰۲۰ھ سے مدون ہونا شروع ہو گئے تھے۔ لیکن اسی کتاب سے خود
فرحی جامع ملفوظات کے حالات کا مختصر خاکہ بھی مرتب کیا جا سکتا ہے یعنی
سلسلۂ بیان میں مؤلف کے قلم سے جگہ جگہ ایسے جملے و عبارتیں غیر محسوس
طور پر بلا ارادہ رقم ہوتی چلی گئی ہیں جن سے مولف کی وطنیت۔ مقام ولادت
نام لقب۔ کنیت۔ تعلیم اور علمی پایہ۔ صوفیانہ ذوق۔ ریاضت و مجاہدات
شاعری تخلص کی توجیہہ۔ مشائخ و صوفیائے کرام سے صحبتیں۔ سیر و سفر
کی تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔

میں اسی کتاب سے فرحی کے حالات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اور عقیدتاً اسکو حضرت مسیح الاولیا رہ کی روحِ مبارک کا فیض و تصرف خیال کرتا ہوں۔ یہ اُنھیں کی روحانی مسیحائی اور اسم عیسےٰ کا فیضانِ نسبت ہر کہ انکا تذکرۂ نگار اسی نگارش سے ساڑھے تین سو سال بعد حیاتِ تازہ کی سعادتِ ابدی سے سرفراز ہوا۔

فرحی کے والد کا نام شیخ محمود سندھی تھا۔ اسکی ولادت برہانپور میں واقع ہوئی اور اسمٰعیل نام رکھا گیا۔ تاریخ ولادت اور سنہ وغیرہ کا پتہ نہیں البتہ قرائن سے پایا جاتا ہے کہ دسویں صدی ہجری کے ربع آخر میں ولادت ہوئی ہوگی کیونکہ سنہ ۱۰۲۰ھ میں اس نے یہ کتاب شروع کی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس سنہ میں نوجوانی سے گذر کر پختگی کی منزل میں قدم رکھ چکا ہوگا۔ مسیح الاولیاء کی خدمت میں زمانۂ شعور میں حاضر ہوا اور کئی سال ریاضت و خدماتِ گوناگون انجام دیکر سنہ ۱۰۲۰ھ میں ہی خلافت سے سرفراز ہوا۔ پھر اسی سنہ میں مسیح الاولیا نے اسکی حسنِ خدمت سے محظوظ ہو کر کتاب رشحات عطا فرمائی اور اس پر اپنے قلم سے مناسب الفاظ میں لقب و کنیت رقم فرمائی تھی۔ وہ لکھتا ہے:۔

دریں وقت بسیار لطف و کرم نمودہ کتاب رشحات از خانہ طلبیدہ و در گوشۂ آن بخط مبارک خود کتبہ ہبہ بنام ایں فقیر باکنیت و لقب باین عبارت نوشتہ عنایت فرمودند

باسمہ و سبحانہ الذی ھو الصلوٰۃ علےٰ من استحقہا

ھذا الکتاب الی شحات الالٰھیۃ من المشایخ الربانیۃ

قد وھبتہ المولیٰ العزیز ابی الفرح سراج الدین اسمٰعیل
ابن محمود صانہ اللہ عما شانہ واوصلہ سبحانہ الیٰ ماذانہ
عن غیرہ بحق النبی وآلہ واصحابہ ومن تبعہ الیٰ
یوم الدین - مورخہ ۲ شہر رجب سنہ ھل اردبست
(کشف صفحہ ۴۷)

ظاہر ہے کہ اس درجہ پر پہنچنے کے وقت بہرحال پچیس تیس سال سے زائد عمر ہوگی - نیز ایک جگہ فرحی نے حضرت مسیح الاولیا کی خدمت میں کامل بیس سال تک حاضر رہنے کا ذکر کیا ہے - چونکہ حضرت مسیح الاولیا کا وصال سنہ ۱۰۲۹ھ میں ہوا ہے - اگر یہ تحریر حضرت کے وصال کے قریب زمانہ میں بھی فرض کی جائے تو مرید ہونے کا زمانہ سنہ ۱۰۰۹ھ قرار دیا جاسکتا ہے - یعنی سنہ ۱۰۰۹ھ میں یا اس سے قبل فرحی کو عاقل بالغ و صاحبِ شعور سمجھا جائیگا - فرحی کے الفاظ یہ ہیں :-

واین فقیر تا بیست سال بعد از مرید شدن ہر روز گاہے بعد از نماز فجر و عصر در ملازمت قبلہ گاہی مشرف میشد و احیاناً ناغہ نمی گشت - (کشف صفحہ ۳۳)

برہانپور میں ولادت

یہ بات بھی فرحی کی تحریر سے ثابت ہے - حضرت مسیح الاولیا قدس سرہ کے وصال کے بعد اپنی سیاحت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے -

برائے دیدنِ مظاہرِ حق و ملاقاتِ درویشاں از زاد بوم خود کہ برہانپور است الخ... (کشف صفحہ ۵۰)

اس کے اسلاف سندھ سے آکر برہانپور میں کب مقیم ہوئے اسکی بھی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ ممکن ہے اس کے والد شیخ محمود اسکی ولادت کے قریب زمانہ میں وارد برہانپور ہوئے ہوں۔ چنانچہ فرحی یہیں پیدا ہوا اور برہانپور کو اپنی زاد بوم زاد بوم کہنے کا فخر حاصل کر سکا۔ آغاز کتاب میں اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے وہ اپنے آبائی وطن سندھ کو بھی نہیں بھولا۔ لکھتا ہے ۔

اسمٰعیل ابن محمود سندھی القادری الشطاری الفرحی
کہ از حضرت پیر دستگیر مکنی اسم کنیت بابی الفرح و ملقب بہ
سراج الدین است میگوید الخ (کشف صـ۲)

تعلیم۔

فرحی نے ابتدائی تعلیم کن اساتذہ سے کس حد تک حاصل کی اسکی تفصیل بھی موجود نہیں ہے البتہ بدلائل قوی ثابت ہے کہ حضرت صبغۃ الاولیا کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس حد تک علمی استعداد بہم پہنچا چکا تھا کہ آپ کے درس میں شریک ہو سکے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت صبغۃ الاولیا مبتدیوں کو نہیں پڑھاتے تھے حتیٰ کہ اپنے فرزندوں کی ابتدائی تعلیم بھی دیگر اساتذہ کے سپرد تھی۔ خود فرحی نے ایک بزرگ کا نام لیا ہے جو آپ کے بچوں کے معلم تھے۔ لکھا ہے

اے عزیز ملا احمد کہ مرید و معلم صبیان حضرت پیر دستگیر بود
پیش این فقیر نقل میکرد الخ (کشف صـ۵۵)

چنانچہ فرحی کی علمی استعداد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ درسیات متداولہ سے

فارغ التحصیل ہوکر یہاں داخل ہوا تھا کہ اس سے کم استعداد کے طلباء کے لئے مسیح الاولیاء کے درس میں شرکت کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

مسیح الاولیا کا درس کن علوم اور کونسی وقیع کتب پر منحصر تھا۔ اسکی تفصیل فرحی نے جگہ جگہ لکھی ہے اور طریقۂ درس کی صراحت بھی دی ہے جو اس طرح تھا کہ طلبا کی جماعت موجود ہوتی تھی اور ان میں سے کوئی ایک طالب کسی زیر تعلیم کتاب سے کچھ عبارت پڑھتا باقی سب غور و توجہ سے سنتے۔ آپ حاضرین میں سے کسی ایک کو حکم دیتے کہ پڑھی ہوئی عبارت کی شرح بیان کرو۔ اس طرح مختلف طلبا اپنے ذہن کی رسائی کی حد تک مطلب بیان کرتے اس کے بعد آپ اس عبارت کی سیر حاصل شرح فرماتے متصوفانہ نظریہ سے اس کے اسرار و غوامض پر روشنی ڈالتے ہر طریقہ سے تاویل و استدلال کے ساتھ ایسے نکتے ظاہر فرماتے کہ ہر شخص کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ آپ کے درس کی برہان پور میں اسقدر شہرت تھی کہ متعدد ایسے علماء جو اپنے مقام پر سینکڑوں طلبا کو معقول منقول حدیث و تفسیر کی تعلیم دیتے تھے پابندی کے ساتھ آپ کا درس سننے کے لئے آپ کے مدرسہ میں حاضر ہوتے تھے۔

تفسیر عباسی کے ایک درس کا واقعہ فرحی نے درج کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ بہ ایک روز تفسیر عباسی کا درس جاری تھا۔ خواننده نے جب یہ آیت پڑھی۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ۔

اور اس کے یہ معنی جو صاحبِ تفسیر نے لکھے تھے کہ مراد اس شجر سے شجرِ علم ہے۔
تو حاضرین و فضلا جو توجہ سے سُن رہے تھے متعجب ہوئے اور کوئی اس نکتہ کو
حل نہ کر سکا اور سب حضرت مسیح الاولیاء کی طرف متوجہ ہوئے۔

آپ نے فرمایا کہ مُلّا عصام بھی اس مشکل کو حل نہ کر سکے تھے حتیٰ کہ ان کی روح نے
عروج پاکر آدم علیہ السّلام سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ صاحبِ تفسیرِ عباسی
نے اس جگہ ہٰذہ الشجرۃ کو شجرِ علم کہا ہے اور یہ نکتہ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے آپ
بیان فرمائیے حقیقت کیا ہے۔ حضرت ابوالبشر علیہ السّلام نے فرمایا جو کچھ تفسیر
عباسی کے مؤلف نے لکھا ہے درست ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بہشتِ بریں میں مجھے اللہ تعالیٰ
کی ذات سے کبھی کبھی اسقدر قرب اور مشاہدہ کا اتفاق ہوتا تھا جس کی انتہا
نہیں ہوسکتی تھی چنانچہ مجھے ارشاد ہوا تھا کہ ایسے عالم میں علم کی طرف توجہ کریگا
تو میرے قہر و غضب میں مبتلا ہوگا۔ انجامِ کار ایک روز میں عالمِ جذب و
جوش میں علم کی طرف متوجہ ہوگیا اور اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں۔

اس کی تاویل میں آپ نے فرمایا اما برایں حکم کہ

فعلُ الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ۔ حکیم کا کوئی فعل
حکمت سے خالی نہیں ہوتا، حضرت آدم علیہ السّلام کو جنت سے دنیا میں جو
مزرعُ الآخرۃ ہے منتقل کرنے میں باری تعالیٰ کی یہ حکمتیں کارفرما تھیں کہ دنیا جو دار الفساد
ہے اسمیں انبیاء، اولیاء، صدیقوں اور اہلِ ایمان کا ظہور ہو۔

فرحتی نے یہ عبارت اِسطرح شروع کی ہے۔

اے عزیزو روزے حضرت حقیقت آگاہی تفسیر عباسی میگذشت روزبے

درمیانِ سبق قاری این آیتہ خوانند۔ الخ۔ کشف صفہ ۱۲

فرحیؔ کی عین المعانی کے درس میں شرکت

مسیح الاولیا کا مدرسۂ کلاں زیرِ تعمیر تھا اسکی تعمیر میں بہ نیت حصولِ سعادت آپکے مریدین عملی حصہ لیا کرتے تھے۔ ایک دن تعمیر کا کام جاری تھا متعدد مشائخ و خلفا گارا گھور کر اینٹ و چونہ پہنچانے کی خدمت انجام دے رہے تھے اور مسیح الاولیا سامنے ہی مسجد میں ایک شخص محمد صدیق کو عین المعانی کا درس دے رہے تھے۔ ایسے میں فرحی پہنچ گیا اور حضرت کو سلام کر کے تعمیر کے کام میں شرکت کے خیال سے اُدھر جانے لگا تو حضرت نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بلایا اور فرمایا کہ ابھی تم محمد صدیق کے سبق میں شرکت کرو دورانِ سبق میں بہت سی مشکلات حل ہو گئیں اور بہت سے جدید انکشافات سے بہرہ ور ہوا فرحی نے اس بیان کے ضمن میں بڑی طولانی عبارت لکھی ہے بعض مقامات کی نقل اسکے الفاظ میں۔

روزے شیخ محمد صدیق در مسجد پیش حضرت قبلۂ عالم سبق کتاب مذکور (عین المعانی) میخواندند......... درین اثنا فقیر بملازمت رسید و سلام کردہ میخواست کہ با یاران موافقت کند۔ حضرت ایشان بغایتِ لطف و کرم بدستِ مبارک اشارت نمودہ طلبیدند و فرمودند شما باین کار مشغول شوید یعنی باستماعِ سبق شیخ محمد صدیق.........

و حضرت پیرِ دستگیر فرمودند کہ اطلاع بر وضع این دعا کم کسے دارد۔ پس جواہر خمسہ طلبیدہ و علے مذکور دراں کشیدہ این ضعیف را بر وضع آن مطلع ساختند۔ الخ کشف صفہ ۱۶-۱۷)

اجتماعی اسباق کی شرکت کے علاوہ فرحی کو حضرت سے انفرادی طور پر

درس لینے کا شرف بھی حاصل تھا چنانچہ مرآۃ العارفین کو اس نے آپ سے انفرادی طور پر درساً پڑھا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے تحریر کیا ہے

اے عزیز فقیر مراۃ العارفین پیشِ حضرت پیر دستگیر در درس میخواند۔ در کشف اول کتاب این عبارت بر آمد کہ اے عزیز سر خلقت شناختن نہ اندک کار ایست از ابن عباس رضی اللہ عنہ بشنو الخ (کشف صفہ ۵۳)

فرحی کی علمی استعداد عام معیار سے بہرحال بلند تھی۔ وہ لمعات لوائح فصوص الحکم وغیرہ کا فارغ التحصیل طالب علم تھا ان شواہد پر حوالجات کی نقل طول عمل خیال کر کے قارئین کرام کو اسکی ریاضت و مجاہدات کے چند واقعات کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اس نے پیر و مرشد کی حسب ہدایت چلّے کئے وظائف پڑھے ہیں، عملیات کی سختیاں اٹھائی ہیں اور نتیجہ میں توقع سے زیادہ فیض یاب ہوا ہے۔

ریاضت و مجاہدات

ایک مرتبہ فرحی بابا عبدالستار اور چند دیگر مریدوں کو حضرت مسیح الاولیاء نے چلہ نشین کیا ان دنوں فرحی حضرت شیخ عبداللہ صوفی کے رسالہ اوراد صوفیہ کا بھی مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اس رسالہ میں دعائے سیف اللہ کی شرائط میں متعدد مرموز اصطلاحات درج تھیں جن میں سے بعض کے حل تک فرحی کے ذہن کو رسائی نہ ہوتی تھی ایک دن اس نے حضرت بابا عبدالستار سے دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا کہ حضرت قبلہ ہر شب میرے حجرہ میں

تشریف لاتے ہیں۔ ان سے معلوم کرکے بتاؤں گا۔ پوچھا کب تشریف لاتے ہیں ہمیں تو اندازہ ہی نہیں ہوتا اور نہ کبھی دروازے کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔ فرمایا آخر شب میں تشریف لاتے ہیں اور دروازہ بند ہی رہتا ہے۔

دوسرے دن فرحیؔ نے دریافت کیا میری گذارش کا کیا جواب ملا۔ انھوں نے وہ رموز سمجھا دیئے جو حضرت نے واضح فرمائے تھے۔ نیز یہ بھی کہ جامع رسالہ نے عمداً ان اسرار کو رمز و کنایہ کے پردہ میں پوشیدہ رکھاہے کہ نااہلوں کی رسائی نہ ہو۔ فرحیؔ نے اس واقعہ کو اس طرح شروع کیا ہے :۔

اے عزیز حضرت باباعبدالستار وفقیر و چند درویش دیگر حضرت پیر دستگیر بہ اربعین نشاندہ بودند۔ دران ایام فقیر اورادِ فتحیہ کہ تالیفِ بندگی شیخ عبداللہ صوفی است مطالعہ میکرد۔ درآن کتاب دربیان شرائط دعائے سیف اللہ این عبارت برآمد الخ
(کشفت ص۵۷)

ایک مرتبہ وظیفہ کے اشغال جس میں غالبًا ترک حیوانات کی پابندی تھی۔ فرحی کا ہاتھ ایک مجلد چرمی کتاب سے چھو گیا معاتین مؤکل وارد ہوگئے اور آتے ہی انھوں نے دل جگر اور کلیجہ کو پکڑ لیا۔ فرحی نے عاجز اور پریشان ہوکر حضرت محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا۔ یہ نام سنکر ایک مؤکل نے کہا تجھے حضرت شیخ سے کیا تعلق ان سے کیا سروکار۔ مگر فرحیؔ غوث الاولیاء کا نام ورد کرتا ہی رہا۔ آخر اس قدر تخفیف ہوئی کہ وہ اپنے پیر و مرشد حضرت مسیح الاولیاؒ کے حجرہ تک جا سکا۔ روداد بیان کی۔ حضرت نے احتیاط کی تاکید فرمائی۔ نظر

توجہ فرما کر رخصت کر دیا۔ اس توجہ کی برکت سے فرحی اپنے حجرہ میں پہنچنے تک اصلی حالت پر آگیا تھا۔ فرحی کی عبارت کا ضروری حصہ یہ ہے:۔

این ضعیف را در اداے شرائط اسم واحد الباقی یک روز لمس چرم جلد کتاب کہ امرے از امورِ جلالی است واقع شد۔ ہماں ساعت سہ موکل در وجودِ من آمدہ یکے دل۔ یکے جگر۔ یکے سپرز گرفت و بہ شدت تمام فقیر را تب آمد دریں حالت سہ چار مرتبہ نامِ حضرت بندگی شیخ محمد غوث بر زبان راندہ الخ۔ (کشف صفحہ ۵۳)

ایک مرتبہ فرحی پر کچھ ایسے حالات طاری ہو گئے کہ طبیعت پر بیہودہ خطرات و خیالات کا ہجوم رہنے لگا اور یہ حالت کسی طرح دور ہی نہیں ہوتی تھی رمضان المبارک کا مہینہ اور آخری عشرہ تھا۔ حضرت مسیح الاولیا اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ پچھلی رات کا وقت تھا فرحی نے پریشان ہو کر خیال کیا کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کر دوں۔ مسجد میں پہنچکر معلوم ہوا کہ آپ تجدیدِ وضو کے لئے حجرہ میں تشریف لیگئے ہیں۔ یہ حجرہ میں حاضر ہوا فرمایا۔ اِسوقت کیوں آئے۔ فرحی نے حالات بیان کر کے تجدیدِ توبہ کا ارادہ ظاہر کیا۔ فرمایا بہت اچھا اور فرحی کو لیکر مسجد میں تشریف لائے۔ پردہ اعتکاف میں لیجا کر سامنے بٹھا لیا اور اُسکے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر توجہ شروع فرمائی۔ کوئی دعا یا استغفار نہیں پڑھائی۔ صرف نگاہِ توجہ سے اس کے دل پر تصرف جاری کر دیا۔ اس کا بیان ہے۔ میں نے محسوس کیا جسطرح شاہی محل کا گوشہ گوشہ اچھی طرح جھاڑ کر صاف کیا جاتا ہے۔ میرا دل مذکورہ مل و غش

کی کثافت سے پاکیزہ و مصفا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے دل کی تمام ظلمتیں
انوار سے مبدل ہو گئیں۔ پھر میں نے اندازہ کیا کہ اس نور میں محو ہو کر میں ایسا
نڈھال ہو گیا ہوں کہ کسی حالت کا شعور ہی نہیں رہا اور میرے دل سے حقیقی
خودی نے سر ابھارا۔ اور جب اس خودی سے استقلال و قوت تمام حاصل
ہوئی حضرت قبلہ نے میرے ہاتھ چھوڑ دیئے اور رخصت فرمایا۔
یہ شعر فرحی نے اسی واقعہ کی یادگار میں کہا ہے اور اسی بیان کے تحت
درج کتاب ہے۔

بود آن شب از شب قدر سے بہ نزد من عزیز
زان کہ در وے فیض پیرم ساخت اہل السنتم
(کشف ص ۴۸-۴۹)

مرزا شاہرخ کا فرزند جس کو اس نسخہ میں مرزا فتحپوری لکھا ہے حضرت مسیح الاولیا
کا مرید تھا اس نے چند مرتبہ حضرت سے التجا کی تھی کہ میری تمنا ہے کہ شہر
مندسور مجھے جاگیر میں مل جائے۔ حضرت دعا فرمائیں تو دشوار نہیں۔ فرحی کا
بیان ہے کہ ایک روز حضرت پیر دستگیر نے مجھ سے فرمایا کہ وہ حصول مدعا
کے لئے چند مرتبہ کہہ چکا ہے تم اسکی مقصد برآری کے لئے توجہ اور دعا کرو
مجھے ادبًا دل میں پس و پیش ہوا۔ حضرت پر میرا یہ اندیشہ منکشف ہو گیا۔ فرمایا
قطب وقت کی عادت ہی اس قسم کی ہوتی ہے کہ اپنے ماتحتوں سے کام
لیا کرتے ہیں اور مثلاً سلیمان علیہ السلام کا واقعہ دہرایا کہ کمال نبوت
حاصل تھا۔ جنبش نگاہ سے سب کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن بلقیس کو سبا
سے بلانے کے لئے خود توجہ نہ فرمائی بلکہ اپنے وزیر آصف سے یہ کام لیا۔

الغرض چند روز بعد طالب کو مندسور کی جاگیر مل گئی۔ میں نے کوئی عمل دعا یا وظیفہ نہیں پڑھا۔ بلکہ حسب الحکم صرف توجہ مبذول رکھی۔

اے عزیز مرزا فتح پوری پسر مرزا شاہ رخ کہ مرید پیر دستگیر بود بحضرت ایشان عرض نمود کہ امید گاہا در حق من توجہ فرمایند کہ شہر مندسور در جاگیر من ظل اللہ بدہند۔ پس روزے بایں ضعیف فرمودند کہ او برائے حصول ایں مطلب من چند مرتبہ گفتہ است شما در حق وے بجہت مطلبش توجہ بکار برید الخ۔ (کشف ص ۵۶)

فرحی کی شاعری تخلص کی توجیہہ اور کلام

فرحی کا بیان ہے کہ ابتدائے حال میں مجھے انقباض رہتا تھا حضرت پیر و مرشد نے ابالفرح کنیت عطا فرما کر میرے دل کو فرحت و کشادگی کا آئینہ بنا دیا اور میں نے اسی نسبت سے فرحی تخلص اختیار کیا۔

ہے:۔

حضرت پیر دستگیر لفقیر کنیت ابوالفرح عنایت نمودند۔
فقیر موافق آن تخلص خود فرحی نہاد۔ (کشف ص ۲۵)

لیکن یہ واقعہ سنہ ۱۰۳۰ھ کا ہے اسی سنہ میں اس نے ملفوظات کشف الحقائق کی تدوین شروع کی اور اس کتاب میں جو منظومات فرحی کی درج ہیں وہ مبتدیانہ استعداد سے بہت بلند ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرحی کافی عرصے سے شاعری کرتا رہا ہے۔ واللہ علم اب تک کیا تخلص کرتا تھا اس کا کوئی ذکر اس نے خود نہیں کیا ہے۔

اس کا کلام اسکی تالیف سے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ کہیں اور سے اس کا
کلام راقم الحروف کو دستیاب نہیں ہوا اور اس کتاب میں بھی معدودے چند
اشعار ہیں جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے کسی عبارت میں چسپاں ہو سکتے
تھے اور وہ بھی غزلوں کے اشعار ہیں۔ اس کتاب میں بالارادہ درج
کرنے کے لئے البتہ حمد باری تعالیٰ۔ نعت سرور کائنات اور منقبت
پیر و مرشد کے سلسلہ میں اس نے نظمیں درج کی ہیں۔

صوفیانہ استعارات، تلازمات کے نثر سلسلہ حمد کا اختتام اس نے
اس شعر پر کیا ہے ؎

یقین میداں کہ این چندیں عجائب ۔۔۔ ز بہر یک دل بینا بنا دند

نعت سرور کائنات مع خرق موجودات بڑے جوش سے لکھی ہے اور کافی
اشعار درج کئے ہیں جن کا انتخاب یہ ہے

محمد کہ بدر منیر آمدہ ۔۔۔ بہر دو جہاں بے نظیر آمدہ
چہ بدرے کہ از نور او آفتاب ۔۔۔ بود بر چہارم فلک نور یاب
نہ بل کافتاب و چہ مہر چہ ہست ۔۔۔ ز نور لطیفش ہمی نقش بست
بنازم بداں شاہ دنیا و دیں ۔۔۔ کہ دارد دو عالم بزیر نگیں
شریعت کہ فرمان آں شہ بود ۔۔۔ بجا آرد آنکس کہ آگہ بود
طریقت کہ آئین آن سرور است ۔۔۔ بود شمع راہ دل حق پرست
حقیقت کہ آئین احوال او ۔۔۔ نگنجد در و ہیچ ..... ز دو ست

اسی سلسلہ میں فرحی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی

نہ بیٹھنے کی ایک اچھوتی توجیہہ لکھی ہے۔ میری نگاہ میں یہ توجیہہ اور اسکو منظوم کرنے میں اولیت اسی کو حاصل ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ مکھی جو ہر پاک و ناپاک جگہ بیٹھ جانے کی فطرتاً خوگر ہے آپ کے منزہ و پاکیزہ جسم پر بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکی (اُسکے الفاظ میں) آپ کی پابوسی سے محروم رہ گئی اور اسی حسرت میں کفِ افسوس ملتی ہے اسی بدنصیبی پر دونوں ہاتھوں سے سر پیٹا کرتی ہے۔ اس اچھوتے مضمون کو نہایت سلاست اور برجستگی سے نظم بھی کیا ہے۔

چو آں ماہ نورِ خدا ایست و بس چساں بر تنِ او نشیند مگس

مگس کو نشیند بہ پاک و پلید بپابوسیِ او جز بہرہ نہ دید

ملامت بہ بختِ خود آورد پیش بمالد ہمی دستِ حسرت بہ خویش

شدہ خوں ازیں حسرت اور اجگر ازیں میزند دست ہر جا بہ سر

گریز میں خود کو مخاطب کر کے متنبہ کرتا ہے کہ وہ رسول جس کی مدح خدا کرتا ہے تو اس کی نعت کیسے بیان کر سکے گا۔ کجا تیری خیال آرائی اور کہاں نعت پیمبر بھلا سمندر کوزہ میں بند کیا جا سکتا ہے ؟ —

رسولے کہ مدحش بگوید خدا کجا نعت گفتن توانی ورا

تو دنعت اوایں چہ حرفے بود

کہ دریا نہ در خورد ظرفے بود (دکشنو ص ا)

نعت سے فارغ ہو کر فرحیؔ نے اپنے پیر و مرشد حضرت مسیح الاولیا رح کی منقبت میں نہ صرف زورِ بیان صرف کیا ہے بلکہ ارادت و نیاز مندی کا ہدیہ پیش کیا ہے اسکے بھی کئی اشعار ہیں لہٰذا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ مطلع

میں الفاظ غوث اعظم وارد ہوئے ہیں - فرحیؔ نے ادباً و عقیدتاً اپنے مرشد کو اُن الفاظ سے مخاطب کیا ہے - اس قصیدۂ منقبت کی پیشانی پر اس نے یہ عبارت لکھی ہے -

غوث العارفین قطب الموحدین سید المفسرین سند المحدثین زینت العلما - مربی الفقرا - مسیح الاولیا - ابوالبرکت عین العرفا بندگی شیخ المشائخ حضرت شیخ عیسےٰ بن حضرت شیخ قاسم ابن حضرت شیخ یوسف بن حضرت ملا رکن الدین بن حضرت شیخ معروف بن حضرت شیخ شہاب الدین سندھی -

زہے غوث اعظم کہ از فضل رحمٰن ۔۔۔ زند جوش ہر دم بہ ایجاد امکاں
زبد ر جبینش ببیں نور احمد ۔۔۔ ز لطف کلامش عیاں سر قرآں
زباران فیضش دل ہر مریدے ۔۔۔ صدف وار پر شد ز لولوی عرفاں
ز کنہہ کمالش دل من چہ یابد ۔۔۔ حبابے چہ گوید ز دریائے عماں
زہے آفتاب حقیقت کہ دائم ۔۔۔ بتابد بہ ذرات کونین یکساں
زہے رہ نمائے کہ در راہ وحدت ۔۔۔ شدہ پیشوائے ہمہ پیشوایاں
مریدِ تو ہر یک بہ بزم مشائخ ۔۔۔ چو درہ بدہ بینش چو در قلب ایماں
بپائے تو از دیدہ تعلین سازم ۔۔۔ شرائکش بہ بندم ز نم دیدہ مژگاں
باسم مسیحا نکرده اند آن نزد ۔۔۔ کرا حیا دلہا بود بہر تو آساں

تو ئی آنکہ وقت تکلم ز فرحیؔ
کنی آشکارا چنیں سر پنہاں

کشف صفحہ ۲

پورا قصیدہ عقیدت و ارادت کے جذبات کے ساتھ ساتھ سلاست و پختگی اور شوکتِ الفاظ سے مزیّن ہے۔ اس کتاب میں فرحی کے زیادہ تعداد میں مسلسل اشعار انھیں مذکورۂ بالا دونوں قصیدوں میں ملتے ہیں۔ آیندہ جو اشعار پیش ہوں گے وہ بیک مقام ایک یا دو سے زائد نہیں ہیں اگرچہ وہ غزلوں یا قصائد کے اشعار معلوم ہوتے ہیں البتہ ایک مناجات کے چند شعر مسلسل ملے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

اے کہ زمام ہمہ در دستِ تو | اختر ہر شیفتہ دل ہست تو
ہست امیدم کہ شوی رہنما | تا دم آخر بر رہ مصطفےٰ
چارہ بکن چارہ کہ آوارہ ام | وائے بمن گر نہ کنی چارہ ام
آمدہ ام از خودی خود بجان | نیم نگہ کن ز خودم وار ہان
ساز فتیلہ ز رگ و ریشہ ام | شمع فروز از دل غم پیشہ ام
چاشنیِ لذتِ دیدار بخش | نے من و ناقوتِ گفتار بخش
از ہمہ سو ساز دلم سوی خویش | دریغ ہر ذرہ منما روئے خویش

خود دلِ فرحیؔ تو پر از نور کن
محو خودم ساز و ز خود دور کن (کشف صفحہ ۳)

یہ مسلسل اشعار تھے جو فرحیؔ نے حسب موقعہ مسلسل ہی درج کئے ہیں۔

یہ شعر فرحیؔ نے حضرت مسیح الاولیاء کے اولین سفر کے موقعہ پر چسپاں کیا ہے آپ کا یہ سفر پیر و مرشد کی جستجو کے سلسلہ میں واقع ہوا تھا ؎

ہادیِ جو کہ دریں بادیۂ خوں آشام | رہ بمنزل نہ برد ہیچ کسے بے رہبر

ظاہر ہے کہ شعر فرد نہیں ہے بلکہ کسی مسلسل نظم میں کا ایک شعر ہے۔ اسی طرح یہ دو شعر ؎

دلی کور الود در جان ہمیشہ ذوق بیداری ۔ بناقص مانداز جرمے چو کامل ہست ایمانش

چو ادم از عصیاں ہر دو چشمش چو بلا آمد شگفتہ نیا داولیاء محن بستانش

یہ بھی مفرد ابیات نہیں بلکہ اس معرکۃ الآرا قصائد کی مقبول علم زمین کے قصیدے کے اشعار ہیں جو خاقانی، خسرو اور جامی نے ایک دوسرے کے مقابل در کلام دکھانے کے لئے استعمال کی۔ مذکورہ قدما کے زمین میں کافی طولانی قصائد ہیں واللہ اعلم فرحی کا یہ قصیدہ کتنے اشعار کا ہوگا۔ علی ہذا القیاس یہ شعر بھی فرد نہیں معلوم ہوتا ؎

طمع شوم از نقط خالی چوں درختے ہست بے گل و بے بار

حضرت سعدی نے طمع را سہ حرف ست و ہر سہ تہی کہکر اس مضمون کو اپنے لئے خاص کر لیا تھا مگر فرحی نے بے برگ و بار کہکر ندرت کے ساتھ اپنے لئے گنجائش نکالی ہے ۔ ایک قطعہ ؎

ایں جہاں بر مثال آں کہ فتد بر بدن از حصیر نقش و نگار

بعد یکچند در نظر نیاید (ناید) نہ ازو رنج بود نہ آثار

یہ قطعہ سلاست و برجستگی کے ساتھ ساتھ فرحی کے صوفیانہ مسلک کا بھی مظہر ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کی کتنی اچھوتی تمثیل ہے جو آئے دن بوریا نشینوں کے مشاہدہ میں آتی ہے۔ ایک اور شعر بطور پند ؎

بجملہ مروت مکنی باکس بر ومنت مکن زاں کہ کار نیکواں جز حسبۃ للہ نیست

اور ایک شعر جس سے حسنِ عقیدت کا اظہار پایا جاتا ہے۔

سہ فرحیا ہر سو کہ روئے او ببینی سجدہ کن

کیں عبادت را بیک سو در جہاں محراب نیست

ہر دو مذکورہ بالا اشعار بھی فردیات نہیں بلکہ غزلوں کے اشعار معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ شعر سہ چوں صفات و ذات او در ہر یکے جلوہ نمود

پس چرا آگہ نباشی زاں چہ داری نقد خویش

مسئلہ ہمہ اوست سے تعلق رکھتا ہے۔ اُسکا جلوہ ہر چیز میں ہے۔ یہ تو عام بات ہے۔ فرحی نے یہاں بھی چرا آگہ نباشی کہکر اسمیں زور اور جدت پیدا کر دی ہے۔

سہ اندر خوابِ نوشین مست خفتہ تا سحر باشم

حریفاں نیم شب بر خاستہ بربند محملہا

یہ شعر بھی فرد نہیں بلکہ حضرت حافظ شیرازی کے مطلع دیوان والی غزل کی طرح کا شعر ہے۔ اس سے اور سابقہ اشارات سے پایا جاتا ہے کہ فرحی نے مقبول زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور اس نے مختلف اصناف سخن پر کلام لکھا ہے۔ ایک اور شعر ہے۔ سہ

ماسوا گر بہ تجلیٔ ظہورش نگری زاں وآں جلوہ کنندیش تو اصنام چند

جس موقعہ پر یہ شعر بیان کیا گیا ہے وہ تو اپنی جگہ ایک لطیف چیز ہی ہے اسکے اعادہ سے اس لئے گریز کرتا ہوں کہ طولِ سخن نہ ہو جبکہ یہ شعر اپنی بندش، چستی اور معنوی حیثیت سے خاصا وقیع اور پُر لطف ہے۔

نیز ہمارا مقصد فرحی کے کلام کا نمونہ پیش کرنا تھا جو اس مختصر کتاب سے پیش کر دیا گیا جس سے ثابت ہو کہ وہ کسی بھی صنفِ سخن میں بند نہ تھا۔ غزل قصیدہ رباعی۔ قطعہ وغیرہ کے نمونے سامنے ہیں پھر یہ سب کچھ اس کتاب سے ماخوذ ہے جو اپنے موضوع کے لحاظ سے جداگانہ چیز ہے۔ اتفاق حسنہ نہیں تو اور کیا ہے کہ اسکی ایک مخصوص تالیف سے نہ صرف مختلف اصناف پر اس کا نمونۂ کلام بلکہ اُس کے مختصر سوانح حیات بھی مرتب ہو گئے۔
فرحی نے شاعری میں کس شاعر کو استاد بنایا اس کا علم نہ ہو سکا۔ غالبًا یہ شرف بھی اُسکو حضرت مسیح الاولیاؒ سے حاصل رہا ہو۔ کیونکہ آپ بھی منجملہ تمام فضائل و عالمانہ و مشائخانہ اوصاف کے عربی۔ فارسی اشعار کہنے کا بلند ذوق اور صحیح ملکہ رکھتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آخر میں فرحی کی سیر و سیاحت کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

فرحی کا مسلسل بیس سال تک پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہنا مذکور ہو چکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب وہ مسیح الاولیاؒ کی خدمت میں باریاب ہوا اور مریدی سے شرف یابی حاصل کی اسی آستانہ کو اپنا ماوی و ملجا بنا لیا اور یہیں چار دانگ ہندوستان سے حاضر خدمت ہونے والے سیاحوں اور حضرت کے خلفاء اور مریدین سے ہم پیالہ و ہم نوالہ رہا۔ لیکن آپ کے وصال کے بعد زیادہ عرصہ تک برہان پور میں قیام نہ کر سکا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

بعد از وصال حضرت پیر دستگیر یک سال و دو ماہ بگذشت این فقیر بحکم قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَءَ الْخَلْقَ برائے دیدن

دیدن مظاہر حق و ملاقاتِ درویشان الزاد بوم خود کہ شہر برہان پور است بمرتبۂ دو سال و مرتبہ ثانی ہفت سال در ہندوستان و کشمیر و پنجاب و کانگڑہ در زمانۂ جہانگیر بادشاہ شہر بشہر گردید۔ (کشف صفحہ ۱)

پہلی مرتبہ ۱۰۳۳ھ کے آخر یا ۱۰۳۳ھ کے آغاز میں سفر کیا۔ یہ جہانگیر کا عہد تھا دو سال اس نے مختلف شہروں کی سیر کی اور لوٹ آیا لیکن جب وہ لوٹا ہے ۱۰۳۵ھ کا آغاز تھا۔ یہ زمانہ برہانپور میں بڑی شورش اور ابتری کا دور تھا۔ خانخانان عبدالرحیم خاں کا ستارہ زوال میں آچکا تھا۔ وہ شاید ان پریشان کن حالات میں زیادہ نہ ٹھہر سکا اور جلد ہی دوسرے سفر پر روانہ روانہ ہوگیا اور مسلسل ۷ برس تک مختلف شہروں کی سیاحت کرتا رہا۔ لاہور و کشمیر میں حضرت میاں میر الاولیاء کے مریدین موجود تھے، ان کا اشتیاق اسکو وہاں بھی کھینچ لے گیا اور اس نے اطمینان سے وہاں کے علماء و اربابِ حال و قال کی صحبتوں سے دلجمعی اور روحانی فیوض و برکات حاصل کئے۔ افسوس کہ فرحی کا زمانۂ وفات اور مقامِ مزار کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ تاہم سنہ ۱۰۶۱ھ تک وہ زندہ تھا کیونکہ اس نے اپنی تالیف کشف الحقائق سنہ مذکور ہی میں ختم کی ہے۔

حضرت پیر سیدی رحمۃ اللہ علیہ

سیدی تخلص

حضرت مسیح الاولیا قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے والد کا نام سید علی تھا اور قطب السادات حضرت سید محمد گیسو دراز ؒ کی اولاد سے ہیں۔ والدہ کی طرف سے شیخ فاروقی تھے۔ آپ کی والدہ شاہ بہاء الدین باجن قدس سرہٗ کی پوتی تھیں۔

سید صاحب نجیب الطرفین ہونے کے ساتھ ساتھ جوہر ذاتی سے بھی آراستہ تھے۔ حضرت مسیح الاولیا کے نہ صرف مرید بلکہ شاگرد رشید تھے۔ آپ کے درس میں سید صاحب نے علوم ظاہری و باطنی میں بوجہ احسن تکمیل کی ہوئی تھی۔ صوفیانہ شاعری میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ مشائخ شطار کا شجرہ اپنے مرشد مسیح الاولیاء سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک برجستہ منظوم فرمایا تھا۔ مرشد سے نہایت عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ معاصرین کو آپ پر رشک ہوتا تھا۔ ان معنوی حسنات کے باوجود اپنے حال کو اہل ظاہر سے مخفی رکھتے تھے۔ سپاہیانہ وضع میں رہتے تھے اور فاروقی بادشاہ بہادر خان والیِ خاندیس و برہانپور کی فوج میں ملازم تھے۔ اکبر بادشاہ نے جب خاندیس پر فوج کشی کی اور بہادر خان قلعۂ آسیر میں محصور ہونے پر مجبور ہوا تو اس نے جن معتمد اور جاں نثاروں کو اپنی اور

قلعہ کی حفاظت کے لئے ساتھ لیا تھا۔ ان میں آپ بھی تھے۔ محاصرہ کا نتیجہ
ابھی سامنے نہ آیا تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ یہ ۹۰۰ھ کا سانحہ ہے
ان دنوں محاصرہ کی بڑی شدت تھی۔ تمام راستے مخدوش و مسدود تھے لہٰذا
آپ کو اندرونِ قلعہ فاروقی مسجد کے جنوبی جانب تھوڑی دور پر دفن کیا گیا
اور وہ وقتِ آخر اور تدفین کے موقعہ پر مرشد کی قربت اور شرکت کا شرف
حاصل نہ کر سکے ورنہ ان کی اپنے مرشد سے عقیدت کے پیشِ نظر حضرت
مسیح الاولیا کے ہاتھوں تجہیز و تکفین وغیرہ ہوتی۔

خانخاناں عبدالرحیم خان نے اپنے عہدِ امارت میں آپ کے مزار
کو پختہ تعمیر کرایا مضبوط پتھر کی صاف ترشی ہوئی سلوں سے وسیع مرتفع
چبوترہ پر ایک پتھر کا ترشا ہوا تعویذ نصب کرایا اور چاروں گوشوں پر چار
ستون قائم کر کے حسین محرابوں پر ایک خوبصورت قبہ بنوایا عام لوگ
سیدی کے بجائے آپ کو سدّی صاحب اور آپ کے مقبرہ کو سدّی
صاحب کی چھتری کہتے ہیں۔ خانخاناں کی یہ تعمیر ساڑھے تین سو سال
تک حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرتی رہی لیکن (شاید) بجلی کے صدمہ
سے ۱۳۶۱ھ میں قبہ اور محرابی تعمیر شکستہ ہو گئی۔ چبوترہ اور مزار البتہ
آج بھی اچھی حالت میں ہے۔ آسیر جب تک آباد رہا لوگ آپکا عرس نہایت
عقیدت سے کرتے رہے۔ اب بھی برہانپور وغیرہ مقامات سے لوگ
قلعہ آسیر دیکھنے کو جاتے ہیں تو آپ کے مزار پر چڑھانے کو پھول ضرور لیجاتے
ہیں۔ وہاں فاتحہ پڑھنا داخلِ حسنات سمجھتے ہیں۔ علامہ غوثی نے

چند تفصیلات لکھ کر تحریر فرمایا ہے کہ
ہجری ایک ہزار کے بعد اوّلین عشرہ میں کوچ فرمایا۔
اس سے متیقن سنہ وفات ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن اکبر کے محاصرہ
کا زمانہ بالتحقیق ۱۰۰۰ھ ہے اور آپ کے سنہ وصال کا تاریخی مادّہ
"افضل زمین" ہے۔ سیّد کی ایک رباعی

باده تو شجاں کن خون عاشقا نوشی — بعد ازیں چو مے یاد مستیوان دون جوشی
بزم تیرہ بختاں را ہچو شمع و فانوس است — طرۂ طلا بسر جامہ یکجہتی پوشی

نیچے یہ عبارت درج ہے۔ بجہت یادگاری حسب الفرمودہ ملاذ مہربان،
قدردان مخلصان اخوان پناہ عطوفت دستگاہ مرزا قاسم علی بیگ سلمہ اللہ
تعالیٰ۔ احقر عباد فقیر محمد ہاشم تحریر نمود در سفر دکن وقتیکہ حضرت ظل اللہ در
بیرم پوری کنار دریائے نبگرہ تشریف داشتند و بندہ مہمان ایشان بود
تا بود — ۷ ار رمضان المبارک سنہ ۴۱ جلوس والا موافق ۱۱۰۸ھ بیاض سندھ
یونیورسٹی حیدر آباد میں موجود ہے۔ اس زمانہ میں قاسم علی بیگ کے قبضہ میں
تھی انھیں کی فرمائش پر محمد ہاشم نے بطور یادگار تحریر سیّد کے مذکورہ شعر
لکھ دیئے ۔

حضرت شیخ صدر جہاں ابن ابوالفتح

آپ کا وطن اصلی مضافات مانک پور کا کوئی موضع ہے فطری طور پر خدا طلبی کا جذبہ رکھتے تھے۔ سیاحت کے دلدادہ تھے اور توکل شعار تھا۔ آغاز جوانی میں طواف حرمین شریفین کے شوق میں گھر سے روانہ ہوئے۔ ساحل پر پہنچے تو سمندر کو اس قدر پُر شور پایا کہ کوئی جہاز روانہ نہ ہو سکتا تھا۔ پھر آپ اسقدر علیل ہو گئے کہ سمندر کے ساکن ہونے کے بعد بھی سفر کے قابل نہیں ہو سکے۔ اندازہ ہوا کہ اس سال قدرت ہی کو میری خانہ کعبہ میں حاضری منظور نہیں۔ واپس ہوئے اور مالوہ کے سیر حاصل مقام دھار میں گذر ہوا اس اولیا خیز سرزمین سے اسقدر دلچسپی پیدا ہوئی کہ آپ نے مستقل قیام کا قصد کر لیا۔ یہاں بزرگان سلف کے مزارات سے روحانی لذت و فیض حاصل کرتے رہے اور وہاں کے برگزیدہ شیخ حضرت معروف غریب اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور بیعت سے شرف یاب ہوئے۔ حج کا موسم قریب آیا تو آپ کے مرشد نے جانے کی تیاری کی۔ ان کا فرزند شیخ تاج الدین عطاء اللہ خرد سال تھا۔ حضرت معروف نے طے کیا کہ عطاء اللہ کی پرورش صدر جہاں کے ذمہ رہے چنانچہ وہ تو اپنی خانقاہ کا جانشین اور اپنے فرزند کا پرورش کنندہ آپ کو مقرر کر کے

سفرِ حجاز کو روانہ ہوگئے۔ لیکن اس انتظام میں آپ زیارت حرمین شریفین و حج کا موقعہ نہ پاسکے۔

حضرت سید شیخ معروف غریب اللہ کا یہ سفرِ حج سفرِ آخرت بھی ثابت ہوا وہ واپس نہ آسکے اور مدینہ منورہ میں فوت ہوکر وہیں دفن کئے گئے۔ انھوں نے مکۂ معظمہ سے صدر جہاں کو ایک خط لکھا تھا جسمیں خاص ہدایا اور خلافت کی بشارت لکھی تھی چنانچہ مرشد کے وصال کی خبر ملنے کے بعد آپ مفوضہ ذمہ داریوں کو انجام دیتے رہے۔

جب مرشد کا فرزند کچھ استعداد حاصل کرچکا تو آپ نے اسکو والد کا جانشین کرکے پھر سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے خوش قسمتی آپ کو مسیح الاولیا کے آستانے پر پہنچا گئی۔ یہاں آپ کے ذوقِ خدا طلبی کی بوجہ احسن تسکین و تکمیل ہوگئی۔ حضرت کے فرمان کے مطابق وطن واپس ہوگئے لیکن ہر سال پابندی کے ساتھ برہانپور جاتے اور ایک اعتکاف کرکے لوٹ جاتے تھے تا زیست اس معمول میں فرق نہ آیا۔

علامہ غوثی حسن سے مخلصانہ مراسم تھے۔ برہانپور آتے وقت بھی اور واپس وطن جاتے ہوئے بھی دونوں وقت چند روز ان کے یہاں قیام کرتے تھے بلکہ اس آمد و رفت کے علاوہ بھی سال میں دو تین مرتبہ مانڈو جاکر علامہ غوثی کے دولتکدہ پر مہمان ہوا کرتے تھے اور عارفانہ اسرارِ حکمت کی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ علامہ غوثی نے گلزار ابرار میں آپکا حال لکھتے ہوئے ان ملاقاتوں کا بڑی محبت سے ذکر کیا ہے چنانچہ آپکے مذکورہ بالا حالات ترجمہ گلزارِ ابرار ہی سے ماخوذ ہیں آپ کا وصال ۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۰۱۴ھ میں ہوا۔ دھار (مالوہ) میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ علی متخلص مسیحیؔ

آپ احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے حضرت حسین رومی کے فرزند اور قادری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ گجرات کے بڑے دولتمندوں میں آپ کا شمار تھا۔ طریقت کی تلقین حضرت مسیح الاولیاء سے پائی تھی۔ علامہ غوثی لکھتے ہیں کہ میرے گہرے دوست تھے۔

تخلص پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مسیح الاولیا قدس سرہ کی نسبت سے ہی آپ نے مسیحی تخلص اختیار کیا ہوگا۔ صوفیانہ اشعار کہتے تھے۔ آزاد خاطر۔ فارغ البال تھے۔ حرص و آز سے بے نیاز اور اپنی حالت پر مطمئن تھے مسیح الاولیا سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ آپ کے خرق و عادات سے متعلق ایک رسالہ لکھکر علامہ غوثی کو دیا تھا۔ غوثی لکھتے ہیں کہ اس رسالہ کے چند بیانات کا خلاصہ ہی تو میں نے عبارت میں اگر اپنے گلزار کی بہار بنایا ہے مجملاً ان کے ایک روایت درج گلزار کی ہے۔ جو ترجمۂ گلزار سے بجنسہٖ پیش کرتا ہوں۔

رومی نگارخانہ میں سے ایک بات یہ ہے کہ سید محمد قادری کے بیٹے سید عبداللطیف نے شیخ عبدالرحیم[1] چشتی عادل پوری کی روایت کے حوالے سے فرمایا

---

[1] شیخ عبدالرحیم کبیر نجی حضرت شیخ ابراہیم قاری۔ محمد غلام لاہوری سندھی کے مرید و خلیفہ تھے بادشاہ ملک کلی فان بہادر شاہ فاروقی شیخ عبدالرحیم کا مرید تھا۔ آپ تشریف لے گئے عادل شاہ نے جہاں آپ پرورش نے ایک سرائے و مسجد تعمیر کروا دی۔ آپ نے اس فراح کو

کہ شیخ عبدالرحیم کہتے تھے۔ ایک رات اعتکاف کے اندر خواب اور بیداری کے درمیان مجھکو ایسا معلوم ہوا کہ چار نورانی اشخاص نے مسیح الاولیا کے بیٹھنے کے واسطے ان کے مکان میں تخت آراستہ کیا ہے اور ان کے نام سے قطبیت کا ترانہ گاتے ہیں اور مسیح الاولیا مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ جیسے شخص کو اس تخت کی نشست کے قابل نہ سمجھو۔ قصہ کوتاہ۔ ان چاروں شخصوں نے مسیح الاولیا کے بہانہ پر خیال نہ کر کے تخت کے اوپر بٹھایا۔ اور سب نے ازراہِ طرب سامنے ادب سے ہاتھ باندھ کر مبارکبادیں خوشی اور نشاط کی آوازیں بلند کیں۔

جب میں صبح کے وقت مسیح الاولیا کی خدمت میں گیا تو میرے بشرہ سے رات کی دیکھی ہوئی حالت کے آثار معلوم فرمائے۔ اجازت کے واسطے لب نہ ہلایا۔ اور مجھکو کہنے سے روک دیا۔ درس سے فارغ ہونے کے بعد جب خلوت ہوئی تو وہی خواب کی سرگذشت مجھے بے کم و کاست خود ظاہر فرمائی۔ میں نے اللہ جل شانہ کا شکر بہت زیادہ کیا کہ میری خواب اضغاث و احلام (پریشان خوابوں میں سے) نہ تھی۔

(ترجمہ گلزار ابرار صفحہ ۶۰۴)

آپ کے مزید حالات اور کہیں دستیاب نہ ہو سکے۔ وہ تو احسان ہے علامہ غوثی کا کہ انھوں مختصر نویسی کے باوصف ان کا اس قدر حال لکھدیا جو پیش کر دیا گیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) بادشاہ کے لقب کی نسبت سے عادلپورہ موسوم زبان اور مسجد کے ایک حجرہ میں زدکش ربیع ۹۵۰ھ میں وصال ہوا اور حسب وصیت اسی حجرہ میں دفن کئے گئے۔ اسی سنہ میں بادشاہ سہیل خان کی معرکہ آرائی میں شہید ہوئے۔ خانخاناں عبدالرحیم خان نے ان کا جنازہ تزک و احتشام سے لاکر عادلپورہ میں مرشد کے قریب دفن کیا۔

حضرت شیخ فرید ابن شیخ عبد الحکیم ابن شاہ باجن چشتی قدس سرہ

آپ شیخ عبد الحکیم ابن حضرت شاہ باجن کے فرزند ہیں۔ آپ کو گوناگون ازلی و پیدائشی خوش نصیبیاں حاصل تھیں۔ اول تو یہی کہ خدا نے آپ کو ایسے برگزیدہ خاندان میں پیدا کیا۔ آپ اس نامور باپ کے فرزند سعید ہیں جن کا مرید ہونے پر شیخ علی متقی جیسا عالم مقبول انام نازاں رہا ہو۔ دوسرے یہ تقدیری سعادت کہ حضرت مسیح الاولیا قدس سرہٗ کی مریدی اور شاگردی و پرواخت کا شرف پایا۔

علامہ غوثی لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح الاولیا اپنے بڑے بیٹے شیخ عبد الستار کی بعض اور آپ کی تربیت یکساں فرماتے ہیں۔ آپ نے اس فیض رسانِ عالم مرشد جامع العلوم استاد کی تعلیم و تربیت سے بوجہ احسن فائدہ اٹھایا۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے علاوہ عیانی اور بیانی عارفانہ علوم کے کمالات تک رسائی حاصل کی۔ فارسی اور عربی کی بہت سی مبسوط کتابوں کا اختصار اور انتخاب اسطرح کیا کہ وہی ان کتابوں کا لُب لباب ثابت ہوتا ہے۔ مسیح الاولیا سے فنِ شعر میں بھی استعداد بہم پہنچائی اور صوفیانہ مضامین میں زیادہ تر شاعری کرتے تھے۔ صاحب وجد و حال تھے۔ سماع سے

ذوق تھا، سرود کی محفلوں میں جب آپ وجد میں آتے تو حاضرین متأثر ہوکر نعرہ زن ہوجایا کرتے تھے۔ علامہ غوثی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپکی ظاہری صفائی اور باطنی نور سے آبائے کرام کی معرفت کے چراغ میں از سرِ نو روشنی آگئی ہے۔

آپ بھی مرشد کا انتہائی ادب کرتے تھے۔ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ آپ تیس سال تک مسیح الاولیا کے حضور میں باادب دو زانو بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ اس مداومت سے آپ کی پنڈلیوں کا رنگ تبدیل ہوگیا۔ لیکن آپ نے نہ کبھی خستگی محسوس کی اور نہ نشست میں تبدیلی کی۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

میفرمودند کہ میاں شیخ فرید سی سال بحضورِ حضرت عین العرفا قدس سرہٗ بہ دو زانوے ادب نشستند درین مدت از زانو بزانوے دیگر نہ شد، چنانچہ ساقہاے پایش رنگ گرفتہ بود اما حالش گاہے بماندگی خستہ نشد۔

(روائح الانفاس قلمی صفحہ)

آپکو مرشد کی خدمت میں حاضر باشی کا اسقدر شغف تھا کہ آبا و اجداد کی خانقاہ و مسکونہ محلات میں خاصی وسعتیں اور وافر گنجائشیں تھیں، لیکن پیر کی قربت کے خیال سے آپ نے خانقاہ سے متصل زمین خریدی اور اسپر مختصر سا مکان اور ایک مسجد تعمیر کرائی اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ حتیٰ کے مسیح الاولیاء کے وصال کے بعد بھی کچھ عرصہ تک اپنے ہمدرس و ہم مشرب مرشد زادہ شیخ عبدالستار کی رفاقت میں ہمدم و ہمراز اور مخلص مشیر رہے۔ چنانچہ روائح الانفاس ہی میں یہ روایت مطالعہ میں آئی ہے کہ حضرت بابا عبدالستار بڑے فیاض تھے یہاں تک کہ دوسروں کی حاجت روائی کے جذبہ میں اپنے اہل و عیال کو بھی

کو بھی نظر انداز کر جاتے تھے۔ اسقدر کہ گھر میں لواحقین کو مایحتاج کی تنگی ہو جاتی تھی۔ شیخ فرید نے حق رفاقت ادا کرتے ہوئے انھیں ٹوکا بھی کہ اس بے احتیاطی سے سخاوت نہ کیجئے کہ سائلوں کی پریشان خاطری آپکی دلجمعی کو ختم کرے۔ مگر حضرت بابا احتیاط کے پابند نہ ہو سکے۔ انجام کار انھیں عظیم دشواریوں کا سامنا ہوا۔ ملفوظات کی عبارت یہ ہے :-

میفرمودند کہ بابا عبدالستار را کہ شیوۂ سخاوت بسیار بود میاں
شیخ فرید منع سخاوت بسیار نمودند و فرمودند کہ چنیں نہ کنید کہ اثر
تفرقۂ قلب سائلان بدلِ جمع شما اثر کند۔ آخرالامر چنانکہ میاں
شیخ فرید میفرمودند ہماں شد و تفرقۂ عظیم روے داد۔

(روائح الانفاس قلمی ص۹۲)

حضرت مسیح الاولیاء کو بھی ان کی حسنِ ارادت و خلوص کے پیش نظر ان کی دلجوئی کا بڑا خیال رہتا تھا۔ شیخ فرید نے کافی عرصہ ریاضت و مجاہدات میں کامیابی کے بعد بخیال خود اپنے آپکو خلافت کا اہل سمجھکر خرقۂ خلافت کی درخواست کی۔ حضرت نے خلافت تو عطا فرمادی لیکن تخلیہ میں فرمایا کہ اگر دو سال اور صبر کرتے تو بہتر تھا۔

آپ کے علم و فضل اور زہد و تقوے کی شہرت تھی۔ بادشاہ عالمگیر بھی آپ سے ملتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے دریافت کیا کہ آپ نے سجادہ نشینی کے لئے کس فرزند کو تجویز کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ سجادہ ایک مصلی ہوتا ہے لہٰذا مصلا کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جو زیادہ نماز پڑھتا ہو۔
جس طرح مسیح الاولیا شیخ فرید کی دلجوئی کو ملحوظ رکھتے تھے اسی طرح ان کے

ممتاز ترین خلفاء بھی آپ کے ساتھ خصوصی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ برہان الدین رازالٰہی جو عموماً محفلوں اور تقریبوں میں شریک ہونے سے گریز کرتے تھے شیخ فرید کی دعوت کو رد نہ کر سکے۔ جانتے تھے کہ ایسی مجالس میں شرکت سے جمعیت قلب کو نقصان پہنچتا ہے مگر ان کی خوشنودی مد نظر تھی اس خیال سے شریک مجلس ہوئے۔ شیخ فرید کی دختر کی شادی تھی آپ تقریب میں تشریف لے گئے اور دو ساعت ان کے پاس بیٹھ کر چلے آئے۔ فرماتے ہیں کہ اس خلل سے ڈیڑھ سال تک دل پر تفرقہ کا اثر رہا۔ ملفوظات میں لکھا ہے:۔

میفرمودند کہ فقیر در مجلس کدخدائی دختر میاں شیخ فرید قدس سرہ،
بطلب جد ایشاں رفتہ بودم دو ساعت پاس بمقارنت شیخ اجلاس تقدم دیافتہ
گشتم سال ایک و نیم سال تفرقہ این در دل یافتم۔ (درد الائح الانفاس قلمی ص ۹۹)

حضرت شیخ فرید کی ایک دختر حضرت شیخ برہان الدین رازالٰہی کی زوجیت میں تھیں یہ معلا صحبت حضرت مسیح الاولیاء کے مشورہ کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ چنانچہ حضرت رازالٰہی قدس سرہ کی اولاد اسی محترمہ کے بطن سے ہوئی جس سے سلسلہ نسب جاری رہا۔ آپ کو آخر عمر میں اپنے اب جد کی خانقاہ کی طرف رجوع ہونے کا اتفاق ہوا اور خاندانی سجادگی پر مامور ہوئے تو سندھی پورہ کی زمین و مکان حضرت شیخ برہان الدین رازالٰہی کو تفویض فرما دیا تھا۔

آپ کی پوری زندگی زہد و تقویٰ و خدمت خلق میں بسر ہوئی اور اپنے نامور اسلاف اور عظیم المرتبت مرشد کی اتباع و تقلید میں بسر ہوئی۔ تاریخ وصال کا علم نہ ہو سکا۔ بعد رحلت خاندانی گورستان احاطۂ شاہ باجن قدس سرہ میں دفن ہوئے۔

میر محمد

یہ ۲۵ سالہ نوجوان حاجی پائندہ کا مہمان یا اُن کے ہاں مقیم تھا۔
حاجی صاحب حضرت مسیح الاولیا کے مرید تھے۔ ایک مرتبہ میر محمد بھی حاجی پائندہ
کے ہمراہ خانقاہ میں آیا اُسکے سر پر چیرہ بندھا ہوا تھا مگر اسکی بندش نہایت
بدنما تھی۔ مسیح الاولیا نے فرمایا کہ تم نے اس بری طرح چیرہ کیوں لپیٹ رکھا ہے۔
میر محمد نے ادب سے جواب دیا کہ حضرت محترم میرا داہنا ہاتھ ایک عارضہ کے باعث
شل ہوگیا ہے اونچا نہیں ہو سکتا مجبوراً بائیں ہاتھ سے جیسا بھی لپیٹا جا سکتا
ہے لپیٹ لیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا ہمارے سامنے داہنے ہاتھ سے باندھو! اس نے
اس حکم کی تعمیل کی۔ چیرہ سر سے اُتار کر از سر نو داہنے ہاتھ سے باندھنا شروع کیا۔
اول۔ اول تو ہاتھ اونچا ہونے میں تکلیف معلوم ہوئی لیکن جیسے جیسے چیرہ
بندھتا جاتا تھا ہاتھ کھلتا جاتا تھا اور چیرہ بندھنا تمام ہونے تک ہاتھ خاطر خواہ کام دینے لگا۔
میر محمد پر اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت سے خانقاہ نشینوں میں شامل ہو گیا۔
حضرت کے مکان میں چلے جانے کے بعد حاجی پائندہ نے کہا بھی کہ آؤ گھر چلیں۔ اس نے کہدیا
کہ اب میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤنگا اور یہی ہوا بھی۔ میر محمد پچھلی رات سے بیدار ہوکر باشتیاق
تمام بلند آواز سے اشعار پڑھتا اور اذان کہتا تھا۔ خانقاہ کے لنگر خانہ سے کھانا کھاتا اور کسی سے
کسی بات کی طلب اور طمع نہ کرتا چند سال اسی طریقہ پر زندگی بسر کی اور
وہیں انتقال کیا۔ فرحی کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔

روزے جوانے در بیست و پنج سالگی میر محمد نام ہمراہ حاجی پاینده که مرید حضرت پیر دستگیر بود بخدمت شمر شید خاص و عام مشرف شد و آن جوان چیرہ بسر خود بدست چپ بستہ بود و آن در نمود خوب نمی نمود ایشاں فرمودند که چرا چنیں چیرہ چرا بستۂ او عرض کرد کہ امیدگاہا پیش ازیں چند سال دست راست مرا عارضۂ سخت رو نموده بود و ازاں پس ایں دست بالا نمی شود بنا برایں بدست چپ اینچنیں چیرہ را می بندم۔ فرمودند که یارے پیش من بدست راست بہ بند او چیرہ را از سر فرود آورده بدست راست در پے بستن شد او چیرہ می بست اندک اندک دست وے کشاده می شد۔ چوں چیرہ را تمام کرد دست او تمام کشاده گردید۔ پس حضرت پیر دستگیر در دولت خانہ خود تشریف بردند۔ چوں آں جوان در خانہ حاجی پاینده چند روز مانده بود او را گفت کہ بیائید بخانہ رویم و باز اینجا خواہیم آمد۔ او بہ حاجی پاینده گفت کہ بعد ازیں ہیچ جا نرویم و در ہمیں خانقاه خواہم بود۔ آخر ہمچنیں کرد و در آخر شبہا برمی خاست و بشوق تمام بآواز بلند شعرہا را میخواند و اذان می گفت و طعام خانقاه میخورد و زندگی سے اختیار نمود و بکسے طمع نمی کرد و ہمیں ہیچ چند سال بزیست و جان بجان آفریں سپرد۔

کشف الحقائق قلمی صفحہ ۳۰

فرحی نے ان کا بھی سنہ وفات اور مقام مزار ظاہر نہیں کیا۔ واللہ اعلم کس سنہ میں وفات پائی اور کہاں دفن ہوئے۔

شیخ عبد القدوس سندھی

آپ حضرت مسیح الاولیاء کے جاں نثار رفیق اور حاضر باش مرید تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سے قرابت قریبہ کا اعزاز بھی آپ کو حاصل رہا ہو قرابت کا گمان مجھے اسلئے ہوا ہے کہ حضرت بابا فتح محمد محدث رح نے مدینہ منورہ تشریف لیجانے وقت جو ترکہ عزیز و اقارب کے لئے چھوڑا ہے اسکی تقسیم نامہ میں آپکی بیوہ کا بھی ذکر ہے۔

۱۰۱۷ھ میں آپ جوان العمر تھے۔ پھر بھی مرشد کی خدمت اور حسن ریاضت کے باعث روحانی استعداد کے مطابق پانچ خانوادوں کی خلافت سے سرفراز تھے۔ مرشد کا اشارہ تھا کہ ترقی مدارج کے بعد اسی بارگاہ سے مگر ایک توسط کے ذریعہ تمکو بقیہ نعمت بھی اپنے وقت پر حاصل ہو جائیگی۔

چونکہ آپکی چشم باطن کو بصیرت میسر آچکی تھی جب شیخ برہان الدین سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ان کی پیشانی میں وہ نور دیکھا جس کے توسط کا مرشد نے اشارہ کیا تھا مگر جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ملک حسین بنبانی کے مرید ہیں اور ان عدم موجودگی میں کسی اور رہنمائے طریقت کی جستجو میں گجرات جا رہے ہیں تو آپکو پریشانی ہوئی اور بے تاب ہو کر انھیں ترغیب دی کہ وہ حضرت مسیح الاولیا کے مرید ہو جائیں اور بالآخر انھیں آمادہ کر لیا۔ قبل اسکے کہ شیخ برہان الدین مسیح الاولیاء

سے بیعت ہوں۔ آپ نے انھیں ان پانچوں خانوادوں کی خلافت تفویض کردی جس پر وہ فائز تھے اور وعدہ لیا کہ جب آپ مسیح الاولیا سے فیضیاب ہو کر اعلیٰ مدارج پر پہنچیں تو مجھے مرید کر لینا۔ شیخ نے وعدہ کیا اور وقت آنے پر آپ کی تمنا بھی بر آگئی۔

الغرض آپ اپنے ہمراہ شیخ برہان الدین کو مسیح الاولیا کی خدمت میں لے گئے۔ انھوں نے چند ضروری سوالات کے بعد مرید کر کے ریاضت و مجاہدات کی طرف رجوع کر دیا اور تھوڑے عرصہ بعد ہی وہ مرشد کی رہنمائی اور تعلیمات سے فیض یاب ہو کر رازالٰہی کے لقب سے سرفراز ہو گئے۔

حضرت کے مزید حالاتِ زندگی کی تفصیلات علم میں نہ آسکیں البتہ یہ صراحت مختلف ذرائع سے ملتی ہے کہ آپکو رجوعِ خلق حاصل تھا۔ بعد وصال بھی آپ کے مزار سے اہلِ ارادت فیض حاصل کرتے رہے۔ چنانچہ آپ کے مزار کی نذر و نیاز کی آمدنی آپ کی بیوہ اور پسماندگان کے لئے قوت بسری کا ذریعہ رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو موت و حیات۔ ہر زمانہ میں اہلِ حاجت کی فائدہ رسانی کا فیض حاصل تھا۔ صحیح تاریخ وفات بھی معلوم نہ ہو سکی۔ سنہ ۱۰۷۴ھ سے پہلے آپ کا وصال ہو چکا تھا۔ اس کا ثبوت حضرت بابا فتح محمد محدث کے وصیت نامہ میں موجود ہے۔ مزار کی نسبت بھی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ واللہ اعلم کہاں مدفون ہوئے۔

مُلّا عبدالعزیز لاہوری رح

ملا صاحب اپنے علم وفضل کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے فطرتاً صوفیانہ مزاج پایا تھا۔ بظاہر درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے اور اسی وجہ سے ملّا مشہور تھے ۔

آپ کا شمار بھی ان خوش نصیب خلفا میں ہے جنکی ذات پر حضرت مسیح الاولیا نے اظہار تفاخر فرمایا تھا۔ فرحیؔ نے مسیح الاولیاء کے ارشاد کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے۔ بلہ

پس حضرت پیر دستگیر فرمودند کہ یقین است کہ اگر من مریدی کردم دست من بدست شاہ بازے مثل حاجی نعمت اللہ وحاجی عبدالعزیز وغیر ایشان کجا ملاقی می شد وایشان چساں بدام ارادت من می افتادند (کشف الحقائق قلمی صفحہ ۱۹)

یہ شاہ باز اوج فضائل وفواضل آپ کے دام ارادت میں کسطرح اسیر ہوا اسکی دلچسپ تفصیل یہ ہے کہ ملا صاحب موصوف اپنے وطن سے ادائے فریضۂ حج کے ارادے سے براہ خشکی روانہ ہوئے اور مختلف اسلامی بلاد وامصار کے علماء ومشائخ کی صحبت سے اکتساب فیض کرتے ہوئے حج کی سعادت حاصل کی۔

واپسی میں برہانپور آنا ہوا۔ یہاں بھی مشاہیر علما وصوفیا کی خدمت میں باریابی

رہے۔ جب حضرت مسیح الاولیا کی خانقاہ میں رسائی ہوئی تو دل کو عجیب فرحت اور روح کو بے انتہا لذت محسوس ہوئی۔ کمال نیازمندی اور حسنِ ارادت سے مرید ہو کر زمرۂ خانقاہ میں منسلک ہو گئے۔ جوہرِ قابل رکھتے تھے۔ فیض رساں مرشد کی چند روزہ توجہ سے کمالات روحانی سے بہرہ یاب ہو گئے۔ مسیح الاولیا نے تکمیلِ مدارج کے بعد آپ کو وطن جانے کی اجازت دیدی۔ آپ خدمت اقدس سے جدا ہونا گوارا نہ کرتے تھے۔ مگر ارشاد مرشد کی تعمیل بھی ضروری تھی بادل ناخواستہ لاہور گئے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر واپس آ گئے۔ پیر کی محبت میں آپ کا یہی وطیرہ رہا کہ جب مسیح الاولیا بتاکید رخصت کرتے آپ چلے جاتے اور چند ہی روز کے بعد بیقرار ہو کر چلے آتے حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت نے رخصت کے وقت ہدایت کی کہ جب تک میں طلب نہ کروں یہاں نہ آنا! آپ اس حکم سے تڑپ اٹھے اور ادب سے عرض کی کہ میں نامعلوم عرصہ تک جدائی کا صدمہ کیسے برداشت کر سکوں گا۔ حضرت نے دلجوئی کی اور فرمایا کہ ایسا نہ ہوگا ہم جلد ہی مل سکیں گے۔ لیکن خبردار اس ہدایت کے خلاف عمل نہ کرنا۔ غالباً یہ ۱۱۳۰ھ کا زمانہ تھا۔ جیسا کہ فرحی کی آئندہ وضاحت سے ثابت ہوتا ہے۔

فرحی نے طویل عبارت میں یہ واقعہ بالتفصیل لکھا ہے کہ حضرت مسیح الاولیا کے وصال کے ایک سال دو ماہ بعد جب میں برہانپور سے دل برداشتہ ہو کر سیاحت کیلئے نکل گیا جب لاہور پہنچا تو ملا عبد العزیز سے ملاقات ہوئی قبل اسکے کہ میں انھیں حضرت پیر دستگیر کے وصال سے مطلع کرتا خود انھوں نے بتایا کہ حضرت کی تاکید کے باوجود جب میں ان کی

جدائی کے اشتیاق کو ضبط نہ کرسکا تو اس اعتماد پہ کہ برہانپور جانے میں حضرت کے ارشاد کی خلاف ورزی تو ہوتی ہے لیکن امید ہے کہ دیرینہ شفقت کے پیش نظر حضرت معاف فرمائیں گے۔ سفر کی تیاری کی۔ جس رات میں نے تہیہ کیا تھا کہ صبح روانہ ہو جاؤنگا۔ اس رات اس خیال سے کہ دعائے سیفی کا ورد ناغہ نہ ہو جائے آخر شب بیدار ہو گیا اور ورد شروع کیا ہی تھا کہ مجھ پر عجیب حالت طاری ہو گئی میں نے دیکھا کہ حجرہ کی دیواریں اور چھت ہر چیز عینک کے مانند شفاف ہو گئی ہے۔ اور میری نگاہیں زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو دیکھ رہی ہیں۔ اور نظر آیا کہ کوئی چیز پرواز کرتی ہوئی میری طرف آرہی ہے۔

یکایک میں نے دیکھا کہ حضرت پیر دستگیر موجود ہیں اور فرمارہے ہیں کہ میں نے رخصت کرتے وقت تاکید کردی تھی کہ بلا طلب نہ آنا۔ پھر تم نے برہانپور آنے کا قصد کیوں کیا۔ میں نے عرض کیا کہ اشتیاق دیدار مجھ سے ضبط نہ ہو سکا خیال تھا کہ معذرت کرنے پر حضرت میری یہ خطا معاف کردیں گے۔ فرمایا شوق ملاقات تھا تو میں آگیا ہوں مل لو۔ لیکن ہمارے تمہارے درمیان علمی صحبتوں کی جو مقدار قدرت کی طرف سے معین تھی تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ چنانچہ میں تمہیں منع کرنے کے لئے آگیا تھا کیونکہ تمہارا بالغرض ملاقات آنا بے سود تھا۔ (ترجمہ کشف الحقائق صفحہ ۹۴ تا ۹۶)

تا ہم یہ ہے کہ مسیح الاولیاؒ نے اسی مصلحت سے ملا صاحب کو برہانپور آنے سے منع فرمادیا تھا کہ آپ بذریعہ کشف آگاہ تھے کہ مشتاق دیدار مرید اس قدر طولانی سفر کی زحمتیں اٹھاکر برہانپور آئے گا اور مجھے نہ پائیگا تو یہ روح فرسا صدمہ برداشت نہ کرسکے گا۔ چنانچہ اس کا اشتیاق دید بھی

آخر وقت میں پورا فرما دیا اور کنایۃً بتا دیا کہ ظاہری ملاقات کا مقصد تمہارے لئے حصول فیض و باطنی تعلیم جس قدر ہماری ذات سے متعلق تھی وہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے اب ملاقات ہونے کی صورت اور ضرورت باقی نہیں رہی۔

یہ سنہ ۱۰۳۲ھ کا واقعہ ہے۔ قریحی ملا صاحب کو بقید حیات اور صحت و عافیت کی حالت میں چھوڑ کر ان سے رخصت ہو کر آگے چل دیا۔ واللہ اعلم اس کے بعد وہ کب تک زندہ رہے۔

درویش عبدالحکیم سیاحؒ

درویشوں کی عرفِ عام میں دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک "بے نوا" جو اپنے پاس کوئی اثاثہ یا ساز و سامان نہیں رکھتے نہ ان کا کہیں ٹھکانا ہوتا ہے۔ جہاں پڑ رہے وہی مسکن۔ جو میسر آگیا وہی قوتِ لایموت۔ دوسرے "بانوا" یہ بھی تجرد اور توکل پر بسر تو کرتے ہیں۔ لیکن اپنے لئے ٹھکانا تجویز کر لیتے ہیں جس کو تکیہ کہا جاتا ہے۔ تکیہ ایک کمرہ کا مختصر سا کھلا ہوا مکان ہوتا ہے جسمیں عموماً دروازہ نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ عبدالحکیم بھی "بانوا" درویش تھے۔ اور بڑے سیاحت پسند۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ جزیرہ سراندیپ کی بھی سیر کی تھی۔ اور بے شمار مشائخ، فقراء اور درویشوں کی ملاقات سے فیض یافتہ تھے۔ برہانپور تشریف لائے اور جب حضرت مسیح الاولیاءؒ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو شاید انھوں نے پالیا جس کی جستجو میں برسوں سے اکنافِ عالم میں سرگرداں تھے، بیرونِ شہر برہانپور تکیہ بناکر مقیم ہوگئے اور حضرت کی خدمت میں روزانہ حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اور معیت ہونے کی برکت سے جلد جمعیتِ خاطر کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔

فرحی نے سیاحِ مذکور کی زبان سے سُنا ہوا ایک دلچسپ واقعہ کشف الحقائق میں درج کیا ہے جس کا ترجمہ بالاختصار حضرت مسیح الاولیا کے ذکر میں درج کیا گیا ہے یہاں اصل عبارت درج کئے دیتا ہوں کہ کس طرح سیاح نے حضرت کی کرامت دیکھنے کی اپنے دلمیں خواہش کی اور کس طرح اس کا ظہور ہوا۔ اصل عبارت مذکور یہ ہے:۔

درویشی عبدالحکیم نام کہ سیاح بود بسیار اعزہ را دیدہ و سیر بسیار نمودہ ہم کردہ چون در برہانپور آمدہ حضرت پیر دستگیر را دید بیرون شہر تکیہ بستہ بماند۔ و ہر روز بخدمت حضرت ایشان می آمد روزے عید رمضان بود عبدالحکیم سیاح و جملہ درویشان در ملازمت حضرت شیخ مسیح منقبت حاضر بودند کہ عبدالحکیم را در خاطر گذشت کہ اگر حضرت قبلہ گاہی از اولیای کامل اند این سنگریزہ ہای صحن را بتصرف خود بہ زر و نقرہ بدل کنند و چون امروز عید رمضان است در خانہ ہر کس سنوین شیر خوردہ جز مرا نان گرم کہ بہ روغن و شکر باشد بخورانند ناگاہ دیدم کہ در صحن تمام سنگریزہ اند زر و نقرہ گردیدند بس بخاطرم رسید کہ چندے ازانہا برگیرم باز در دل گذشتم کہ مبادا این حرکت ملہ حضرت حقائق آگاہ را ناموزون آید و ما سبب تفرقہ شود بنا برین نگرفتم۔ پس حضرت شیخ مسیح الاولیاء روبطرف من کردہ فرمودند کہ بعضی مردم از ان سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام معجزہ طلب کردہ و آنرا دیدہ اسلام آوردہ و از وصال حق محروم ماندند کسانیکہ بے طلب معجزہ ایمان آوردند ایشان را وصال حق روزی ہمی شد اکنون بحکم الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتی ہمہ معاملہ مرشد ہم برین نمط است بعد از شنیدن این سخن بغایت انفعال کشید عذر بسیار کردم و بعدہ تشریف بردن حضرت ایشان ہمان سنگریزہ بحال خود شدند۔ و من از خانقاہ بہ تکیہ خود رفتم کہ شخصے نان گرم با روغن و شکر چنانکہ در خاطرم گذشتہ بود بدستم دادہ رفت۔ این ماجرا پیش ایں جانب مقرر عبدالحکیم خود گفتہ بود۔ کشف الحقائق قلمی صفحہ ۵۰

فرحی نے سیاح کا اسی قدر ذکر کیا ہے اور کہیں بھی اس کے حالات نگاہ سے نہیں گزرے لہٰذا سیاح کی وفات اور مزار کا پتہ چلانا مشکل ہے۔ اس لیے بھی کہ ممکن ہے وہ اپنے تکیہ میں دفن کیا گیا ہو تو بھی برہان پور کے لاتعداد تکیوں میں سیاح کا تکیہ کہاں واقع تھا۔

شیخ عثمان ابن احمد سندھی رح

شیخ صاحب مسیح الاولیا کے رفیقِ قدیم اور دوراول کے مریدین میں شامل ہیں۔ خلافت سے سرفراز تھے انھوں نے فرحی سے یہ روایت بیان کی تھی کہ:۔

ایک مرتبہ خوشگوار چاندنی رات میں مسیح الاولیا تفریحاً گھر سے نکلے راوی۔ میاں اسحٰق کاکن۔ اور بہاءالدین دتہ بھی ہمراہ تھے جب محلہ خرادی بازار میں پہنچے وہاں ایک گوشہ میں چکی کے دونوں پاٹ نظر آئے جنمیں ایک ٹوٹا ہوا تھا۔ حضرت نے ٹوٹے ہوئے پتھر پر توجہ فرمائی معاً اس پتھر میں سے ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی آواز آنے لگی جسے ہم علانیہ سن رہے تھے۔ میاں اسحٰق راستہ ہی سے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ حضرت کو معلوم ہوا تو بہاءالدین دتہ کو بھیکر اُنھیں بلایا۔ ان کا مکان وہاں سے فاصلہ پر تھا۔ پھر بھی جب وہ آئے اُسوقت تک پتھر سے ذکر جاری تھا جس کو میاں اسحٰق نے واپس آکر بھی ظاہری کانوں سے سنا۔

فرحی لکھتے ہیں کہ مدتِ مدید بعد میں نے حضرت سے اس روایت کی تصدیق چاہی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ بات کس سے سنی ہے؟ جب میں نے شیخ عثمان کا نام لیا تو حضرت قبلہ نہایت برہم ہوئے اور فرمایا کہ یہ بے وقوف

ابتدائے احوال میں اکثر میرے ساتھ رہا ہے اور اس قسم کی کئی باتیں مشاہدہ کرنے کے باوجود اپنی بدنصیبی سے منکر پایا گیا۔

فرحی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت کی یہ برہمی اس وجہ سے تھی کہ لوگوں نے حضرت سے کہا تھا کہ شیخ عثمان مذکور آپکی مریدی سے انکار کرتا اور یہ بتاتا ہے کہ میں حضرت کا پیر بھائی ہوں۔ چنانچہ جب حضرت قبلہ کو برہم دیکھا تو میں نے عرض کی کہ مجھے امید ہے کہ وہ عاجز پھر بھی آپ کے لطف وکرم سے محروم نہ رکھا جائے۔ کیونکہ خود حضور نے حضرت شاہ لشکر محمد عارف رح کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ

"اگر کوئی مرید میری مریدی سے منکر ہو جائے تب بھی روزِ قیامت میں اسکو پاداشِ گناہ سے نجات دلاؤں گا"

میری اس گذارش وسفارش پر حضرت کا غصہ لطف وکرم سے مبدل ہو گیا اور فرمایا ایسا ہی ہے میری یہ برہمی اِس قسم کے لوگوں کی تربیت کے مقصد سے ہے اور بس۔ سطورِ بالا فرحی کے ان جملوں کا ترجمہ ہیں:۔

بعد شنیدن این نقل چون مدتے مدید برآمدہ بود فقیر را بارۂ تردد در تحقیقِ آن وقوع یافتہ ازیں سبب روزے پیشِ حضرت پیر استفسار میکردم حضرت ایشان فرمودند این راناز کہ شنیدہ بود۔ بعرض رسانیدم کہ از شیخ عثمان ابن احمد چون نامِ آن مرد گفتم بہ غضب درآمدند و چہرۂ مبارک

آنحضرت سرخ شدہ فرمودند کہ آں بے عقل در ابتدائے احوال

اکثر اوقات ہمراہ من بود و بسیار چیزہا از قسم این حالت اور امعائنہ

افتاد اما از بے طالعی خود آخر منکر برآمد و این غضب را سبب

آں بود کہ مردم پیش حضرت پیر دستگیر میگفتند کہ شیخ

مذکور از مریدی شما منکر شدہ خود را ہم پیرہ شما میگوید۔

القصہ چوں غصہ بر آں نمودند این فقیر عرض نمود کہ قبلۂ عالم

احاطۂ کرم و لطف حضرت پیر دل نگردد بجہت آں کہ از زبان

مبارک حضرت شنیدہ ایم کہ بندگی حضرت جند اللہ فی الارض

فرمودند کہ اگر مریدے از مریدی من منکر گردد در روز جزا

دے را و سے را برائے عصیاں گرفتہ باشند من او را

خلاص گردانم ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۔ چوں فقیر این سخن گفت تمام

غضب آں حضرت بلطف مبدل شد و فرمودند آرے

ہمیں است کہ شما گفتید و این غصۂ من بواسطۂ تربیت

این مردم است ۔ کشف الحقائق قلمی ص ۴۶

انجام شیخ مذکور

ان کا حال بھی فرحی نے اسی قدر لکھا ہے۔ اس بیان کے علاوہ ان کا ذکر اور کہیں نگاہ سے نہیں گذرا۔ واللہ اعلم کب تک زندہ رہے اور کہاں دفن ہوئے ۔

مسیح الاولیا کے لاتعداد مریدین و خلفاء میں سے چند جن کے کچھ حالات
بہم پہنچ سکے ان کے جداگانہ اذکار اس تذکرہ میں منسلک ہیں۔ لیکن
وہ متعدد بزرگان کے متعلق زیادہ معلومات پر دسترس نہ ہو سکا
بطور فہرست پیش کرتا ہوں جو حسبِ ذیل ہے:۔

(۱) شیخ عثمان ابنِ شیخ احمد سندھی۔ یہ شخص آپ کا رفیقِ قدیم اور
دورِ اوّل کے مریدین میں شامل ہے۔ خلافت سے سرافراز تھا معتوب
بھی ہوا لیکن فرحی کی سفارش سے معاف کر دیا گیا تھا اس کا مختصر
ذکر شاملِ تذکرہ ہے۔

(۲) حاجی اسحٰق سندھی۔ ان کا ذکر شیخ عثمان کی روایت میں بھی ملتا ہے
جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا شمار مسیح الاولیاء کے دورِ اوّل کے مریدین میں
ہے۔ نیز آپ مسیح الاولیا کے جان نثار رفیق رہے حتیٰ کہ جب اکبر بادشاہ
۱۰۰۹ھ میں بہ جبر مسیح الاولیا کو آگرہ لے گیا۔ اس عالم میں آپ حضرت کے
رفیق سفر رہے ہیں۔

(۳) حاجی نعمتہ اللہ۔ فرحی نے ان کو کہیں لاہوری اور کہیں ساکنِ شیخوپورہ
لکھا ہے۔ یہ مسیح الاولیا کے وہ خوش نصیب مرید ہیں جن کی ذات پر
حضرت نے ایک سے زیادہ مرتبہ اظہارِ تفاخر کیا ہے۔ ایک مقام
فرحی کے الفاظ ہیں:۔

اگر من مریدی کردم دستِ من بدستِ شاہبازے مثل
حاجی نعمتہ اللہ...... و غیر ایشاں کجا ملاقی می شد و ایشاں

چساں بدامِ ارادتِ من می افتادند۔ (کشف الحقائق ص۱۹)

آپ حضرت کے درس میں شریک ہوتے تھے اور فہمیدہ نافہمیدہ ہر قسم کے سوالات کر گزرتے تھے۔ حضرت کو اور دیگر طلباء کو شاق تو گزرتا، لیکن آپ اخلاقاً انھیں کچھ نہ کہتے۔ چنانچہ ایک روز فرحیؔ سے فرمایا کہ اگر آج مدرسہ کا وجود نہ ہوتا اور نعمت اللہ تیرے درس میں نہ آتا تو میں مجذوب ہو جاتا۔ اصل عبادت یہ ہے:-

نعمت اللہ لاہوری کہ پارۂ طالب علمی داشت در درسِ آنحضرت حرف بسیار میکرد بعضے فہمیدہ و بعضے نافہمیدہ و حضرت ایشان بجہت خلق او را چیزے نمیگفتند اما مزاج طالب علماں و حضرت پیر دستگیر تیز می شد۔ بنا بر علیہ روزے بایں ضعیف فرمودند کہ اگر دریں روزہا بناءِ مدرسہ نمی گشت و نعمت اللہ لاہوری در درس نمی آمد از غلبۂ حالت من مجذوب می شدم۔ (کشف الحقائق ص۵۰)

حاجی نعمت اللہ آگرہ کے نامرغوب سفر میں بھی حضرت کے ہمراہ تھے۔ بیانہ کے صحرا میں حضرت کو گرمی کی شدت سے پیاس کا غلبہ ہوا تو حاجی موصوف نے صحرا میں جستجو کے بعد ایک تالاب دیکھا۔ چونکہ دھوپ کی تمازت سے بالائی سطح کا پانی گرم محسوس ہوا تو آپ نے معہ ملبوس غوطہ لگا کر تالاب کی تہ سے ٹھنڈے پانی کی چھاگل بھری جو حضرت نے سرِ سواری نوش کر کے بہت دعائیں دیں۔ حاجی موصوف حضرت کے وصال کے دو سال بعد تک زندہ تھے اور اپنے وطن شیخوپورہ میں موجود تھے۔ فرحیؔ اپنی سیاحت کے

زمانہ میں اُن کے ہاں مہمان رہ چکا ہے اور مذکورہ بالا روایات ان کی تصدیق سے درج کتاب کی ہیں۔ (ترجمہ کشف الحقائق قلمی صفحہ ۵۸)

(۴) میاں عبدالکریم۔ حضرت شاہ عالم کے عرس کے روز میاں عبدالکریم کو شوق پیدا ہوا کہ وہاں اکثر فقرا جمع ہوں گے۔ قوالی کا خوب لطف آئیگا۔ کاش میں وہاں جا سکتا۔ حضرت پر یہ بات منکشف ہو گئی حکم دیا کہ جاؤ دیکھو پتا ناکہ عرس میں کون کون شریک ہیں۔ آپ وہاں گئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جس کی صورت دیکھتے ہیں حضرت پیر دستگیر کی شکل نظر آتی ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

میاں عبدالکریم مرید حضرت پیر دستگیر را روزے بخاطر رسید کہ امروز عرس حضرت شاہ عالم است اکثر فقراء درانجا حاضر باشند و سرود ہم خوب خواہد بود کاشکے من ہم آنجا میرفتم، چوں ایں خطرا ورا روئے نمود حضرت ایشاں وے را فرمودند کہ برو و در عرس شاہ عالم دیدہ بیا کہ کدام کدام مردم درانجا حاضر شدہ اند چوں او آنجا رفت وہر شخص را کہ نگاہ میکرد صورت حضرت مشاہدہ می نمود۔ (کشف الحقائق قلمی صفحہ ۳۰)

(۵) شیخ حسن۔ حضرت کا یہ مرید حُسنِ اعتقاد اور جمعیت قلب کے اوصاف سے اسقدر آراستہ تھا کہ حضرت نماز میں امامت کرتے اور وہ بعد میں آکر شریکِ جماعت ہو جاتا۔ اُسکی جمعیتِ خاطر کا اثر آپ کے باطن پر پڑتا ہو جاتا اور آپ کو اسکا آنا محسوس ہو جاتا تھا فرحی کے الفاظ یہ ہیں:۔

مریدے داشتم حسن نام کہ اعتقاد و اخلاص و جمعیت و حلاوت

بروجہ کمال داشت وہر گاہ کہ من امامت میکردم واواز عقب آمدہ اقتدا می نمود اثر جمعیت او در باطن من ظاہر می شد و دانستم کہ حسن آمد۔ (کشف الحقائق صفحہ ۲۹)

(۶) سید یتیم اللہ۔ برعکس سابق الذکر شیخ حسن کے سید یتیم اللہ کی تربت سے مسیح الاولیاء کو تفرقۂ باطن کا سامنا ہو جاتا تھا۔ ملفوظات میں یہ عبارت ملتی ہے :-

شخصے بود سید یتیم اللہ نام پیش من مرآۃ العارفین شروع کردہ بود ہر گاہ کہ وے راسبق میگفتم چناں تفرقہ در باطن من مستولی می شد کہ ہلا درمی یافتم کہ دل در پہلوے چپ است یا راست۔ (کشف الحقائق صفحہ ۲۹)

(۷) ملا ابوالخیر۔ آپ صاحب علم وفضل تھے اور اپنے علمی تبحر پر نازاں بھی۔ مسیح الاولیا سے عقیدت ضرور رکھتے تھے مگر مرید نہیں ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ ایک مرتبہ سبحانی وما اعظم شانی کا مسئلہ پیش تھا مسیح الاولیا نے اس کو ایسے دل نشین طریقہ سے حل کیا کہ حاضرین احسنت و مرحبا کہہ اٹھے۔ ملا ابوالخیر بھی موجود تھے فرمایا کہ یہ مسئلہ اکثر بزرگوں سے دریافت کیا گیا، لیکن ایسا حل کسی نے بیان نہیں کیا اور وہ مرید ہو گئے۔

چوں حضرت پیر دستگیر این را بیان فرمودند۔ ملا ابوالخیر را اعتقاد بر حضرت ارشاد پناہی غالب شد۔ مرید گشت ومیگفت کہ

در ولایت پیش اکثر اعزا بردہ بودند اما ہیچکس اینچنیں مثنی نہ گفت
(کشف الحقائق صفحہ ۱۳)

(۸) شیخ محمد صدیق کابلی۔ آپ شیخ بادشاہ کے فرزند تھے جو کابل کے مقتدائے عصر تھے۔ والد کی موجودگی میں محض مسیح الاولیا کی خدمت و ملازمت کے ارادہ سے برہان پور آئے اور بیعت سے شرفیاب ہو کر واپس کابل چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد پھر برہان پور میں حاضر خدمت اور شریک درس ہوئے حضرت نے انھیں عین المعانی کا درس شروع کرایا۔ اس زمانہ میں مدرسۂ کلاں کی تعمیر کا کام جاری تھا۔ آپ خود بھی کاریگروں کو چونہ کی تغاریاں (آہنی ٹوکریاں) دینے میں شرکت فرماتے۔ نیز دیگر شاگرد و مریدین بھی۔ محمد صدیق مذکور بھی یہ کام بڑی خوشی اور سرگرمی سے انجام انجام دیتے تھے۔ (ترجمہ کشف الحقائق صفحہ ۱۷)

(۹) شیخ مجتبیٰ۔ آپ مسیح الاولیا کے درس میں رسالہ امدادِ صوفیہ مدیسیفی کا سبق پڑھتے ہوئے ملتے ہیں۔ فرحی نے ایک طولانی عبارت کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔

حضرت سلامت بعدہٗ بہ صاحب سبق سیفی میاں شیخ مجتبیٰ
را فرمودند کہ بیشتر بخوانید۔ (کشف الحقائق صفحہ ۴۴)

(۱۰) بہاء الدین وتہ۔ ان کا نام صرف شیخ عثمان سندھی کی روایت میں ملتا ہے کہ آپ مسیح الاولیا کے ہمراہ شب ماہ میں سیر کو گئے اور بازار خرادیاں میں سنگ آسیا کو حضرت کی توجہ سے ذکر کرتے

ہوئے سنا تھا اور میاں اسحٰق کو بلانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اصل عبارت شیخ عثمان کے ذکر میں پیش کی جا چکی ہے۔ لہٰذا یہاں اعادہ غیر ضروری ہے۔

(۱۱) میران عبد الرحمٰن۔ فرحی نے ان کی بیان کی ہوئی ایک نقل کا ذکر لکھتے ہوئے ان کا نام نہایت شائستہ القاب و خطاب سے لکھا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ آپ مسیح الاولیا کے روحانی خلوت کدہ تک رسائی رکھتے تھے اور یہ شرف پیر کی نگاہ میں عزیز و مقبول ہونے کی دلیل ہے۔ فرحی لکھتے ہیں کہ:۔

اے عزیز سید السادات میران عبد الرحمٰن کہ صاحب تجرید و تفرید و شہسوار میدان فقر و توحید بودند و مرید حضرت پیر دستگیر بودند روزے پیش ایں ضعیف از حضرت مسیح الاولیا شنیدہ نقل میکردند۔ (کشف الحقائق صفحہ ۳۵)

(۱۲) شیخ محمود
(۱۳) سید یعقوب
(۱۴) عبد القادر بن خلیل

یہ تینوں آپ کے برگزیدہ خلفاء تھے۔ مسیح الاولیا نے ایک روحانی مسرت کے موقعہ پر انھیں یاد فرمایا جب کہ یہ لوگ حضرت کی اجازت سے ادائے فریضۂ حج کے لئے حجاز مقدس گئے ہوئے تھے۔ فرحی کے الفاظ یہ ہیں

پس گفتند آں طفلانے کہ بزیارتِ کعبہ رفتہ اند کجا اند تا ذوق امروزہ عیسے را مشاہدہ میکردند و آں طفلاں اشارت بہ

برشیخ محمود و سید یعقوب و عبدالقادر بن خلیل کردند که اینہا خلفاے
برگزیدۂ حضرت ایشان بودند و دران سال اجازت گرفتہ بقصد
حج رفتہ بودند۔ (کشف الحقائق صفحہ ۳۲)

(۱۵) نورالایمان - ان کا ذکر حضرت مسیح الاولیاء کے تذکرے میں مذکور
ہو چکا ہے۔ یہ وہی فنافی الشیخ مرید ہیں جنھیں ایک مرتبہ حضرت نے
سراویل (خلعت خاص) عطا فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد وہ عطیہ کسی نے
طلب کیا۔ آپ - چونکہ ہر پیکر میں پیر کو ہی جلوہ گر پاتے تھے یہی سمجھ کر
کہ حضرت طلب کر رہے ہیں بے تامل دے دیا۔ مولانا سید عبدالحی لکھتے ہیں:۔

چوں این خبر بہ عین العرفا رسید اورا طلب داشتہ
زمودند فلانے مشائخ کبار سراویل بمریدان و مسترشدان
می دادند من ترا ازراہ لطف وکرم دادم چرا بمردم سراویل میدہی
چون چشم شہود وجود حق داشت جواب دادکہ چیا خود
می دہند وخود می طلبند چگونہ نہ دہم و ابا نمایم، خوشوقت
شدند و ثنا بر و گفتند۔ (روائح الانفاس قلمی صفحہ ۱۲۱)

(۱۶) مُلا یوسف - آپ مسیح الاولیا کے مرید اور شاگرد بھی تھے۔ آپکی
خدمت میں تبحر علمی بہم پہنچایا تھا۔ علم فقہ اور تصوف میں بھی دستگاہ
کامل رکھتے تھے۔ مدرسہ میں مسیح الاولیا آپ سے لائقہ خدمات
انجام دلاتے تھے۔ چنانچہ مُلا صاحب فرحی کی نشان دہی کے مطابق
لوائح جامی کا درس دیتے ہوئے ملتے ہیں۔ اس مقام کی اصل عبارت یہ ہے:۔

روزے ایں ضعیف در اوائلِ احوال پیش ملا یوسف کہ شاگرد
و مرید حضرت پیر دستگیر و فضیلت مآب خصوصاً در علم فقہ و در علم
حقائق بسیار مہارتے داشتند رفتہ بنشست و در آن زمان
پیش ایشان شخصے لوائح شروع کردہ بود۔ کشف الحقائق صہ ۹

(۱۷) سید چاند۔ مسیح الاولیار کے صاحبِ کرامت مرید تھے فیض
رساں مرشد نے آپکو بھی صاحبِ فیض بنا دیا تھا۔ فی زمانہ بھی آپ کے
مزار سے چشمۂ فیض و برکات جاری ہے۔ آپکا مزار برہانپور سے چار پانچ
میل دور ویرانہ مقام پر واقع ہے اور لوگوں کو کچے راستے سے بدشواری
وہاں تک پہنچنا ہوتا ہے۔ پھر بھی کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ وہاں مرادیں
مانگنے اور نذر و نیاز ماننے والوں کا ہجوم نہ ہوتا ہو۔ عرفِ عام میں
لوگ اِس مقام کو شیخ چاند ولی کی درگاہ کہتے ہیں اور نہ صرف مسلم
بلکہ نواحی دیہات کے غیر مسلم بھی اسی عقیدت سے حاضر ہوتے ہیں۔
مسیح الاولیا کا مرید ہونے کی صراحت اِن الفاظ میں ملتی ہے۔

روزے حضرت مسیح الاولیا بہ سید چاند کہ یکے از مریدانِ
قدیمی آں حضرت بود فرمودند ملاقات ہر درویشی کہ بر ویداطل
صورت پیر خود حاضر دارید پس بدو ملاقی شوید۔
(روائح الانفاس قلمی صہ ۲۵)

(۱۸) خواجہ محمد فاضل ۔ مسیح الاولیار کے حاضر باش خادم اور قدیم
مریدین میں شامل ہیں۔ صاحبِ جذب و اثر تھے۔ مولوی بشیر الدین

برہان پوری نے علم اللہ کمال کے ملفوظات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ برہان الدین راز الٰہی چلہ کی تیرہویں شب برات کے آخری حصہ میں عجیب وغریب مشاہدوں کے باعث آپ پر ایک جذبۂ عظیم طاری ہوا اور آپ ننگے سر ننگے پیر اور ننگے بدن حجرہ سے نکل کر صحرا کا رخ کیا۔ اسی وقت حضرت مسیح الاولیا خلافِ عادت حرم سے باہر آئے اور مریدوں کو آپکی تلاش کے لئے ہر طرف دوڑایا حضرت مسیح الاولیا کے خلیفہ خواجہ محمد فضل کو (یہاں سہو نظر یا سہو کتابت ہے۔ محمد فاضل ہونا چاہیئے۔ راشد) بازار کے راستے پر مزار کے قریب مل گئے۔ انھوں نے آپ کو اپنی چادر اڑھادی اس سے آپ کے جذبہ میں کمی ہو گئی اور خواجہ موصوف آپ کو خانقاہ میں لائے۔

(معارف مئی جلد ۷۰ ص۳۸۳)

انھیں محمد فاضل کا ایک مرتبہ بے موقعہ سلام حضرت کی بدمزگی کا باعث ہوا تھا۔ مسیح الاولیاء نے افطار کے بعد کھانا کھایا پھر فالودہ کی پیالی پیش ہوئی آپ چمچہ لے کر نوش کرنا ہی چاہتے تھے کہ محمد فاضل نے سلام علیکم کہا، یہ آواز سنتے ہی آپ کا استغراق ختم ہو گیا چمچہ ہاتھ سے گر گیا اور آپ اٹھ کر مکان میں چلے گئے اور شیخ عبدالستار سے کہا کہ اس بھلے آدمی نے کس وقت سلام کیا ہے کہ مجھے تکلیف پہنچ گئی — روائح میں اسطرح مذکور ہے:-

روزے مسیح الاولیا روزہ افطار کردہ بخوردن طعام

مشغول شدند بعد از فراغ طعام فالودہ آوردند قاشقی ازان برداشتہ بدہن رسانیدند و باستغراق افتند۔ مریدے محمد فاضل نام برخاستہ بآواز بلند سلام علیکم گفت۔ بمجرد استماع قاشق از دست انداختہ متوجہ خانہ شدند چوں اندرون محل تشریف بردند بمیاں عبدالستار کہ پسر کلاں آں حضرت بود فرمودند کدام وقت سلام کرد کہ حالت مرا دقت۔ ما نبد

(روائح الانفاس قلمی صفحہ ۲۰۶)

(۱۹) شیخ منظام
(۲۰) میر کلال
(۲۱) عبدالسمیع قاضی زادہ

ان تین بزرگوں کے علاوہ فرحی نے عبدالرحمٰن اور شیخ رکن کے بھی نام لکھے ہیں کہ یہ پانچوں حضرت مسیح الاولیا کی توجہ سے مجذوب ہو گئے تھے۔ پھر آپ ہی کی توجہ سے کمال شعور و ہوش سے بہرہ ور ہوئے۔ قاضی زادہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہوش میں آتا تھا بقیہ چار شخص دیگر مقررہ دنوں میں۔ قاضی زادہ کے دو برادر بزرگ تھے انھوں نے بڑی منت و عاجزی سے اپنے بھائی کے باہوش ہو جانے کے لئے عرض کی۔ حضرت نے سمجھایا بھی کہ اس کیفیت میں اسکو وہ عالم میسر ہے جس کی تمنا میں اکثر مشائخ جہان سے گئے لیکن تمنا پوری نہ ہوئی۔ لیکن ان کا اصرار دیکھ کر توجہ فرمائی اور اس کا جذب ختم ہو گیا۔

اصل عبارت یہ ہے:۔

اے عزیز در حضور این فقیر بتوجہ حضرت ارشاد پناہی پنج درویش

مجذوب والعقل شدند و باز بتوجہ حضرت ایشان کمالِ شعور یافتند
یکے ازاں فقیراں عبدالرحمٰن دوم شیخ نظام۔ سویم شیخ
رکن۔ چہارم میر کلال۔ پنجم عبدالسمیع قاضی زادہ ماوراءالنہر
ازانجملہ چہار کس اول را ایام معین فرمودند آخرہ ہر یکے ازینہا
بہماں ایام ہشیاری گشت و برائے قاضی زادہ در یک مہلت
ہر دو برادر کالمنش الحاح و زاری بلیش حضرت پیر دستگیر
نمودہ عرض میکردند کہ حضرت سلامت چناں توجہ کنید
کہ برادر ما کمال شعور یافتہ بحال خود آید۔ حضرت فرمودند کہ
کیفیتے کہ این را رونمودہ است بسیار مشائخ آرزو مردہ اند۔
شما چرا راہ این میزنید۔ تا دنے صبر کنید ہشیار خواہد شد
ہر دو برادر ش تجزد بیدلی نمودند پس حضرت مرشد خاص وعام
عبدالسمیع را طلبیدہ اندک توجہ ادرا ہوشیار کردند۔
(کشف الحقائق صفحہ ۵۲)

(۲۲) عبدالرحیم میلاد خواں۔ حضرتؒ کا مرید خوش گلوئی کی
نعمت سے بہرہ یاب تھا۔ عربی وفارسی نعتیں اس قدر خوش الحانی سے
پڑھتا تھا کہ مجلس کے جملہ حاضرین وجد میں آجاتے تھے۔ آپ کو اسکی
نعت خوانی بہت مرغوب تھی، اپنے مرشد کے عرس اور دیگر مخصوص
سماع کی مجلسوں میں عبدالرحیم کی موجودگی ضروری بلکہ لازمی ہوتی
تھی۔ فرحی نے حضرت شاہ لشکر محمد عارفؒ کے عرس کا چشمدید

حال قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے

بطرف مقبرہ حضرت پیر دستگیر خود بدیں طریق می رفتند کہ
از حویلی حضرت الیشان برآمدہ عصائے مبارک زمین نخ مبارک خود
الیستادہ می شدند و یک قصیدہ تمام عبدالرحیم مولود خوان کہ
مقبول و منظور و مرید پیر دستگیر است میخواند بعدہٗ از انجا دہ
قدم پیش رفتہ الیستادہ می گشتند و باز عبدالرحیم یک
قصیدہ در انجا نیز تمام میخواند بدیں نمط تا مقبرہ حضرت پیر خود
بوقت صبح بہ تمام قوم میرسیدند۔ (کشف الحقائق ص۹۶)

(۲۳) شیخ رکن۔ آپ مسیح الاولیاء کے قدیم رفقاء سے جاں نثار اور دور اول کے مرید ہیں۔ آپ حضرت کی توجہ سے مجذوب ہو گئے تھے پھر حضور ہی کی توجہ سے اپنے حال پر آ گئے۔ فرحی کی اصل عبارت اسی فہرست کے کسی نمبر میں نقل کی جا چکی ہے۔ سنہ ۱۰۰۸ھ میں اکبر بادشاہ قلعۂ آسیر کی تسخیر میں ناکامی کے باعث جھنجھلایا ہوا تھا اور برہان پور کے مشائخ سے بدظن تھا۔ شیخ رکن چند رفقاء کے ساتھ شبِ ماہ کی سیر کو گئے تھے، انھوں نے چوک بازار میں یہ چرچا سنا تھا کہ بادشاہ مسیح الاولیاء سے صاف نہیں ہے۔ فرحی نے جو ہمراہ تھے اپنا خیال ظاہر کیا کہ جب بادشاہ حضرت سے منزلت کے ساتھ پیش نہیں آتا تو حضور مکہ معظمہ یا اور کہیں کیوں نہیں چلے جاتے۔ یہاں خطرت کی زد میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

یکمرتبہ در افواہ مردم افتادہ بود کہ حاکم شہر برہان پور بحضرت

میسح الاولیا از تہ دل خوب نیست درین اثنا شبے فقیر زفرح)
شیخ نصراللہ و شیخ رکن در میان چہار سوے برہان پور براے
دیدن مہتابی سیر کردہ بودم درآنجا فقیر بہ یاران گفت کہ چون حاکم
شہر قدحضرت مسیح زماں نمی کند اگر حضرت ایشان در مکہ یا دند
ولایت رفتہ اقامت کنند۔ اینجا کہ می باشند خوب نمی کنند۔
(کشف الحقائق صفحہ ۴۹)

(۲۴) شیخ قاسم ۔ یہ نوجوان نواحِ برہان پور کے کسی گاؤں کا باشندہ
تھا۔ مسافرانہ وارد ہوا۔ حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ قاسم
وہیں حاضر ہوا۔ اپنا عصا، نعلین اور کوزہ گلی محراب میں رکھ کر قدمبوس
ہوا۔ بغل میں ایک کتاب تھی مگر حضرت کے دریافت کرنے پر بتایا کہ انیس الغربا
ہے میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے شروع کر دی۔ اسی اثنا میں حضرت
نے بابا فتح محمد سے کہا کہ اب تک معلوم نہ تھا کہ انیس الغربا ایسی معارف نما
کتاب ہے۔ چونکہ یہ کتاب بارہا زیرِ درس آئی تھی مگر حضرت نے ایسا خیال
کبھی ظاہر نہیں فرمایا۔ ماحصل یہ ہے کہ چند روزہ تعلیم اور حضوری نے قاسم
مذکور کو کچھ کا کچھ بنا دیا۔ اسکی روحانی ترقی کا راز لوگوں پر اسوقت کھلا
جب حضرت کے کسی مرید نے قاسم کے گاؤں میں اُس کا پتہ معلوم کیا
تو لوگوں نے بتایا کہ جو قاسم یہاں سے گیا تھا وہ واپس نہیں آیا۔
جو شخص واپس آیا ہے وہ قاسم نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ آخری ٹکڑے
کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

روزے مریدے از مریدانِ حضرت مسیح الاولیا را بردہ است
کہ مسکن تا مسم بود گذار افتاد - از قبائل او پرسید کہ قاسم چہ نسبت
یافتہ و بہ کدام حال شتافتہ - ہمہ گفتند قاسمی کہ از اینجا
رفتہ بود باز نیامد و این کہ باز آمدہ آن نیست -
(روائح الانفاس قلمی صفحہ ۳۴)

(۲۵) حاجی پایندہ - ان کا نام پایندہ خان مغل بھی دیکھنے میں آیا ہے
حضرت مسیح الاولیاء کے مرید تھے ان کے حسنِ اعتقاد کا یہ عالم تھا کہ
حضرت کے ارشادات تو بڑی چیز ہیں چشم و ابرو کے اشارے کے
وابستہ و پابند رہتے تھے - ایک مرتبہ صحن مسجد کا حوض صاف کیا
جا رہا تھا، خدام و مریدین گدلا پانی اور کیچڑ حوض سے نکال کر
پھینک رہے تھے کہ حاجی پایندہ اچھا لباس پہنے ہوئے ادھر آ
ہوئے قریب آنے پر حضرت نے فرمایا - انھیں سنبھالنا بیہ مع قبا
و عمامہ حوض میں نہ گر جائیں - ان الفاظ کے ادا ہوتے ہی موصوف
مع لباسِ فاخرہ حوض میں گر کر کیچڑ پانی سے شرابور ہو گئے -
راوی کی اصل عبارت یہ ہے :-

روزے عین العرفا لب حوضِ مسجد نشستہ بودند و یاراں
گل و لائے ازاں بر میداشتند، جوانے پایندہ نام از در در آمد
ہمیں کہ نظر مبارک آنحضرت بروئے اُفتاد فرمودند ہاں
یاراں بگیرید ایں جوان را کہ بقبا و دستار خود را در حوض

خواہد انداخت آن سعادتمند چون این حرف شگرف شنید
فی الحال در رقص افتاد۔ یاران شرح ملا کہ در بغل داشت فرا
گرفتند۔ روائح الانفاس صفحہ ۲۹

حاجی صاحب وہی شخص ہیں جن کے ہمراہ میر محمد معذور ہاتھ والا
مسیح الاولیا کی خدمت میں آکر بیک توجہ اپنی دیرینہ معذوری سے نجات
پاکر خانقاہ میں مقیم ہو گیا تھا۔

(۲۶) ملا جلیب کشمیری۔ آپ کشمیر سے آکر مسیح الاولیاء کے مرید
ہوئے۔ حضرت سے اسقدر محبت رکھتے تھے کہ قدموں سے جدا ہونا
گوارا نہ کر سکتے تھے اپنے لئے کسی اور جگہ مسکن کا انتظام کر لیا اور یہیں مقیم ہو گئے۔
ایک مرتبہ مسیح الاولیا کی چند اہم کتابیں جو شیخ عبدالستار کے مطالعہ
میں تھیں ان کے حجرہ سے چوری ہو گئیں۔ اتفاق سے چوری کرنے والے وہ کتابیں
فروخت کرنے کے لئے جلیب کشمیری کے پاس لائے اور اس قدر احمقانہ
انداز سے قیمتیں بتائیں کہ انھیں کتب کے مسروقہ ہونے کا شک ہو گیا۔ غور سے
دیکھا تو ہر کتاب پر مسیح الاولیا کی مہر اور کتابت موجود تھی۔ جب یہ یقین ہو گیا
کہ مسروقہ کتب حضرت کی ہیں تو آپنے اپنے آدمیوں کے ہمراہ چوروں
کو معہ کتب آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔
جب آپکی تعلیم و تلقین کا کام تکمیل کو پہنچ گیا تو حضرت نے وطن جانے
کی اجازت دیدی۔ وہ جانے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ حضرت نے فرمایا جب
تم میری حضوری کا تصور کروگے میری انگشتری اپنی انگلی میں دیکھوگے۔

فرحی نے اس سلسلہ میں طولانی عبارت لکھی ہے جس کا ابتدائی ٹکڑا یہ ہے

حبیب کشمیری راکہ مرید حضرت ارشاد پناہی بود وقت رخصت
میفرمودند کہ وقتیکہ باحضار صورت من مشغول میگشتی انگشتری
مراہم در انگشت خود میدیدی۔ (کشف صفحہ ۵۰)

(۲۷) مرزا فتح پوری ابن میرزا شاہ رخ۔ یہ امیرزادہ حضرت کا
مرید تھا۔ خدا طلبی کے ساتھ جاہ دنیا کا بھی دلدادہ تھا ایک روز حضرت
سے التماس کیا کہ حضور عا فرمائیں۔ شہر مندسور میری جاگیر میں ہو جائے
مسیح الاولیا نے فرحی سے کہا کہ تم ان کی مقصد براری کے لئے توجہ کرو۔
بہر حال میرزا کا یہ مدعا پورا ہو گیا۔ فرحی لکھتے ہیں :۔

اے عزیز مرزا فتح پوری پسر میرزا شہرخ کہ مرید حضرت پیر دستگیر
بحضرت ایشان عرض می نمود کہ امید گاہا درحق من توجہ فرمایند
کہ شہر مندسور در جاگیر من باشد حضرت ظل اللہ بدہند۔ پس روزے
باین ضعیف فرمودند کہ او برائے حصول این مطلب بمن چند مرتبہ
گفتہ است شما در حق وے بجہت مطلبش توجہ بکار برید تا
آں شہر در جاگیرش گردد۔ (کشف صفحہ ۵۶)

(۲۸) شیخ نصر اللہ۔ یہ سعادت سرشت نوجوان آغاز شباب
میں ہی مسیح الاولیا کا مرید ہوا اور باوجود شغل تجارت کے خانقاہ
نشینوں میں شامل ہو گیا۔ یہاں فرحی سے میل جول ہوا اور دونو میں
گہرے مخلصانہ تعلقات ہو گئے۔ فرحی ان کو اپنی روحانی ترقیوں کے

راز بھی بتا دیا کرتا تھا۔ مسیح الاولیا بھی شیخ سے بہ محبت و توجہ پیش
آتے تھے۔ یہاں تک کہ توحیدِ حقیقی کی تعلیم کا کام جو باقی رہ گیا تھا
اس کو آخرِ وقت میں تکمیل کو پہنچایا۔ عین عنفوانِ شباب میں ان کی وفات
ہوئی۔ مسیح الاولیا نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور تمام مریدین کے ہمراہ جنازہ
کے ساتھ جاکر دفن میں شرکت کی ۔ فرحی کی اصل عبارت کا ضروری حصہ
یہ ہے :-

اے عزیز میاں نصر اللہ کہ پیشۂ تجارت در عین جوانی گزراشتہ و
کدخدانہ شدہ و مرید حضرت پیر دستگیر شاہ۔ در خانقاہِ حضرت ایشان
زاویۂ اختیار نمودہ بماند۔ بعد از یک چند سلوک منزلِ معرفت و طورِ
مقاماتِ حقیقت بوجہ احسن اورا دست دادہ اما وقتِ توحیدِ حقیقی
رونہ نمودہ بود کہ ناگاہ از مشیت جل و علا در عین جوانی از دارِ فانی
در دارِ باقی رحلت نمود۔۔۔۔

پس بر جنازۂ آں سعادتمند حضرت مسیح منقبت نماز خواندہ
و ہمراہ تمام درویشان رفتہ مدفون ساختند۔۔۔ (کشف الحقائق ص۔)

(۲۹) سید مرتضیٰ۔ یہ مسیح الاولیا قدس سرہ کے مرید اور صاحب حال شخص تھے۔ عالمِ
وجد میں آپکی عجیب کیفیت ہوتی تھی کہ تمام الزاماتِ بشریت سے بیگانہ ہو جاتے
تھے۔ ایک مرتبہ ایسی ہی حالت میں آپکو خیال گزرا کہ مشائخ کا قول ہے کہ حالتِ فنا و بیخودی
میں صاحبِ حال پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔ امتحاناً آپ نے کھولتے
ہوئے روغن کے کڑھاؤ میں ہاتھ ڈال دیا۔ آپ کی انگلیوں پر

آبلے پڑنا تو درکنار سوزش بھی محسوس نہ ہوئی۔ اسی پر ثابت ہوتا ہے کہ مجذوبوں کو گرمی سردی کسی چیز سے کوئی مضرت نہیں پہنچ سکتی یہ چیز آج بھی اظہر من الشمس ہے ہر شخص کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ مجذوب گرمی سردی۔ بارش میں بے تکلف کسی بچاؤ کے سامان کئے بغیر بسر کرتے ہیں اور انھیں کسی چیز کی شدت سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس عبارت کو مؤلف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے :۔

روزے سید مرتضیٰ کہ از یاران حضرت عین العرفا مسیح الاولیا را حالت فنا و بیخودی دست داد۔ درآں وقت بخاطر رسید کہ اندر اقوال مشائخ است کہ در حالت فنا و بیخودی از ہیچ شے موثر نمی شود بہر امتحان انگشت در کوزۂ غال پر از روغن گرم انداخت ہیچ آسیب واثر گرمی بہ انگشت نہ رسید و سوختہ نہ شد۔ مجذوبان را کہ از گرما و سرما و باراں مضرتے نمی رسد بہر ہمیں است۔

(روائح الانفاس صفحہ ۳۰۸)

(۳۰) شیخ حسن جیو سورتی۔ آپ سید محمد عیدروس قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے حج کعبہ سے شرفیاب ہو کر سورت واپس پہنچے تو آپ کے مرشد نے آپ کو حضرت مسیح الاولیا کی خدمت میں روانہ کر دیا کہ تمہارا نعمت شطاریہ کا حصہ وہاں سے ملے گا۔ سید حسن

برہان پور آئے اور مسیح الاولیاء سے شرف دست بوسی حاصل کر کے فیض ارادت شطاریہ بکمال ریاضت وارادت اخذ کیا۔ چند سال خدمت میں رہ کر مسیح الاولیاء کی اجازت سے پھر حج کو روانہ ہوئے اور حضرت شیخ محمد بن فضل اللہ سے مکہ معظمہ میں بھی اکتساب فیض کیا فنافی الشیخ کے مقام کو پہنچے ہوئے تھے۔ علم سلوک میں آپ کے کئی رسالے مشہور ہیں سنہ ۱۰۶۰ھ میں وصال ہوا۔ مزار سورت میں ہے۔

(برکات الاولیاء اردو صفحہ ۱۵۱ بحوالہ سیر الاولیاء)

خاتمہ

الحمد للہ والمنۃ کہ تذکرۂ اولیائے سندھ اختتام کو پہنچا اور میں اس سلسلہ میں اپنی آجتک کی تلاش و جستجو کے نتائج سپرد قلم کرکے اس کار اہم کی تکمیل سے فارغ ہوگیا۔

علماء و صوفیائے سلف کے مصدقہ حالات کی فراہمی میں جو دشواریاں لاحق ہیں اسکو کچھ وہی سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس وادیٔ دشوار گزار میں جادہ پیمائی کی ہے اسکی وجہ ظاہر ہے کہ تاریخی کتب میں سلاطین، امرا و اہل سیف کے حالات تو بڑی صراحت و تفصیل سے ملتے ہیں۔ لیکن ان ضخیم دفاتر میں مشائخ، علماء اور صوفیائے اہل اللہ و گوشہ نشین فقرا کے حالات نہیں ملتے۔ اور کسی تاریخی کتاب میں اہل اللہ کے کچھ اذکار ملتے ہیں بھی تو وہ الشاذ کالمعدوم کے مصداق نہ ہونے کے برابر۔ یعنی کسی دور کے صدہا بزرگوں میں سے ایک دو کے مختصر اور تشنہ حالات ملیں گے۔ اور بس۔

اہل نظر ارباب ذوق بیک نگاہ اندازہ کر سکیں گے کہ میں نے اس تذکرہ کی تیاری میں اپنی استعداد اور صلاحیتوں کی حد تک تلاش و جستجو کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور مجھے اطمینان ہے کہ میری محنت شاقہ رائگاں

نہ گئی۔ تائید الٰہی اور انھیں بزرگانِ کرام کی ارواح طیبات کے فیوض و برکات سے ایسے گوہر گرانمایہ اور ایسے متاع گم شدہ سے ان اوراق کا دامن مالا مال ہو گیا جن کی توقع بھی نہیں کیجا سکتی تھی۔

تاہم اس کارگزاری میں اگر فخر و مباہات کا کوئی پہلو نکلتا ہے تو یہ فخر میرا نہیں۔ میرے عزیز و محبوب وطن برہان پور کا حصّہ ہے کہ اس اولیا خیز شہر کی خاک پاک نے معارف دستگاہ اہل اللہ کے فیضان و اثر کی برکت سے مجھ ہیچمدان کو یہ استعداد و صلاحیت ودیعت فرمائی کہ برہان پور کو وطن ثانی بنانے والے قُدسی نفس سندھی اسلاف کے اذکار و مآثر کا تحفہ اُن کے نامور اخلاف کو خود سندھ میں حاضر ہو کر پیش کر سکا۔

البتہ اس میں کچھ اسقام اور نقائص پائے جائیں تو وہ بلاشبہ میرے ہیں۔ مجھے اپنی کوتاہیوں کے اعتراف میں کوئی جھجک نہیں۔ اہل مطالعہ عفو و کرم سے کام لے کر مجھے آگاہ فرمائیں تو ممنون ہونگا۔

آخر میں ان محترم حضرات کا شکریہ ادا کرنا واجب بلکہ فرض عین سمجھتا ہوں کہ جن کے تعاون سے اس تذکرہ میں کافی مدد ملی ہے۔

کفرانِ نعمت ہوگا اگر میں جناب پیر سید حسام الدین صاحب راشدی کا شکریہ ادا نہ کروں (جنکو مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی "محقق سندھ" لکھتے رہے ہیں) کہ انھیں کے مخلصانہ اصرار اور حوصلہ افزا تعاون سے میں انتہائی خراب صحت اور صبر آزما ناسازگار حالات میں اس تذکرہ کو مکمل کر سکا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر موصوف کی

کرم فرمائیاں شریک حال نہ ہوتیں تو مذکورہ ناموافق ماحول میں کسی علمی خدمت کا تصور کرنا بھی میرے امکان سے باہر تھا۔ موصوف نے اپنے ذاتی کتب خانے سے معاونی کتب عطا فرمائیں۔ ترتیب و تدوین میں گرانقدر مشورے دیئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ محبت و اشتیاق آمیز تقاضوں سے مجھے لکھنے پر متوجہ اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ چنانچہ مجھے اعتراف کرتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ ہے اسکی بنیاد اور فراہمی حالات وغیرہ جناب پیر صاحب کے مخلصانہ تقاضوں کے نتائج ہیں۔ اسکی جزائے خیر تو جناب صمدیت سے ملے گی ہی۔ موصوف میری جانب سے بصمیم قلب شکریہ قبول فرمائیں۔

اسی طرح جناب پیرزادہ سید ریاض الدین مغفور رحمۃ اللہ علیہ سابق سجادہ نشین حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہٗ جو بڑے صاحب ذوق بزرگ اور اپنی حیرت انگیز یادداشتوں کے اعتبار سے مشائخ برہان پور کی زندہ و مستند تاریخ تھے ان سے بہایت بیش بہا معلومات بہم پہنچیں، نیز ان کے ذخیرۂ اسناد سے متعدد اسرار سربستہ کے انکشافات و تصدیق ہو سکی بکمال ممنونیت و ارادت دعا کی صورت میں نذر عقیدت پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح گرامی کو جنت الفردوس میں ممتاز مقام عطا فرمائے۔

اور ان کے جانشین خلف الرشید جناب پیرزادہ سید اکرام الدین صاحب سجادۂ حال اور جناب پیرزادہ سید حبیب الدین صاحب کا بھی شکر گذار ہوں کہ ان حضرات کی عنایت و اعانت سے حضرت بابا فتح محمد محدث قدس سرہٗ کے تقسیم نامہ کی سند کا فوٹو اور حضرت راز الٰہی قدس سرہٗ کے مقبرہ کی تعمیر

کے متعلق تفصیلی معلومات بہم پہنچیں ۔

میرے محترم حضرت حکیم لاڈلے صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت مسیح الاولیا قدس سرہ بھی بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے شجرۂ خاندان، شاہی اسناد۔ بزرگانِ سندھ کے قدیم و اہم خطوط و دیگر ضمنی معلومات عطا فرمائیں۔

میں اپنے جوان سال و جواں اقبال عزیز شاگرد مخدوم صاحب جابر بریانی کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے گوناگون مصروفیتوں کے باوجود بصرفِ کثیر متعلق تذکرہ مقابر، مساجد وغیرہ کے تاریخی تازہ فوٹو حسبِ ہدایت ارسال کئے بلکہ میری فرمائش کی تعمیل کے سلسلہ میں اپنے قیمتی کیمرہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ۔ نیز میرے مخلص و جاں نثار شاگرد جناب ارمان صاحب کا بھی شکر گذار ہوں کہ اُنھوں نے بھی جابر صاحب کی رفاقت میں بسلسلۂ حصولِ تصاویر میں کافی زحمت اور زیر باری برداشت کی۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے الطاف و کرم اور صاحبِ ذکر بزرگانِ کرام کی پاکیزہ روحوں کی برکت و طفیل سے سب کو جزائے خیر اور ایمان کی سلامتی عطا فرمائے ۔

قطعۂ تاریخ اختتام تذکرہ اولیائے سندھ

نتیجۂ فکر سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری
مؤلف تذکرۂ ہٰذا

صد شکر آج عہدہ برآ ہو سکا ہوں میں — اس عہد سے جو دل میں کیا تھا برائے سندھ

یعنی لکھوں گا ان کے سوانح بصد تلاش — برہانپور آئے تھے جو مقتدائے سندھ

دسویں صدی میں ان کو وطن چھوڑنا پڑا — ناگفتہ بہ تھا ایسا ہی کچھ ماجرائے سندھ

یہ صوفیائے سندھ یہ روشن نفس بزرگ — تھی جن کے دم قدم سے جلا و ضیائے سندھ

پھرتے تھے اپنے ساتھ لئے اپنی برکتیں — وارد ہوئے جہاں وہیں باندھی ہوائے سندھ

سندھی پورہ بسا کے تو برہان پور میں — پیدا اس اجتماع نے کر لی فضائے سندھ

پھر اپنے فضل و فیض کی دولت سے بیدریغ

برہان پور ہی کو نوازا بجائے سندھ

تفصیل کیا بتاؤں کہ کس جد و جہد سے — لکھا گیا ہے تذکرۂ اولیائے سندھ

برسوں رہا ہوں بحرِ تجسس میں غوطہ زن — حاصل ہوئے ہیں تب یہ دُرِ بے بہائے سندھ

خوش ہوں کہ اہل سندھ نے بھی اس کی قدر کی — مقبول ہیں یہ میری مساعی برائے سندھ

تاریخ اختتام کی راشد جو فکر کی — آئی ندا کہ زینتِ خلق اولیائے سندھ

اک مادۂ تجلّی اخیار سندھ ہے — تاباں ہے جس میں نور ولایت بجائے سندھ

موج آگئی تو سالِ مسیحی یہ لکھ دیا

بحر البحار تذکرۂ اولیائے سندھ

۱۹۶۵

شکلِ مربع تاریخ ترتیب تذکرۂ اولیائے سندھ جس سے مطلوب سنہ ۱۳۷۲ھ
لاتعداد اعداد میں برآمد ہوتے ہیں

سنہ ۱۳۷۲	سنہ ۱۳۷۲	سنہ ۱۳۷۲	سنہ ۱۳۷۲
نطقِ مقدم	مونسِ عرفان	جوہرِ سندھی	زمرۂ کامل
عقلِ مجسم	صافی ایقان	پیکرِ عالی	راہی منزل
محورِ ہمدم	کوکبِ درماں	صفحۂ سیفی	مدرسۂ دل
یاورِ فہم	گوہرِ مکان	منزلِ راہی	جوہرِ حاصل
سنہ ۱۳۷۲	سنہ ۱۳۷۲	سنہ ۱۳۷۲	سنہ ۱۳۷۲

تذکرۂ ہذا کی ترتیب و تدوین کا کام زیادہ سرگرمی کے ساتھ سنہ ۱۳۷۲ھ میں شروع ہوا ہے لہٰذا سنہ مذکور کے مطابق تاریخ ترتیب کی فکر کی گئی چنانچہ اپنی ناچیز استعداد اور ذہانت و ذکاوت کی تمام تر صلاحیتوں کو انتہائی سعی و جہد کی حد تک بر روئے کار لاکر معجزہ نگار تاریخگو علمائے سلف کے تتبع میں صرف دو اشعار مقفیٰ و مسجع و مرصع موزوں کئے جن کے ہر مصرعہ سے سنہ مطلوب سنہ ۱۳۷۲ھ برآمد ہوتا ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ اس مربع کو داہنے۔ بائیں۔ تحت۔ فوق۔ گوشہ بگوشہ چاہے جس طرح اور جہاں سے چاہیں پڑھیں ہر حالت میں مکمل مقفیٰ۔ مسجع و مرصع اشعار پیدا ہوں گے اور ہر مصرعہ سے سنہ ۱۳۷۲ ظاہر ہوگا۔ اس طرح بالراست مرتب طریقہ پر پڑھنے سے مربع کے ۱۶ اجزا کے مطابق ۱۶ × ۱۶ = ۲۵۶ تاریخیں پیدا ہوں گی اور اسی طرح بالعکس پڑھنے سے ۲۵۶ تاریخیں اور بھی۔ لیکن

اگر غیر مرتب حالت میں کہیں سے بھی چار چار جز لئے جائیں تو پھر بھی پورے مربع سے چار مصرعے مذکورہ بالا وصف کے ساتھ پیدا ہوں گے اور ہر مصرعہ بامعنی تاریخی ہی ہوگا چنانچہ غیر مرتب طریق سے بے حد و شمار تاریخیں وجود میں آسکتی ہیں لطف یہ کہ ہر حالت میں بحر۔ وزن معنی اور اشعار کی برجستگی میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔ مندرجۂ ذیل نظم میں ان ہی صراحتوں کے متعلق اشارات ہیں۔

ہوئی بے ساختہ دل کو یہ ترغیب — کہ اس نسخہ کا سالِ جمع و ترتیب

کچھ اِس نادر قرینے سے رقم ہو — کہ جس کا مثل اگر ہو بھی تو کم ہو

کئے موزوں ۲ دو اشعارِ مسجع — مقفیٰ اور سراپا مرصّع

ہر اک مصرعہ میں ہو تاریخ ترتیب — مربع کی مگر نادر ہے ترتیب

کہ سولہ ۱۶ جز میں سے کوئی بھی چار — بنا سکتے ہیں مصرعہ چست و ہموار

چپ و راست اور تحت و فوق پڑھئے — کسی گوشہ سے باصد شوق پڑھئے

پڑھیں چاہیں جہاں سے یہ مربع — برآمد ہوگی تاریخ مرصّع

نہ بحر و وزن میں آئیگا نقصان — نہ ہونے پائیگا معنی کا فقدان

بہر عنوان یہ نادر مربع — ہے لاتعداد تاریخوں کا منبع

بتاتا ہے یہ تاریخوں کا دفتر — بہر اسلوب تیرہ سو بہتر ۱۳۷۲

خدا کی رحمتیں ہوں اُس پہ راشد

جو تھا اس صنعتِ نادر کا موجد

تاریخ طبع تذکرہ اولیائے سندھ دائرہ بہ صنعت اطراد

جس سے لاتعداد تاریخیں بابت ۱۳۷۵ھ برآمد ہوتی ہیں

تاریخ حاصل کرنے کا طریقہ۔ کسی بھی خانہ کو مبدا قرار دے کر اس کے اعداد نوٹ کرلیں۔ اب جس طاق عدد سے طرح کرنا چاہیں اسی خانہ سے گننا شروع کردیں۔ جہاں تعداد پوری ہو اس خانہ کے عدد بھی لکھ لیں اور پھر اسی خانہ سے آگے شمار کریں۔ سات مرتبہ اعداد حاصل ہوجائیں تو دائرہ کا دور ختم ہوجائیگا۔ میزان دے لیجئے مجموعہ بےکم و کاست ۱۳۷۵ ہوگا جفت عدد سے طرح کرنا ہو تو جس خانہ کے عدد لے چکے ہوں اُس کے آگے سے شمار شروع کریں۔

تاکید: ۷۔ ۱۴۔ اور ۱۵۔ میزان کے اضعاف مستثنیٰ ہیں۔ طاق وہ اعداد جو دو پر تقسیم نہ ہوسکیں اور جفت وہ اعداد ہیں جو دو پر تقسیم ہوسکتے ہیں۔ ہر ایک کی مختصر مثال ملاحظہ ہو۔

طاق عدد کی مثال

فرض کیجئے آپ نے حقائق کو مبدا قرار دیا ہے اور پانچ سے طرح کریں گے چنانچہ حقائق کے ۲۱۹ عدد نوٹ کرلیں یہاں سے پانچواں خانہ لفظ محمد کا ہے ۹۲ بھی نوٹ کرلیں۔ پھر محمد کے خانہ سے شمار کریں پانچویں خانہ میں پوری درج ہے۔ اس کے ۲۱۸ بھی نوٹ کرلیں۔ اسی طرح عمل کریں اور جب سات مرتبہ اعداد حاصل ہوجائیں ان کو

جمع کرلیں سنہ ۱۳۷۵ موجود ہوگا - اور اسی طریقہ پر کسی بھی طاق عدد سے بجز ۱۵ - اور اسکے اضعاف کے طرح کرنے پر ہر حالت میں سنہ ۱۳۷۵ برآمد ہوگا -
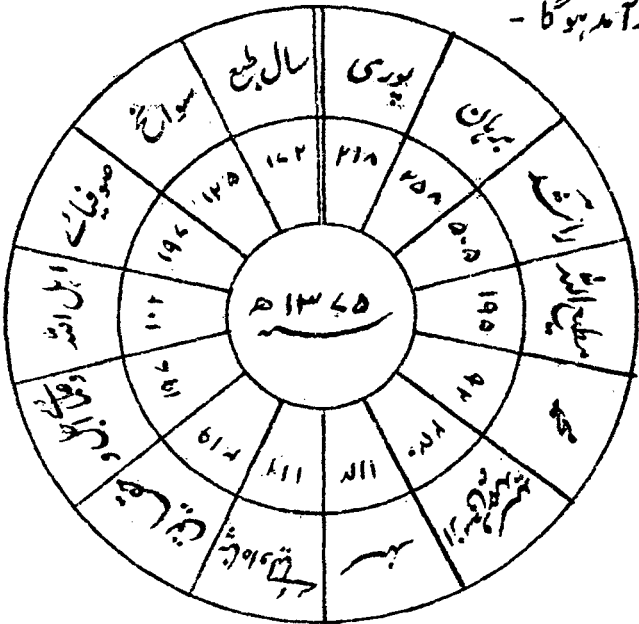
جفت عدد کی مثال

آپنے راشد کو مبدا قرار دیا ہے اور ۲۰ سے طرح کرنا چاہتے ہیں لہذا راشد کے عدد ۵۰۵ نوٹ کرلیں اب اس سے آگے یعنی برہان سے شروع کریں تو بیں کا شمار اہل اللہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے عدد ۱۰۲ بھی نوٹ کرلیں پھر علمائے اجل و سے شروع کریں غرضکہ اسی ترتیب سے سات مرتبہ کے حاصل شدہ اعداد کا مجموعہ سنہ ۱۳۷۵ھ ہی بلاکم وکاست پیش نظر ہوگا - نیز ۱۴ - اور اسکے اضعاف کے علاوہ ہر جفت عدد ۲ سے لیکر ہزار - لاکھ کروڑ اور اس سے زیادہ کسی عدد سے طرح کیجئے نتیجہ ہر حال میں سو فیصدی صحیح برآمد ہوگا -

ضمیمہ

فہرست تصانیف بزرگانِ سندھ جن کا ذکر اس تذکرہ میں درج کیا گیا ہے

سلسلہ نمبر	نمبر صفحہ	نام کتاب	نام مصنف	کس زبان	کیفیت
۱	۱	مجمع البحار	حضرت شیخ طاہر محدث سندھی	عربی زبان	قرآن مجید کی عربی زبان میں تفسیر ہے شیخ نے اسکو بزمانۂ قیام برار لکھنا شروع کیا تھا اور خطبہ میں اپنے میزبان نقال کا ذکر کیا تھا۔ یہ کتاب جب تکمیل کو پہنچی تو عادل شاہ فاروقی نے اس کتاب میں اپنے لئے دعا کی بہت خواہش کی حضرت نے ایک اور خطبہ لکھکر اسکی تمنا پوری کردی — تذکرہ نگاروں نے شیخ محمد طاہر پٹنی کی شرح صحاح مجمع بحار الانوار سے مغالطہ کو مجمع البحار مزید کر لیا ہے جو فاش غلطی ہے شرح صحاح مجمع بحار الانوار چھپ چکی ہے۔ تفسیر مجمع البحار نایاب ہے

سلسلہ نمبر	نمبر کتاب	نام کتاب	نام مصنف	کہاں ہے	کیفیت
۲	۲	مختصر قوۃ القلوب	حضرت شیخ طاہر محدث سندھی	دار العلم	
۳	۳	منتخب مواہب لدنیہ	"	"	
۴	۴	ملتقط جمع الجوامع سیوطی		"	
۵	۵	موجز قسطلانی	"	"	علامہ غوثی نے لکھا ہے کہ اس سے بڑی کوئی شرح بخاری پر نہیں ہے۔ بڑے بڑے بارہ دفتر دو لاکھ بیت میں مختصر کئے ہیں۔
۶	۶	تفسیر مدارک	"	"	اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ و رحمۃ اللہ کے واسطے مختصر کی تھی۔ اس کا آغاز اس طرح کیا ہے قال ابو عبد اللہ طاهر بن یوسف علیہ رحمۃ اللہ
۷	۷	اسامی رجال صحیح البخاری	"	"	یہ ایک شرح ہے کرمانی کے طور پر
۸	۸	ریاض الصالحین	"	"	اسکی فہرست کی ترتیب تین روضوں پر ہے پہلا روضہ احادیث صحیح و حسنہ کا بیان۔ دوسرا روضہ۔ مشائخ طریقت کے ناصحانہ اقوال۔ تیسرا روضہ۔ صاحبان عرفان وجدان معتقدین وحدت وجود
۹	۱	شرح رسالہ وحدت الوجود۔ فارسی	مسیح الاولیا شیخ عیسٰے جند اللہ	[illegible]	حضرت شیخ عبداللہ ملتانی کے عربی رسالہ کی فارسی شرح ہے جو آپنے مرشد کے حکم سے

نمبر شمار	نمبر بیاض	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	کیفیت
					مطابق لکھی تھی۔ یہ رسالہ خط پاکیزہ شکستہ کے مجموعۂ نادر پنج رسائل میں شریک سندھ یونیورسٹی حیدرآباد ذخیرہ کتب میں موجود ہے
۱۰	۲	رسالہ دقیقہ	مسیح الاولیا شیخ عیسیٰ جند اللہ	[illegible]	یہ مختصر رسالہ تعینات حقیقت محمدیہ کے بیان میں نظم و نثر سے مرصع ہے۔ ایک قلمی بیاض مسمیٰ بیاض یادگار میں تحریر ہے یہ بیاض یونیورسٹی کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے
۱۱	۳	روضۃ الحسنیٰ سنہ ۹۸۹	″		موضوع نام سے ظاہر ہے نود و نہ نام کی شرح ہے۔
۱۲	۴	عین المعانی سنہ ۹۹۰	″	[illegible]	یہ عجیب و غریب نادر روزگار کتاب بھی نود و نہ نام کی شرح ہے اس کی تالیف کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرید روضۃ الحسنیٰ کی نقل کرنا چاہتا تھا حضرت نے اسکو مدد دینے کی غرض سے وہ کاغذ اٹھا لئے اور خود لکھنے لگے لیکن بجائے کتاب کی نقل کے تازہ اور بلند مضامین قلم سے نکلنے لگے تب آپنے ارادہ اسکی ازسر نو لکھنا شروع کر دیا اور نادر ترین کتاب جدید بن گئی۔ اس صوفیانہ ورد و وظائف کے خشک مضامین کو آپ کی شگفتہ نگاری نے اتنا دلآویز کر دیا کہ طبیعت سیر نہیں ہوتی
۱۳	۵	تفسیر انوار الاسرار	″	[illegible]	یہ مسجع مرصع مقفیٰ تفسیر عارفانہ اور صوفیانہ انداز پر تکمیل کو پہنچی۔ آپ کے عم شیخ طاہر محدث کو علم ہوا تو وہ خوش ہو کر آپ کے بے اختیار بغلگیر ہوگئے اور مبارکباد دی چند سورہ کی پاکیزہ خط میں نقل یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے

سلسلہ نمبر	نمبر تصانیف	نام کتاب	نام مصنف	[illegible]	کیفیت
۱۴	۶	رسالہ جوہر یگانہ	مسیح الاولیا شیخ عیسے جنداللہ		یہ رسالہ آپ نے صدر جہاں دہار (ایک خلیفہ) کی التماس پر لکھا تھا۔ اس میں آپ نے حضرات خمس کی مطابقت دی ہے۔
۱۵	۷	حاشیہ بر اشارہ غریبہ	〃		شیخ عبدالکریم جیلی کی کتاب "انسان کامل" پر یہ حاشیہ آپ نے اس وقت لکھا جب آپ سید احمد دکنی شاگرد حضرت وجیہہ الدین علوی کے درس میں تھے۔
۱۶	۸	شرح قصیدہ بردع	〃		یہ شرح فارسی میں ہے۔
۱۷	۹	قبلۃ المذاہب الاربعہ	〃		یہ رسالہ اہل تصوف کے اشارات سے متعلق ہے۔
۱۸	۱۰	حاشیہ بر شرح ضیائیہ			مولانا جامی نے کافیہ پر شرح لکھی تھی یہ اسی شرح پر حاشیہ ہے۔ یہ آپ نے بابا عبدالستار کی تعلیم کے سلسلہ میں لکھا تھا
۱۹	۱۱	فتح محمدی در علم ما یتعلق بہ التفسیر	〃		آپ نے یہ کتاب بابا فتح محمد کی تعلیم کے سلسلہ میں لکھی تھی۔

سلسلہ نمبر	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کہاں ہے	کیفیت
۲۰	۱۲	تتمیم شرح مائیۃ عامل	مسیح الاولیا شیخ عیسےٰ جند اللہ		اس شرح کو میر فتح اللہ شیرازی نے شروع کیا تھا لیکن تمام ہونے سے قبل فوت ہو گئے۔ آپ نے قاضی نور اللہ کے ابن عم میر سید علی کی تمنا پر آغاز کی طرح انجام کو پہنچایا۔
۲۱	۱۳	رسالہ عقود	؍؍		نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ ارباب حدیث اعداد کا شمار انگلیوں پر رکھتے ہیں اس نسبت سے رسالہ کا یہ نام ہوا۔
۲۲	۱۴	دو رباعی کی شرح	؍؍		؟
۲۳	۱۵	ترجمہ ابراز لوحی	؍؍		؟
۲۴	۱	مفتاح الصلوٰۃ	حضرت بابا فتح محمد محدثؒ	سندھ یونیورسٹی	حضرت بابا کی یہ شہرۂ آفاق کتاب نماز کے فرائض، واجبات اور سنن کی تفصیلات سے متعلق ہے مستند حدیثوں کے دلائل کے ساتھ تمام مسائل حل کئے ہیں۔
۲۵	۲	فتح المذاہب الاربعہ	؍؍	واللہ اعلم	علم فقہ میں بزبان عربی۔
۲۶	۳	فتوح الاوراد	؍؍	یونیورسٹی سندھ	ورد و وظائف کی عجیب و غریب کتاب ہے اسکی اہم خصوصیت یہ ہے کہ

سلسلہ نمبر	نمبر بیاض	نام کتاب	نام مصنف	سن تصنیف	کیفیت
					سال کے تمام مہینوں اور دنوں کی پنجگانہ نمازوں کے علاوہ نوافل، تہجد اشراق وغیرہ کے متعلق ایک ایک جزوی عبادت میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع حضورؐ کے اعمال و افعال کی کامل پیروی کے سلسلہ میں ہر ذکر کے لیے مستند حدیثوں سے حوالہ پیش کیا ہے
۲۷	۴	رسالہ جہت الکعبہ	حضرت بابا فتح محمدؒ محدث	واللہ اعلم	سایہ اصلی رہا پور و نواح آں۔
۲۸	۵	رسالہ مستحب وقت عشاء و ظہر	"	"	
۲۹	۶	مثنوی تنزل حق جل وعلا بعقیدۂ صوفیا	"		صوفیانہ مختصر مثنوی ہے۔ اسکی ایک نقل کتب خانہ پیر محمد احمد آباد گجرات میں ہے اسکی نقل شریک تذکرہ ہے کتبخانہ مذکور میں سجانے کیوں شیخ برہانپوری سے نامزد ہے۔
۳۰	۱	رباعیات سیفی	شیخ سلیمان سیفی برادر خورد حضرت مسیح الاولیا	تذکرہ ہذا	آپ کا دوسرا کلام ہمدست نہ ہوا یہ رباعیات بھی عین المعانی اور روائح الانفاس میں پائی گئی ہیں جو فراہم کردی گئی ہیں۔
۳۱	۱	رسالہ تحفۃ الاوراد	حضرت شیخ شہاب الدین ابن بابا فتح محمد حرف	واللہ اعلم	یہ رسالہ آپ نے اپنے فرزندوں شیخ بہاء الدین اور شیخ علاء الدین کی تعلیم کے لئے لکھا تھا۔

سلسلہ نمبر	نمبر تعداد نسخ	نام کتاب	نام مصنف	کہاں ہے	کیفیت
۳۲	۱	شرح آیات سلیمانیہ	غلام یسین عین الدین ابن شیخ شہاب الدین	سندھ یونیورسٹی [illegible]	قرآن مجید کی جن آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر آیا ہے آپ نے ان تمام آیات کو جمع کرکے ان کی شرح میں ایسا ربط قائم کردیا ہے کہ کتاب حضرت سلیمان علیہ السلام کی سوانحمری بن گئی - آپ کی زندگی کے واقعات تعمیر مسجد اقصیٰ اور وفات تک یہ نسخہ مصنف کے قلم سے لکھی ہوئی اولین مسودہ کی کاپی ہے -
۳۳	۱	شرح مختصر وقایہ	قاضی عبدالسلام سندھی	واللہ اعلم	غوثی لکھتے ہیں کہ یہ شرح تمام جزئیات روایت کو شامل ہے -
۳۴	۱	حاشیہ تفسیر قاضی بیضاوی	حکیم عثمان بوبکائی		علامہ غوثی لکھتے ہیں کہ آپ کی تصنیفات بہت سی ہیں منجملہ ان کے یہ دو کتابیں نہایت مشکل لغا اور دشوار کشا ہیں -
۳۵	۲	شرح بخاری	"		
۳۶	۱	کشف الحقائق	شیخ اسماعیل ابن محمود سندھی	سندھ یونیورسٹی اور [illegible] دہلی	حضرت مسیح الاولیا کے ملفوظات ہیں جو فرحی نے حضرت کی آگہی اور اجازت سے عرصہ دراز کی حاضر باشی میں آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے حالات لکھے - اصولاً سنہ ۱۰۲۰ھ میں کتاب ختم کردی تھی - (شاید اپنی حیات) سنہ ۱۰۲۱ھ تک اس میں متعلقہ حالات کا اضافہ کرتا رہا -

سلسلہ نمبر	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کہاں ہے	کیفیت
۳۷	۱	منظومات محب علی سندھی	محب علی	یونیورسٹی	مولانا محب علی سندھی کا منتشر اور متفرق کلام جو آثر رحیمی میں بہت زیادہ اور ایک قلمی بیاض میں انتخاب پایا جاتا ہے جس میں جملہ اصناف نظم پر بلند و برجستہ منظومات مثلاً مثنوی - قصیدہ، غزل، رباعی، قطعہ، ساقی نامہ وغیرہ کا انتخاب ہے -
۳۸	۱	شرح رسالہ غوثیہ	شیخ طیب سندھی		
۳۹	۲	حاشیہ شرح مشکوٰۃ	〃		
۴۰	۱	بیان وحدت وجود منظوم سندھی زبان میں	قاضی قاضن	نایاب	بحوالہ گلزار ابرار نایاب

شبیہ حکیم لاڈلے صاحب برہانپوری

سجادہ نشین آستانہ حضرت مسیح الاولیاءؒ قدس سرہ۔

— متعلق ص ۹۷
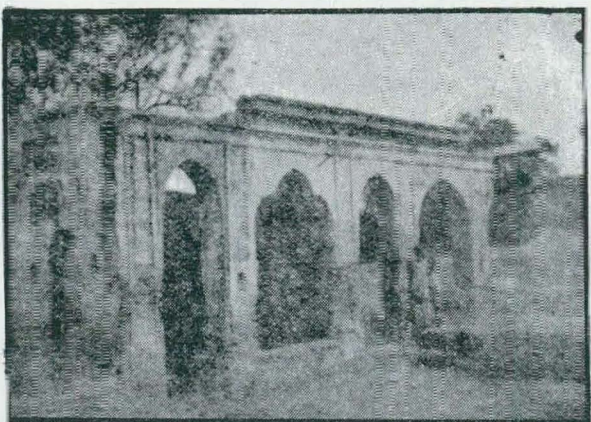
محل مذکور کا غسل خانہ اور اس کے ملحقات

- متعلق ص ٣٣
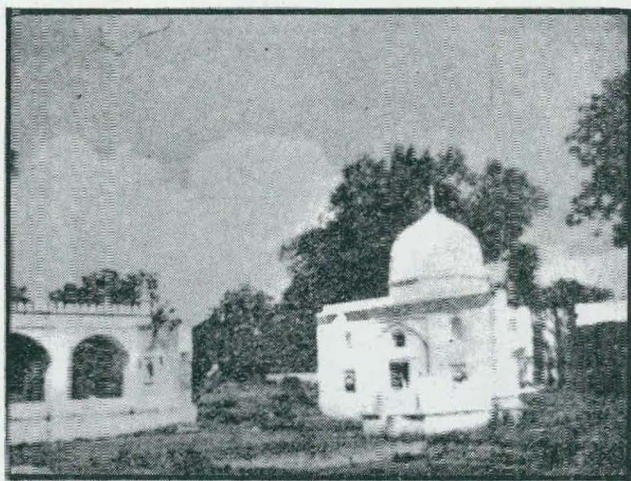
آپ کے روضہ کا دلکش منظر

مسجد مسیح الاولیاؒ قدس سرہ کے وسیع صحن مین شمالی جانب۔

- متعلق ص ٤٤

مقبرہ حضرت شیخ طاہر محدث (بارہ دري میں) واقع سندھي پورہ برھانپور
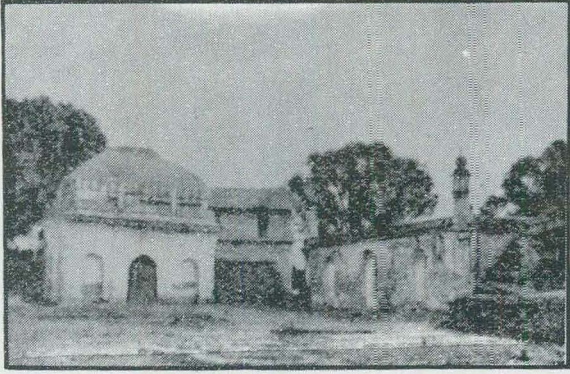
سامنے والے گوشہ میں حضرت مسیح الاولیاءؒ کے مدرسۂ کلاں کا زینہ نظر آتاھے ۔

— متعلق ص ۱۰

مسیح الاولیاءؒ کے مسکونہ محل کی ایک دیوار
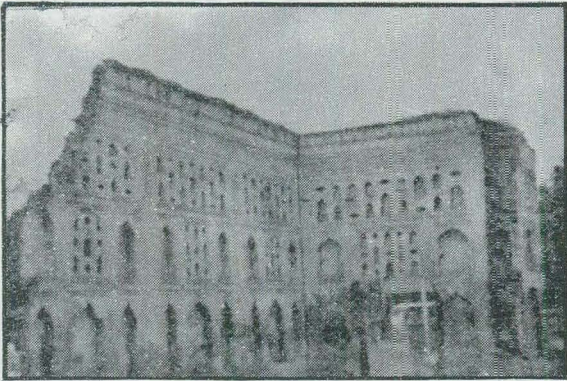
یہ محل محمد شاہ فاروقي نے نذر کیا تھا ۔ اسکے عقب میں شیخ محمد طاہر محدث کی سکونت کے لئے بھي ایساھي رفیع الشان محل پیش کیا تھا ۔ اس وقت بواھر کے سیفي بورڈنگ و یتیم خانہ کی عمارت اسي کھنڈر پر واقع ھے ۔

— متعلق ص ۳۳

مسیح الاولیاؒ کے روضۂ مقدسہ پر ۳۰ سال قبل کے عرس کا ایک منظر ۔
جسمیں مختلف خاندانوں کے مشایخ اور خاص و عام شریک ھیں۔
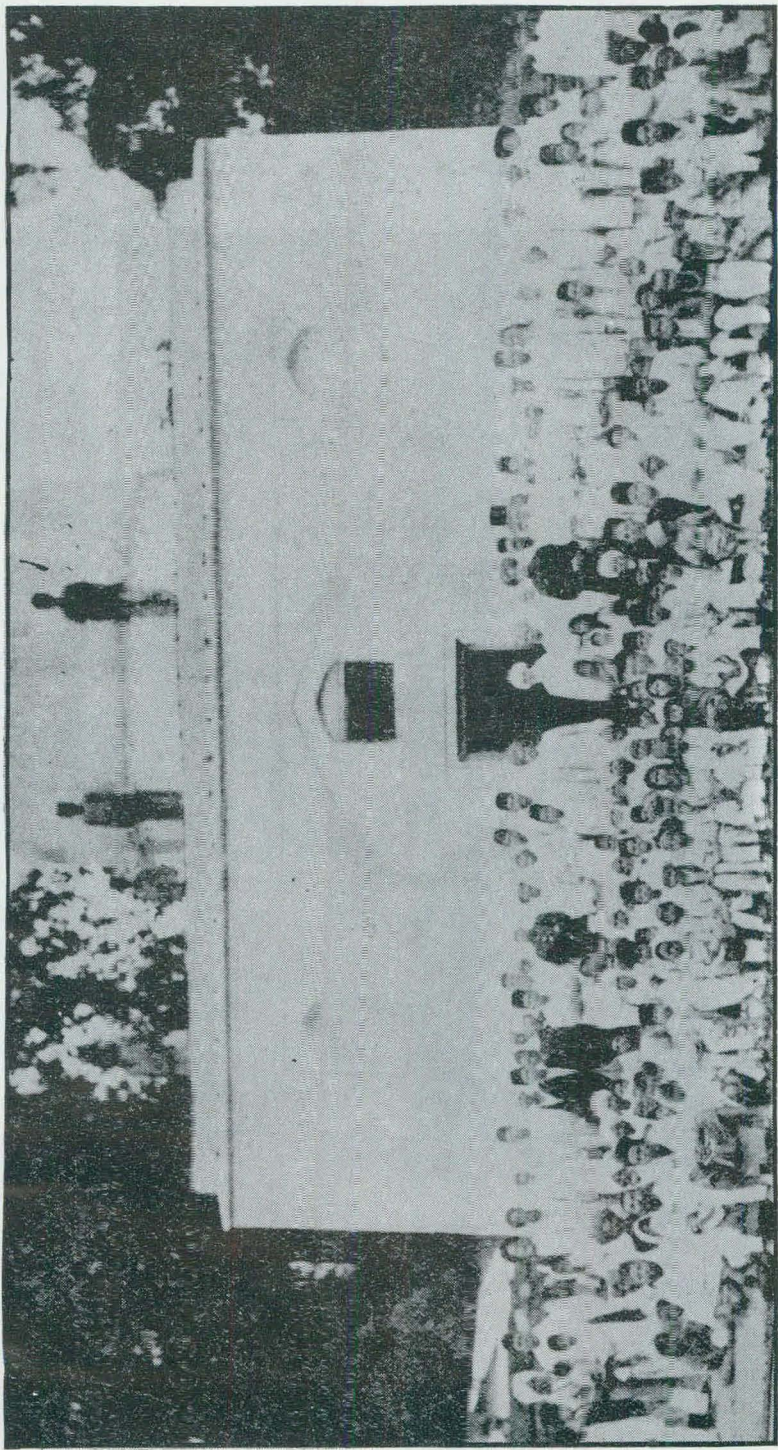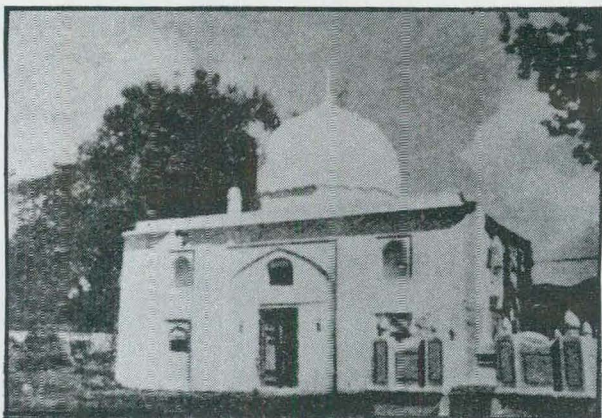
— متعلق ص ۹۹

مقبرہ حضرت مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ جنداللہ قدس سرہ العزیز
واقع سندھی پورہ - برہانپور۔

- متعلق ص ۱۰۲
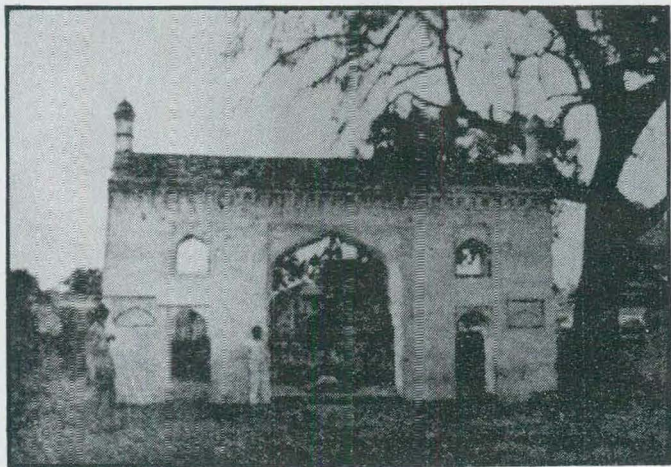
مقبرہ حضرت شیخ عبدالستار فرزند کلاں حضرت مسیح الاولیاءؒ قدس سرہ

- متعلق ص ۱۰۹

وصیت نامه و تقسیم نامه کا بقیه عکس تحریر

عکس تحریر حضرت شیخ طه ابن حضرت مسیح الاولیاءؒ قدس سره

وصیت نامہ و تقسیم نامہ کا بقیہ عکس تحریر

وصیت نامہ و تقسیم نامہ کا بقیہ عکس تحریر
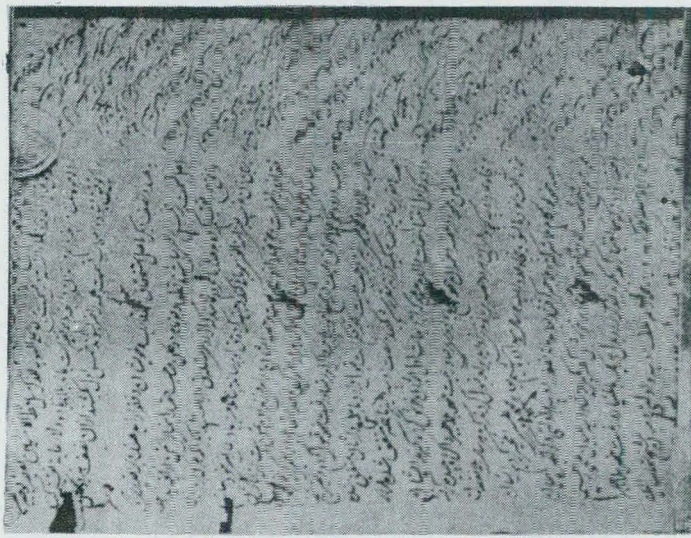
مقبره حضرت شیخ ابراهیم ابن عمر سندهی قدس سره

— متعلق ص ۲۰۱

مقبره حضرت ابراهیم بن عمر کا بیرونی منظر۔ یهاں شیخ مبارک سندهی، شیخ موسیٰ بوبکانی وغیره کے مزار هیں .

— متعلق ص ۲۰۴

مقبرہ حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہ
- متعلق ص ۱۷۰
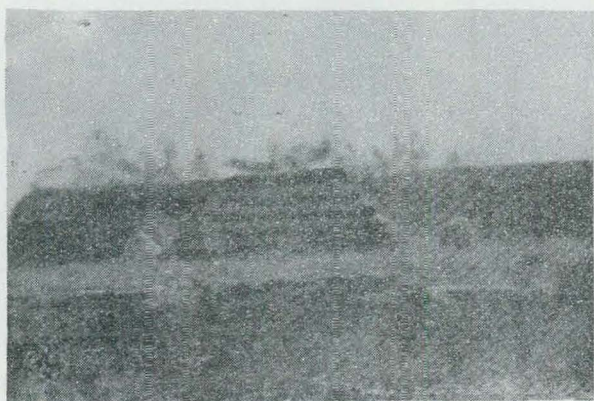
مزار حضرت شیخ ابراہیم کلھوڑا قدس اللہ سرہ
- متعلق ص ۱۹۱
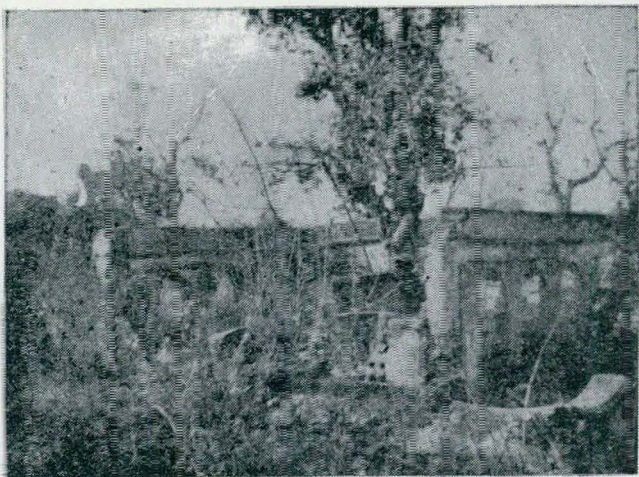
شیخ ابراهیم ابن عمر سندھی کے مقبرہ کے متصل ایک حصہ کا منظر
جہاں متعدد مشہور مشایخ کے مزار ہیں۔ — متعلق ص ۲۱۵

قبرستان عادلپور کی ایک غیر معمولی بڑی قبر۔ —متعلق ص ۲۲۵
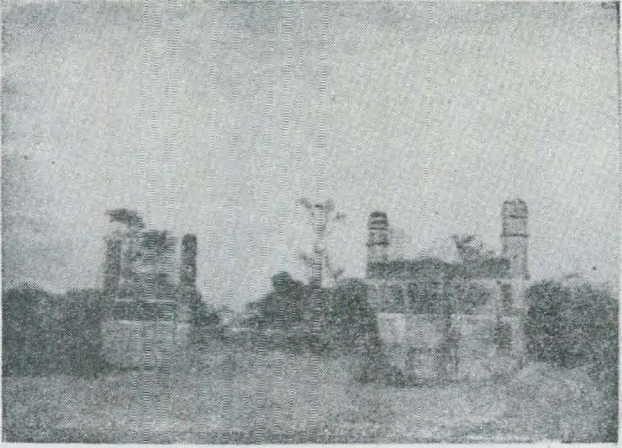
مقبرہ ابراھیم ابن عمر سندھی کے متصل دو چھوٹی مسجدیں جہاں شیخ لاڈ جیو، قاری ابراھیم اور دوسرے بزرگوں کے مزار ھیں.

— متعلق ص ۲۰۹

مقبرہ حضرت سید ابراھیم بکھری قدس سرہ — متعلق ص ۲۱۳

مقبرہ حضرت نائب رسول اللہ ،
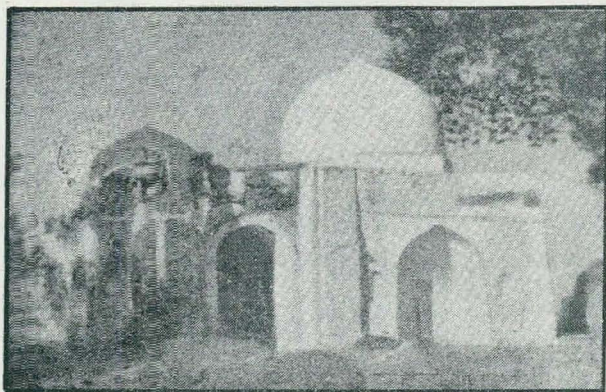
جس کے باہر گوشہ میں محب علی سندھی کا مزار ہے
— متعلق ص ۲۵۴
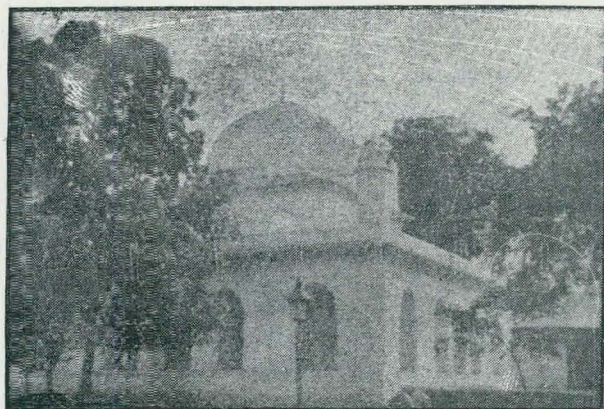
مقبرہ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہ
خلیفۂ خاص حضرت مسیح الاولیاء قدس سرہ
— متعلق ص ۳۳۱
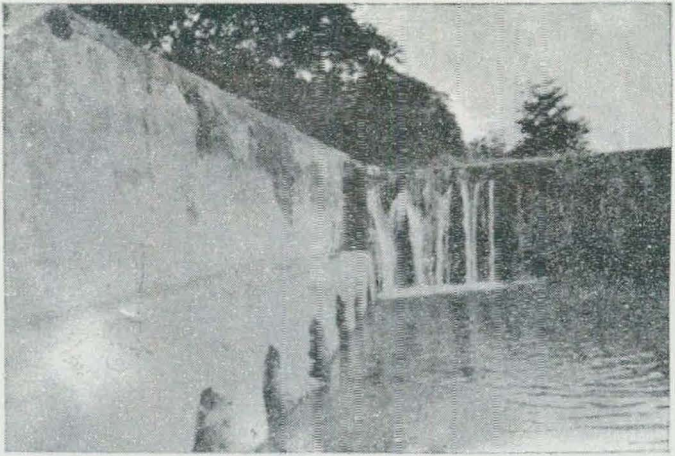
چادر آب مصفّا حیرت افزا آبشار قلب ایں نظّارہ گویا آبِ حیوان آشکار

آبشار محلِ گوہر آرا برہانپور جس سے ۴۰ فٹ اونچی دیوار سے ۳۰۰ فٹ طولانی حوض میں پانی کی چادر گر رہی ہے، اسی منظر کو دیکھ کر ملا صاحب نے مذکور بالا شعر کہا تھا۔ — متعلق ص ۲۳۷
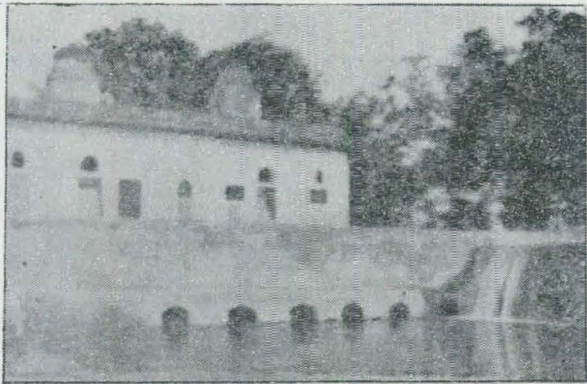
وسیع آبشار کے آمنے سامنے یکساں محلات کا منظر جس کی دلکشی سے متاثر ہو کر ملا رجب علی نے یہ شعر کہا تھا

مصلع برجستہ تعمیر سلطان خورم

بر کنار حوض اکبر این دو کاخ محترم

— متعلق ص ۲۳۹